دنیا عورت کی نظر میں

مشرق و مغرب کا سفرنامہ

متن مع مقدمہ، حواشی، ضمیمے

مصنفہ
بیگم نواب سربلند جنگ

مرتب
ڈینیل ماخرویچ

دنیا عورت کی نظر میں

بیگم نواب سربلند جنگ

دل چاہتا تھا کہ پَر لگ جائیں تو اُڑ جاؤں اور گنبدِ خضرا کے نیچے بیٹھ کر دربارِ محبوبؐ کی خاک کو آنکھوں سے لگاؤں، لیکن ابھی تک یہ تمنّا دل ہی دل میں تھی کہ ۱۹۰۹ء کی ایک شب کو جب کارِ خانگی سے فرصت پا کر سونے کے ارادہ سے لیٹی اس وقت یکایک نواب سربلند جنگ صاحب نے فرمایا کہ "کیا تم اس سال حج کو چلو گی؟"

۱۹۰۹ء میں اختر النساء بیگم سربلند جنگ (۱۸۷٦ء-۱۹۵۷ء) اپنے شوہر کے ہمراہ حج و زیارت کے عزم سے حیدرآباد دکن سے روانہ ہوئیں۔ دینی فرائض سے فراغت پا کر میاں بیوی دونوں شرق اوسط اور یورپ کی سیر کو نکلے۔ سفر کے دوران بیگم سربلند اپنے روزنامچہ میں اپنی سرگرمیاں، خیالات، اور تاثرات لکھتی رہیں، بلکہ مختلف ممالک کی خواتین کے حالات کا جو بھی مشاہدہ ہوتا اس پر بھی وہ روشنی ڈالتیں۔ ۱۹۳۵ء میں انھوں نے اس ڈائری کو بطور سفرنامہ شائع کروایا، جو اردو کی خواتین کے تحریر کردہ اولین سفرناموں میں سے ہے۔ بیگم سربلند ایک مضبوط شخصیت کی مالک تھیں، اور اس کتاب میں بھی انھوں نے اپنی شخصیت کا وہ جلوہ برقرار رکھتے ہوئے اپنے مشاہدات کو بلا کسی لاگ لپیٹ کے بیان کیا ہے۔

اس نئے اڈیشن میں پروفیسر ڈینیل ماخرویچ (نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی) نے بیگم سربلند کے اس سفرنامے کو سال ہا سال کی تحقیقات سے مزین کیا ہے، جس کے ذریعہ اس کارنامے کے تاریخی سیاق و سباق اور ادبی اہمیت پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

Price : Rs. 600
(U.S. $7)
ISBN: 978-93-82775-46-1
9789382775461

دِلّی کتاب گھر
Dilli Kitab Ghar
3961, Gali Khankhanan, Jama Masjid, Delhi-110006, India
Tel.: +91-11-23252696 Mobile: +91-9818530916 / 9810276424
E-mail: dillikitabghar@gmail.com http://dillikitabghar.wordpress.com

دنیا عورت کی نظر میں

دنیا عورت کی نظر میں

مشرق و مغرب کا سفرنامہ

متن مع مقدمہ، حواشی، ضمیمے

مصنفہ

بیگم نواب سربلند جنگ بہادر

مرتب

ڈینیل ماخرویچ

© ڈینیل ماخرووِچ

پہلی اشاعت	:	اگست ۲۰۲۵ء
تعداد	:	۵۰۰
سرورق	:	ڈیوڈ بوئیک
طابع	:	ایچ.ایس.آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی
قیمت	:	600 روپے (امریکی ڈالر ۷)
ناشر	:	دلّی کتاب گھر، 3961۔گلی خانخاناں، جامع مسجد، دہلی۔110006

ISBN:978-93-82775-46-1

Dunya Aurat ki Nazar Mein

Edited by Daniel Majchrowicz

Price : Rs. 600

(U.S. $7)

دِلّی کتاب گھر Dilli Kitab Ghar

3961-Gali Khankhanan, Jama Masjid, Delhi-110006

Email : dillikitabghar@gmail.com

Mobile: 9818530916 / 9810276424

زہے نصیب مدینہ مقام ہو جائے
درِ حبیب پہ میرا سلام ہو جائے
مدینہ جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
عمر یوں ہی تمام ہو جائے

بیگم سربلند جنگ اختؔر

فہرست مضامین

مقدّمہ: طاق پر پڑا پوشیدہ شاہکار	مرتب	11
میری دادی امّاں، بیگم سر بلند جنگ	نجیب جنگ	25
نانی امّاں اور علمِ کامل کی تعلیم و تربیت	عابد الٰہی	31

دنیا عورت نظر میں: مشرق و مغرب کا سفرنامہ

متن	55
حواشی	239
متن میں شامل انگریزوں کے نام	250
فرہنگ	251

ضمیمہ ۱ نواب حمید اللہ خان سر بلند کے سفرنامے

۱۔تعارف: حمید اللہ خان کے سفرناموں پر ایک نظر	254
۲۔سفرنامۂ مدینہ منوّرہ	258
۳۔سفرنامۂ قسطنطنیہ	298
ضمیمہ ۲ بیگم سر بلند جنگ کے چند خطوط	359
ضمیمہ ۳ بیگم سر بلند جنگ کا شجرۂ نسب	385
ضمیمہ ۴ تاریخی تصاویر	396
حوالہ جات	407

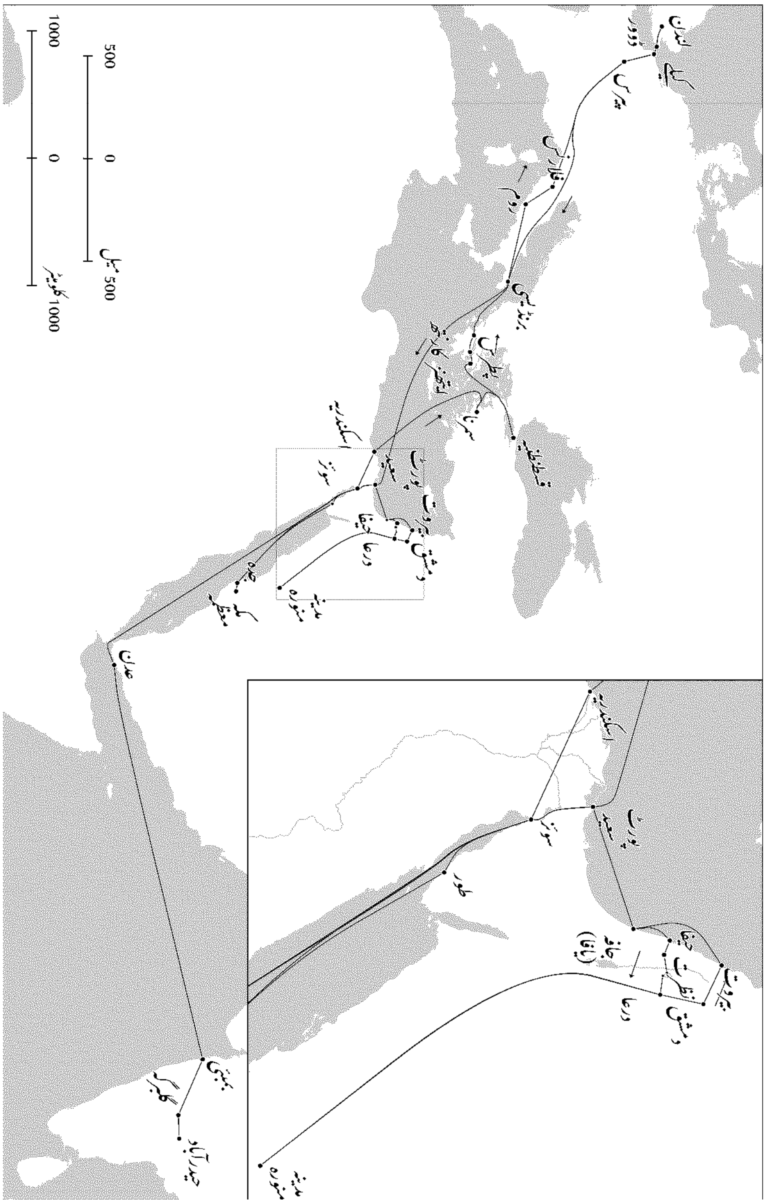

بیگم سربلند کے سفر کا نقشہ

مقدّمہ

طاق پر پڑا پوشیدہ شاہکار

۲۰۱۲ء میں، میں امریکہ سے دہلی آیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ہارورڈ یونیورسٹی سے پی .ایچ.ڈی کر رہا تھا اور خوش قسمتی سے مجھے ہندوستان میں تحقیق کرنے کے لیے ایک سال کا وظیفہ مل گیا تھا۔ تحقیق کا موضوع میری اپنی فطرت سے مماثلت رکھتا تھا یعنی اردو سفرنامہ کی تاریخ۔ مجھ جیسے آوارہ گرد کے لیے یہی صنف ادب موزوں ٹھہری۔ ایک سال کے دورۂ ہند و پاک کے دوران، میں پورے برصغیر کے چکّر لگاتا رہا۔ نایاب سفرناموں کی تلاش میں شہر در شہر، در بہ در کی خاک چھانی۔ بحالتِ خانہ بدوشی ہند کے بہت سے ادباء اور محققین سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور ان اسکالروں کی ہدایات اور عنایات سے میں نے ہند و پاک کے بے شمار کتب خانوں، آرکائیوں اور مدرسوں کے چکر کاٹے۔ بقول زیب غوری:

تلاش ایک بہانہ تھا خاک اُڑانے کا
پتہ چلا کہ ہمیں جستجوئے یار نہ تھی

اس ایک سال میں مجھے کچھ انوکھے سفرنامے تو ملے ہی مگر ان سب نوادرات میں سے ایک ایسی کتاب بھی میرے ہاتھ آ گئی جس سے ہر ایک اردو داں اور محبّ تاریخ مسلمانان ہند کو واقف ہونا چاہیے۔ وہ کتاب اب آپ کی نظر کے سامنے ہے، بیگم سربلند جنگ کی ''دنیا عورت کی نظر میں: مشرق و مغرب کا سفرنامہ۔''

اس نئے اڈیشن کا قصہ ۲۰۱۲ء میں شروع ہوتا ہے جب میں دہلی کے کتب خانوں کا گشتی

پروانہ ہوا کرتا تھا۔ ایک دن، حسب معمول، میں بس میں بیٹھ کر نئی دلی کے جامعہ ہمدرد کی طرف روانہ ہوا۔ دلّی کی بسوں کی بھی اپنی ایک داستان ہے جو کسی اور موقع سے آپ کو سناؤں گا۔ فی الحال اتنا سمجھ لیجیے کہ ''اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے''۔ خیر، جناب میں جامعہ کے کتب خانہ میں جا کر مولانا نذیر احمد کے شعبہ میں بیٹھ گیا اور آرام سے ایک ایک سفرنامے کو اٹھا کر غور سے دیکھنے لگا۔ میں اپنی کاپی میں ساری معلومات درج کرتا جا تا اور ایک کے بعد دوسری کتاب اسی آس میں اٹھاتا کہ ''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں''۔ تبھی اچانک میری نظر ایک سبز رنگ کی کتاب پر ٹھہر گئی جس کے عنوان نے یہ پراسرار دعویٰ کیا کہ یہ ان تمام کتابوں سے بالکل مختلف ہے جو اب تک میری نظروں سے گزر چکی تھیں۔

وہ بیگم سربلند کی تصنیف کردہ کتاب ''دنیا عورت نظر میں: مشرق ومغرب کا سفرنامہ'' تھی جس کا ذکر میں نے اس سے پہلے شاید ہی کہیں سنا تھا۔ بھلا سنتا بھی تو کہاں؟ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یہ کتاب نہایت کم یاب ہے۔ میری دانست میں اب اس کی صرف تین کاپیاں ہی بچی ہیں، ایک کاپی بیگم سربلند کے پوتے کے ذاتی کتب خانہ میں، ایک جامعہ ہمدرد میں اور ایک یونیورسٹی آف ٹیکساس میں(۱)۔ خطرہ یہ تھا کہ طاق پر پڑے پڑے یہ انوکھا سفرنامہ دنیا کی نظروں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ اردو ادب اور ہندوستانی تاریخ کا یہ منفرد مسودہ ہمیشہ کے لیے غائب نہ ہو جائے۔ اس کتاب کو ایک نئی زندگی دینے اور اہل علم تک اس کی رسائی کے لیے میں اسے انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کروا چکا ہوں اور اب یہ نیا اردو اڈیشن منظرِ عام پر آیا ہے۔

میرے خیال میں بیگم سربلند کی یہ تصنیف تین وجوہات سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس مختصر دیباچہ میں ان تینوں وجوہات پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔ پھر بیگم سربلند کی زندگی اور اس نئے اڈیشن سے متعارف کروا کر میں اپنی بات ختم کرنا چاہوں گا تا کہ قارئین بیگم سربلند کا بیان سن کر لطف اندوز ہو سکیں۔

واضح رہے کہ ''دنیا عورت کی نظر میں'' بیگم سربلند جنگ کا روزنامچۂ سفر ہے۔ اس تحریر کی شروعات حیدرآباد دکن میں ہوئی تھی۔ ۱۹۰۹ء میں نواب محمد حمید اللہ خان سربلند جنگ، منصف عدالت عظمیٰ حیدرآباد، نے ایک دن اپنی بیگم سے پوچھا کہ کیا اس سال حج پر چلوگی؟ چونکہ یہ ان کی بھی دیرینہ خواہش تھی لہٰذا انھوں نے ہامی بھر دی اور فی الفور زور وشور سے تیاریاں شروع ہوگئیں۔ میاں بیوی نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ حیدرآباد سے مکہ، مدینہ، مصر اور شام ہوتے ہوئے قسطنطنیہ جائیں گے۔ وہاں سے گھوم پھر کر یورپ کے راستے انگلستان بھی جائیں گے جہاں ان کا کم سن بیٹا پڑھائی کر رہا تھا۔ بچے کی خیریت جان کر واپس حیدرآباد آنے کا منصوبہ بنا۔ کل ملا کر پانچ مہینوں کا ذہن اور جسم کو تھکا دینے والا طویل سفر۔ دونوں نے اپنے سفر کو یادگار بنانے کے لیے یہ طے کیا کہ وہ اپنے سفر کے آغاز سے انجام تک کی تمام سرگرمیاں اور تاثرات اپنے اپنے روزنامچوں میں درج کرتے جائیں گے۔ انھوں نے اس منصوبہ پر پورا عمل بھی کیا، اور حیدرآباد واپس آنے کے بعد حمید اللہ خان نے اپنے ان صفحات کو ترتیب دے کر تین جلدوں میں شائع بھی کروایا۔ مگر ان کی اہلیہ نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا، بلکہ بیس سال تک اپنی تصنیف گھر میں ہی چھپا کر رکھی۔ آخرکار، سن ۱۹۳۵ء میں انھوں نے ان خستہ صفحات کو مرتب کر کے چھپوایا اور اس خوبصورت تحریر کو منظر عام پر آنے کا موقع ملا۔ اس وقت بھی یہ کتاب ایک شاہ کار سے کم نہیں تھی اور موجودہ زمانہ میں بھی اس کی اہمیت میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔

اردو کے نسائی ادب کا ایک اوّلین اور منفرد نمونہ

بیگم سربلند کا روزنامچۂ سفر اردو خواتین کے اوّلین سفرناموں میں سے ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ اردو زبان میں سفرنامہ کی صنف کی ایک بہت لمبی تاریخ ہے۔ مشہور سیاح یوسف خان کمبل پوش سے پہلے بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں لوگ سفرنامے لکھ رہے تھے یا

دوسری زبانوں کے سفرناموں کے ترجمہ کر رہے تھے۔ انیسویں صدی کے آخر تک سفرنامہ اردو ادب کی ایک مقبول ترین صنف بن چکا تھا۔ ہر روز اخباروں، رسالوں اور کتابی صورت میں نئے نئے سفرنامہ نمودار ہو رہے تھے۔(۲) مگر افسوس کہ سماج کی قدامت پرستی اور تنگ نظری کے سبب سفرناموں کی اس بھیڑ میں کوئی ایک بھی سفرنامہ خاتون مصنفہ کا تحریر کردہ نہیں تھا، سوائے سکندر بیگم بھوپالی کے، درحقیقت جس کا صرف انگریزی ترجمہ ہی چھپا اور اردو قارئین کے سامنے کبھی نہ آ سکا۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بقول اقبال،''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ''، اور اسی رنگ کی اشد کمی یہاں بھی محسوس ہوتی ہے۔ خیر سوال یہ بھی ہے کہ کیا اس وقت ہندوستانی ادب میں خواتین کی تصانیف کے لیے کوئی گنجائش تھی؟ شریف اور امیر خواتین بھی زیادہ تر ناخواندہ ہی ہوا کرتی تھیں، البتہ ان میں سے ایک آدھ کی پڑھائی قرآن کی تلاوت تک محدود تھی۔ پروفیسر سی. ایم. نعیم کے مطابق، جن خواتین کو پڑھنا سکھایا جاتا تھا اکثر انھیں لکھنے کی تعلیم سے محروم رکھا جاتا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لکھنے والی شریف عورتیں نہ کے برابر ہی تھیں۔ البتہ طوائفیں ضرور اس عمل کے لیے آزاد تھیں، لیکن ان کی شعر و شاعری کو بھی مشکل سے رسالوں میں جگہ مل پاتی تھی۔ مگر بیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے یہ پابندیاں رفتہ رفتہ دم توڑنے لگیں۔ اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ کتابی صورت میں نواب سلطان جہاں بیگم بھوپالی کا ''روضۃ الریاحین'' [۱۹۰۶ء] کسی خاتون کا پہلا شائع شدہ سفرنامہ ہے۔ خیر وہ تو ملکہ تھیں۔ بیگم سربلند جیسی شریف خاتون کے لیے کتاب چھپوانا جوئے شیر لانے سے بھی مشکل تھا مگر ان کے لیے ایک اور راستہ کھلا تھا اور وہ تھا رسالہ۔ ''عصمت'' جیسے رسالے جو خاص ''شریف ہندوستانی بیبیوں کے لیے'' نکالے گئے تھے جو اپنے پہلے ہی شمارے سے خواتین کے تصنیف کردہ سفرناموں کو شائع کرتے آئے تھے۔ جیسے ہی یہ راہ ہموار ہوئی، یہ بیگمات بھی اپنے اپنے سفر کے احوال لکھ کر رسالوں کو بھیجنے لگیں، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ واقعی میں ان کو سفر و سیاحی کا کس قدر شوق رہا ہوگا۔ واضح رہے کہ شوق ہوتے ہوئے بھی بہت سے لوگوں کو

چھپوانے کا ذوق نہیں ہوتا۔ بیگم سر بلند جنگ جیسی خاتون کے نزدیک یہ ایک نازیبا حرکت تھی۔ رسالہ میں مضمون بھیجنے کے بجائے بیگم سر بلند جنگ اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور احباب کو دکھایا یا سنایا کرتی تھیں۔ بیگم سر بلند جنگ اکثر اپنے سفر کی کہانی محفلوں میں سناتی تو تھیں مگر اس کو شائع کروانے کے لیے جو ہمت درکار تھی اس کو کبھی بھی یکجا نہ کر سکیں۔ یہ عمل کافی عرصہ بعد ۱۹۳۵ء میں پایۂ تکمیل تک پہنچ سکا۔

لہٰذا ''دنیا عورت کی نظر میں'' کی اہمیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب خواتین کے سفرناموں کی بہترین مثال ہے، اور اپنی جگہ یکتا و یگانہ بھی ہے۔ موصولہ معلومات کے مطابق ۱۹۰۹ء سے پہلے صرف بھوپال کے وہ دو نواب اور فیضی خاندان کے دو رکن، عطیہ فیضی اور نازلی فیضی تھیں جنھوں نے اردو میں سفرنامے قلم بند کیے تھے۔(۳) اس حساب سے بیگم سر بلند اردو کی پانچویں خاتون سفرنامہ نگار ٹھہرتی ہیں(۴)، مگر درحقیقت ان کا انداز اپنے عہد کا بے مثال نمونہ ہے۔ ان سے پہلے جو چار سفرنامے منظرِ عام پر آئے تھے وہ یا تو سیاسی وجوہات سے لکھے گئے یا پھر قارئین کو تعلیم دینے کے لیے۔ ان کا اسلوب کافی پُر تکلف ہے۔ اس کے برخلاف، بیگم سر بلند جو صرف اپنے جذبات کی عکاسی کر رہی تھیں، انھوں نے ایک بے تکلف انداز اپنایا تھا اور وہ بے باکی سے ہر ایک بات بلا پس و پیش کہتی ہیں۔ رشوت کب دی، پیٹ کب خراب ہوا، کب جی اکتایا، ان کی یہ تمام ذاتی باتیں اس میں شامل ہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، کسی خاتون نے اس طرح کا بے تکلف اور مصالحہ دار سفرنامہ نہیں لکھا۔(۵) اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تحریر کو چٹپٹا بنانے کے معاملہ میں مرد حضرات بھی بیگم صاحبہ سے کچھ زیادہ آگے نہ بڑھے تھے۔ اسلوب اور انداز کا سوال میں اس دیباچہ کے آخر میں اٹھانا چاہتا ہوں۔ فی الحال اتنا لکھنا کافی ہے کہ اس کتاب کو اردو ادب کی تاریخ کا ایک نیا باب کہا جا سکتا ہے۔

اردو سفرنامہ کی بابت ایک آخری نکتہ بھی ضروری ہے کہ ایسی کون سی وجہ رہی ہوگی کہ بیگم

سربلند نے آخر ۱۹۳۵ء میں اپنی کتاب کی اشاعت کروائی؟ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں۔ اُس زمانے کے معاشرتی نظام کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا زیادہ موزوں لگتا ہے کہ اب بالوں میں جھلکتی چاندنی صفت سفیدی سے یہ واضح ہو رہا تھا کہ بے شمار تجربات ایسے ہیں جن کو دنیا سے روبرو کروانے کا وقت آ چکا ہے۔ شوہر کی وفات کو پانچ برس کا عرصہ ہو گیا تھا اور ایسے حالات میں ایک سن رسیدہ بیوہ خاتون کو معاشرہ کی عدم قبولیت کا خدشہ نہ کے برابر تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور سب سے اہم وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ زمانے کی ہوا تبدیل ہوگئی تھی۔ پردہ کا نظام بھی اپنی گرفت ڈھیلی کر چکا تھا، تیس سال کے عرصۂ دراز نے کافی کچھ بدل دیا تھا۔ خواتین کے رسالے اور خواتین کے لکھے مضامین اور سفرنامے کسی قدر عام ہو گئے تھے۔ اگر یہ سفرنامہ بیگم سربلند کے نام کے ساتھ ۱۹۱۰ء میں حیدرآباد میں چھپا ہوتا تو نہ صرف پورے شہر بلکہ پوری ریاست میں اس کا ڈھنڈھورا پٹ جاتا، جیسا کہ عطیہ فیضی کے ساتھ ہوا، جنھوں نے اسی عہد میں لکھنے کی جرأت کی تھی، اور ان کو تمام مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے برعکس، ۳۰ کی دہائی کے بعد اتنی جدوجہد کا سامنا نہیں تھا۔ مثال کے طور پر، بیگم سربلند کی طرح، بیگم انعام حبیب اللہ نے بھی پردے سے نکل کر انھیں دنوں میں اپنا پر روزنامچۂ سفر لندن تاثرات سفر یورپ چھپوا دیا۔ ہوا کا رخ واقعی بدل رہا تھا۔

مورخین کے لیے ایک انمول ذریعہ

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستانی مسلم خواتین زمانۂ قدیم سے سفر کی بڑی شوقین تھیں۔ بایزید بیات کی سرگذشت ''تذکرۂ ہمایوں و اکبر'' کے مطابق، ۱۵۷۵ء میں ہمایوں کے حرم سے گل بدن بیگم مع سینکڑوں مغلیہ خواتین سفر حج پر نکلیں اور سات سال حجاز میں رہیں۔ اس وقت سے آج تک لاکھوں خواتین حج پر اور دیگر سفر طے کر چکی ہوں گی جن کے نام اور کارنامے لوح تاریخ پر کبھی درج نہیں کیے جا سکے۔ حج و زیارت کے علاوہ ہندوستانی مسلم خواتین شادی بیاہ

میں جانے کی غرض سے، زیارت یا سیر و سیاحت کے لیے یا تلاش معاش کے لیے بھی سفر کرتی رہیں۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، حتیٰ کہ انیسویں صدی کے نصف دوم میں ان خواتین نے ریل گاڑی اور بھاپ کے جہاز کا فائدہ اٹھا کر پہلے سے بھی زیادہ سیر و سیاحت کو اپنی عادت میں شمار کر لیا۔ اس کی ایک جھلک ہم کو مرزا ہادی رسوا کے ناول ''امراؤ جان ادا'' میں ملتی ہے۔ ایک رات نشست میں امراؤ شکایت کرتی ہے کہ جب سے وہ کربلاء سے واپس آئی ہے اس کو کھانسی لاحق ہوگئی ہے۔ سامعین کو حیرت نہیں ہوتی کہ لکھنؤ کی یہ خاتون کربلاء کی خاک بھی چوم چکی ہے۔ یعنی وہ زمانہ آتے آتے یہ اتنی بڑی بات نہیں رہی تھی۔

یہ سب جان کر تجسس سے پُر مورخ ضرور پوچھے گا: اگر یہ ہندوستانی مسلم خواتین دنیا کے کونے کونے میں جا رہی تھیں، تو دورانِ سفر ان پر کیا گزری ہوگی؟ ان کے کیا تاثرات ہوں گے؟ اس سوال کا جواب تاریخ ہمیں نہیں بتا سکتی کیونکہ بدقسمتی سے ان خواتین کا ایسا کوئی دستاویز ہمارے ہاتھ نہیں آیا، جس سے ان کی آپ بیتی کا کچھ سراغ ملتا ہو۔ جیسا کہ زمانۂ قدیم سے آج تک ہوتا آیا ہے کہ ہر معاشرے میں کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن کا وجود ہوتا تو ہے مگر انسان ان پر بات نہیں کرتا۔ اس زمانے کی بھی گواہی ہمیں صرف مردوں کی زبانی ہی ملتی ہے اور وہ بھی کچھ آدھی ادھوری سی؛ ان کو کیا پتہ کہ عورتیں کس طرح کے حالات سے دوچار تھیں؟ بہت کم ایسے لوگ تھے جو سمجھتے تھے اور جن کو پتہ تھا لیکن انھوں نے راز افشا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ''باقی جو رہی سو بے خبری رہی''۔

پس یہ دوسری وجہ ہے کہ بیگم سربلند کا یہ سفرنامہ اہمیت کا حامل ہے۔ یہ کتاب مورخین اور تاریخ کے شائقین کے لیے کسی بیش بہا خزانے سے کم نہیں ہے۔ بیگم سربلند اپنے لیے لکھ رہی تھیں، قارئین کے لیے نہیں۔ نہ وہ عطیہ فیضی کی طرح علم پھیلانا چاہ رہی تھیں اور نہ ہی سلطان جہاں بیگم کی طرح سیاسی چالیں چل رہی تھیں۔ ان کی کتاب میں جو مشاہدات اور تاثرات درج ہیں وہ سچے ہیں اور دل سے نکلے ہوئے ہیں جو ان کی چشمِ بینا نے دیکھا اور قلب القلوب

نے محسوس کیا اس کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اسی لیے ہم ان کی تصنیف پڑھ کر سمجھ سکتے ہیں کہ بیسویں صدی کی اول دہائی میں ایک اعلیٰ طبقہ کی دولت مند خاتون مسافر پر کیا گزرتی تھی۔

بیگم سربلند خود اس بات سے بخوبی واقف تھیں کہ ان کی یہ کتاب قارئین کو ''ایک عورت کی نظر سے'' دنیا دیکھنے کا ایک نایاب موقع فراہم کرتی ہے۔ چونکہ یہ ان کا پہلا غیر ملکی سفر تھا، ان کی باتوں میں جوش، تجسس اور حیرت کی چمک جھلکتی ہے جس کے ذریعے، ہم جانتے ہیں کہ وہ کیسا محسوس کرتی ہیں۔ جب وہ بھاپ سے چلنے والے جہاز پر سمندر میں اپنی پہلی رات گزارتی ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں، جب وہ ہندوستان کی سرحدوں سے باہر مسلم معاشروں کی تنوع کو دلچسپی سے دیکھتی ہیں اور اس اجنبی اور بعض اوقات پریشان کن ماحول سے سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جس پُرسکون عظمتِ نفس سے وہ عام یورپی نسل پرستی کا سامنا کرتی ہیں، اس سے ہم خوف زدہ بھی ہوتے ہیں اور متاثر بھی، جیسے اُس وقت جب ایک برطانوی خاتون سرِ عام اُن کی نقاب زبردستی ان کے چہرے پر سے ہٹا دیتی ہے۔

زیرِ نظر کتاب یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ ان تجربات کی روشنی میں اُنھوں نے اپنے عقائد، رسوم اور سفر کے روزمرہ ترجیحات پر کس طرح غور وفکر کیا۔ بطور ایک مسلمان عورت کے جو نوآبادیاتی ہندوستان سے تعلق رکھتی ہو، اس کے لیے خلافتِ عثمانیہ کا سفر کرنا اور خلیفہ سے ملاقات کرنا کیا معنی رکھتا تھا؟ کیا بیرونِ ملک میں ایسی مسلم خواتین سے ملنا پریشان کن رہا ہوگا جن کی زبان، روایات، لباس، اور یہاں تک کہ عقائد بھی اس سے مختلف تھے؟ اور سب سے بڑھ کر — ان کے اپنے الفاظ میں — ایسے دور میں جب مغربیت بڑھ رہی تھی ایک مسلمان عورت ہونے کا مطلب کیا تھا؟ یہ بتانا کہ ایک مسلم عورت کے لیے، جو اپنے مذہب کی پیروی کرتی ہے، ایک ایسی نوآبادیاتی دنیا میں قدم رکھنا کیسا تھا جو اس کے لیے نہیں بنائی گئی تھی اور جو اسے مکمل طور پر قبول کرنے کے لیے تیار بھی نہیں تھی۔ یہی وہ غور وفکر اور بصیرتیں تھیں جسے

وہ اپنے قارئین کے ساتھ بانٹنا چاہتی تھیں۔

ایک محظوظ اور حیرت زدہ کر دینے والی کتاب

''دنیا عورت کی نظر میں'' اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کو پڑھنے میں جو لذت ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔ بیگم سربلند کا انداز بیان لاجواب ہے۔ الفاظ کا برجستہ استعمال، چست فقرے، موقع ومحل سے مناسبت رکھنے والے استعارے، اور واقعات اتنے پُر کیف اور مزاحیہ انداز میں بیان کرتی ہیں کہ پڑھنے والے کو بے ساختہ ہنسی آ جاتی ہے۔ اور میرے لیے یہی ایک ایسا ذائقہ ہے جو کوئی بھی قاری تحریر میں چاہتا ہے۔ سفرناموں کا مقصد محض علم پھیلانے یا اخلاق سکھانا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں ہنسی اور خوشی کا بھی بیش بہا مواد ہوتا ہے۔ اس بات کے مدنظر تو بیگم سربلند کا، خواتین کے سفرناموں کے میدان میں، شاید ہی کوئی مقابلہ کر سکتا ہو۔(٦) ان کے حمام میں نہانے کے قصہ کا کوئی ثانی نہیں۔ تصور کیجیے کہ ایک خاتون جو کسی غیر ملک میں پہلی بار گئی ہے اور وہاں کے حمام میں نہانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ مگر آدابِ حمام سے واقف نہیں۔ بیگم صاحبہ نے دمشق میں پیش آنے والا یہ تجربہ بھی لکھا ہے کہ زیارت پر جانے سے پہلے وہ پاکی وطہارت کی غرض سے غسل کرنا چاہتی ہیں مگر وہاں کا ماحول دیکھ کر تذبذب میں پڑ جاتی ہیں، حمام میں موجود لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کو نہلانے والوں کی ضرورت درپیش ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تحریر میں ہم کو ان کی حاضر جوابی کی جھلک بھی جابجا ملتی ہے۔ جس طرح الفاظ کا برمحل استعمال کر کے فقرے بازی کرتی ہیں وہ قابل دید ہے۔ جب بیگم سربلند لندن میں برطانیہ کے ہونے والے بادشاہ پرنس آف ویلز سے ملتی ہیں تو صاحب موصوف باتوں باتوں میں فرماتے ہیں کہ ان کو ہندوستان بہت پسند آیا تو بیگم صاحبہ برجستہ جواب دیتی ہیں کہ'' آپ ہی کا تو ہے۔'' اور پھر، ان کی اس صداقت اور ایمانداری پر شہزادے کو بھی قہقہہ لگانا پڑتا ہے۔ ایک اور مثال سنیے۔ ایک جگہ پر وہ اپنے روزنامچہ میں لکھتی ہیں کہ نواب صاحب نے ان کو

فلاں آدمی کے بارے میں ایک کہانی سنائی تھی۔ وہ کہانی درج کرنے لگتی ہیں اور پھر اچانک اکتا کر موضوع تبدیل کر دیتی ہیں کہ ''یہاں قصہ لکھنا ضروری ہے۔'' حاصل یہ کہ شروع سے آخر تک وہ قاری کو اپنے مزاحیہ انداز سے باندھے رکھتی ہیں۔

یہ کتاب اور بھی حیرت کن ہو جاتی ہے جب اس تحریر میں کچھ باتیں آج کے دور سے بالکل مختلف نظر آتی ہیں اور جو ہمارے عہد میں تقریباً ناممکن ہیں۔ ایک ایسی ہی بات یہ ہے کہ جب وہ حج کے لیے روانہ ہوتی ہیں تو ان کا چار ماہ کا بچہ حلیم اللہ ان کے ہمراہ نہیں ہوتا لیکن مکہ پہنچ کر وہ اپنے نوزائیدہ بچے حلیم اللہ سے ملتی ہیں۔ حلیم کی انا بچہ کو لے کر آ گئی تھی۔ وہ دنیا اور تھی، اور دنیا عورت کی نظر میں، اس کی ایک جھلک ہمیں مل جاتی ہے۔

بیگم سر بلند کا سوانحی خاکہ

میں اپنے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بیگم سر بلند اور ان کے خاندان کی مکمل تاریخ شائع کروا چکا ہوں، پس یہاں اسی مختصر سے خاکہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ بیگم سر بلند کے اجداد شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کا تعلق نہ صرف مغلیہ سلطنت سے بلکہ اور کئی ریاستوں جیسے کہ لوہارو اور الور سے بھی تھا۔ ان کے رشتہ داروں میں شاہ عالمگیر ثانی و مرزا غالبؔ شمار کیے جاتے ہیں۔ بیگم سر بلند کی والدہ سکندر زمانی بیگم تھیں جو ریاست لوہارو کے صدر وزیر کی بیٹی تھیں۔ ان کے والد مرزا آغا بیگ تھے جو شاہ جہاں آباد کے محلّہ فراش خانے میں ۱۸۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ غدر کی افراتفری میں وہ مع اہل وعیال لکھنؤ آ گئے اور غدر کے ختم ہونے کے بعد کیننگ کالج میں تعلیم حاصل کی۔ بعد میں تلاش معاش میں حیدرآباد گئے، جیسا کہ انھوں نے اپنی آپ بیتی ''کارنامۂ سروری'' میں رقم کیا ہے۔ دکن میں وہ سالار جنگ کی اولاد کے استاد بنے، اور پھر نظام محبوب علی خان کے۔ جب نظام بالغ ہوئے تو آغا مرزا ان کے مشیر مقرر ہوئے اور حیدرآباد کی ایک ممتاز اور معزز شخصیت بن گئے۔ ملکی، غیر ملکی کے جھگڑے میں ان کو

حیدرآباد کو خیر باد کہنا پڑا۔ جلا وطنی سے پہلے ان کے دس بچّے ہوئے، جن میں سے ایک لڑکی تھی اختر النساء۔ اختر النساء کو اردو اور قرآن سکھایا گیا ہوگا۔ ان کو شاعری کا بھی شوق تھا۔ ۱۸۴۸ء میں ان کی شادی دہلی میں ہوئی تھی۔ اس شادی کا پورا بیان شاہ محمد داناپوری کے سفرنامے ''سیر دہلی'' میں ملتا ہے۔ ان کے شوہر علی گڑھ اینگلو اورینٹل کالج کے پہلے طالب علم تھے، سمیع اللہ خان کے بیٹے حمید اللہ خان۔

شادی کے بعد حمید اللہ اور ان کی بیگم حیدرآباد میں جا کر بس گئے۔ نظام کی ریاست میں آ کر حمید اللہ عدالت عظمٰی کے منصف کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان کو سربلند جنگ کا خطاب بھی عطا کیا گیا۔ بیگم سربلند دس بچوں کی ماں بنیں، جن کے نام اس کتاب کے ضمیمہ میں شامل ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں یہ دونوں حج و زیارت کے لیے گئے۔ ۱۹۱۲ء میں حمید اللہ سبک دوش ہو کر الہ آباد منتقل ہو گئے۔ بیگم سربلند بھی ان کے ہمراہ آئیں اور ۱۹۳۰ء تک دونوں الہ آباد اور دہلی میں رہے۔ حمید اللہ دن بہ دن کمزور ہوتے گئے اور زندگی کے آخری دنوں میں انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ لیکن ان کی بیوی کی صحت اچھی تھی تو انھوں نے بچّیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی سرگرمیوں کو برقرار رکھا اور اکثر سفر کرتی رہیں۔ لڑکیوں کی اصلاح اور تعلیم کے لیے کانفرنسوں میں جا کر تقریریں کرتی تھیں اور اسی کام کے سلسلے میں تین دفعہ وائسراؤں کی بیویوں سے ملاقاتیں بھی کی تھیں۔ حمید اللہ کے انتقال کے بعد بیگم سربلند نے اپنی رفتار کم نہیں کی اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے جدوجہد کرتی رہیں۔ ملک کی تقسیم کے وقت وہ دہلی میں تھیں۔ دریا گنج میں واقع حمید منزل سے ناگزیر حالات میں نکلنا پڑا تو کناٹ پلیس میں اپنے بیٹے حلیم اللہ کے پاس سکونت اختیار کی۔ حمید منزل ضبط ہو گئی۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ہی رہیں لیکن اکثر حیدرآباد اور دوسرے شہر جہاں ان کے بھائی بہن اور بچے تھے، آتی جاتی رہیں۔ ان کا انتقال ۱۹۵۷ء میں ہوا۔ وہ حج و زیارت تین بار کر چکی تھیں۔ ان کی قبر دہلی میں خواجہ باقی باللہ کے مزار کے سائے میں ہے، اپنے والد، شوہر اور بیٹے حلیم اللہ کی قبروں کے بغل میں۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ بیگم سر بلند جنگ کا ہی سفرنامہ ہے، جدید ٹائپ شدہ اڈیشن مع حواشی۔ متن ویسا ہی ٹائپ کیا گیا ہے جیسا کہ اصل کتاب میں ہے۔ واضح رہے کہ جو غلطیاں اصل متن میں ہیں ان کو حتیٰ الامکان میں نے درست کر دیا ہے تا کہ عام قاری کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو، مثلاً: ختنہ/خطنہ؛ منبر/ممبر۔ جہاں اصل متن میں کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے یا سہو کتابت ہے تو اس کی تصحیح قلابین (اسکوائر بریکٹ) میں کر دی گئی ہے۔ البتہ کہیں املا کی کوئی واضح غلطی ہے اسے نشاندہی کے بغیر درست کر دیا گیا ہے۔ اصل کتاب خط نستعلیق میں ہے مگر پرانے املا میں۔ جدید قاری کی آسانی کے لیے زیادہ تر پرانے املا کو نئے املا کے مطابق لکھا گیا ہے: اسوقت/اس وقت؛ پہچینگے/پہنچیں گے، وغیرہ۔ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ کتاب کے بابوں کے عنوان اصل متن کے مطابق ہیں اور ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کی گئی ہے۔

دوسرا حصہ ضمیموں کا ہے۔ اس میں اصل متن سے متعلق تحقیقی اور تاریخی مواد جمع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ نواب سر بلند کے دو اردو سفرنامے ہیں جو اسی سفر پر مبنی ہیں۔ یہ دونوں سفرنامے ضمیمہ میں شامل ہیں۔ ان ضمیموں کی خوبی یہ ہے کہ قارئین میاں اور بیوی دونوں کے نظریات کا موازنہ بہ آسانی کر سکتے ہیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ ہر انسان کا ہر چیز کو دیکھنے اور پرکھنے کا اپنا نظریہ ہوتا ہے جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو یقیناً آپ دونوں تحریروں کے فرق کو دیکھ کر حیرانی کے سمندر میں غوطے لگانے لگیں گے۔ اس کے علاوہ بیگم سر بلند کا خاندانی شجرہ بھی دیا گیا ہے جو محققوں کے لیے مفید ہوگا۔ بیگم سر بلند کے رشتہ دار اپنے زمانے کے اکابر و مشاہیر میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس شجرہ سے ان تعلقات کی ایک جھلک ملتی ہے۔ مزید برآں، کتاب میں دو مضمون بھی شامل کیے گئے ہیں جو بیگم سر بلند کے پوتے نجیب جنگ صاحب اور عابد الٰہی صاحب کی عنایت ہے۔

میں ان دونوں حضرات اور شاکرہ سلطان بیگم کا ممنون و مشکور ہوں کہ انھوں نے میرے اس پروجکٹ میں میرا ساتھ دیا۔ میں نے کتاب کے سلسلے میں کئی بار زحمت دی اور انھوں نے خوشی خوشی میری مدد کی اور میں تہ دل سے ڈاکٹر عبدالرشید، جمال عبد اللہ اور دِلّی کتاب گھر، جامع مسجد کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، جن کے تعاون کے بغیر یہ کام ناممکن تھا۔ یہ ایک حسین اتفاق ہی کہا جائے گا کہ آج سے ٹھیک نوّے برس پہلے بیگم سربلند نے اپنا سفرنامہ جامع مسجد کے ایک مطبع سے شائع کروایا تھا جو ان کے دریا گنج والے گھر کے نزدیک تھا اور اب اسی جامع مسجد میں واقع دلّی کتاب گھر کے بدولت ان کے سفرنامہ کا ایک نیا باب شروع ہونے جا رہا ہے۔ اس خواب کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لیے میں اپنے تمام دوست واحباب کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں خاص طور پر ڈیوڈ بوئیک، زیبا پروین اور چنارا دیوی نروان جن کی کاوشوں سے یہ کارنامہ انجام دیا جا سکا اور آخر میں میں اس دیباچے کا اختتام مجروح سلطانپوری کے اس شعر سے کرنا چاہوں گا:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

ڈینیل ماخرویچ
نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی
امریکہ

۲۶ رمئی ۲۰۲۵ء
پالیرمو، صقلیہ

حواشی

ا۔ یہاں کتاب کی کاپیوں کی بات ہو رہی ہے۔ ایک ڈیجیٹل کاپی ریختہ کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے جو جامعہ ہمدرد کی کاپی سے بنائی گئی ہے۔

۲۔ میں نے اپنی دوسری کتاب ''دی ورلڈ اِن ورڈز'' میں اردو سفرنامہ کے ارتقا کی تاریخ لکھی ہے جس میں خواتین کے سفرناموں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

The World in Words by Daniel Majchrowicz,

Cambridge University Press, Cambridge, 2023

۳۔ اگر کسی اور نے روزنامچۂ سفر لکھا تھا تو ہمارے علم میں نہیں ہے۔ شاید کسی روز کوئی ایسا مسودہ کباڑ خانے سے نکل آئے تب اس صنف کی تاریخ کو دوبارہ رقم کرنا ہوگا۔

۴۔ امۃ الغنی بیگم نورالنساء جو حیدرآباد سے ۱۹۰۹ء میں حج پر گئی تھی، وہ چھٹے نمبر پر ہوں گی۔

۵۔ اگر کوئی خاتون سفرنامہ نگار ہے جو بیگم سربلند سے سبقت لے سکتی ہیں تو وہ راحیل بیگم ہیں، جو ۱۹۳۲ء میں حج پر گئی تھیں۔ خیر ان دونوں بیگمات کا تعلق ایک ہی خانوادہ سے تھا، کیونکہ راحیل بیگم اصل میں بیگم سربلند کی بھاوج تھیں۔

۶۔ غریب خواتین پر جو گذرتی تھی، اس کتاب میں اس کی جھلک ہم کو کہیں کہیں مل جاتی ہے: بیگم سربلند کی مغلانی امینہ کا تذکرہ بار بار آتا ہے۔ گو کہ اس مغلانی سے ہمارا ایک غائبانہ تعارف سا ہو جاتا ہے اور کسی حد تک ہم اس کے حالات کی تصویرکشی کر سکتے ہیں۔

۷۔ اگر کوئی یہ مقابلہ کرسکتا ہے تو صرف قیصری بیگم ہی ہوسکتی ہے، جن کی عمر بیگم سربلند سے دو سال کم تھی۔

میری دادی امّاں
بیگم سر بلند جنگ

آصف جاہ ششم، جنھیں محبوب علی پاشا کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، حیدرآباد کے چھٹے نظام تھے۔ اپنی سلطنت کے عروج پر نظام نے موجودہ تلنگانہ، مراٹھواڑہ کے کچھ حصوں، حیدرآباد اور کرناٹک پر حکمرانی کی۔ یہ ہندوستان کی دوسری سب سے بڑی اور گنجان آباد ریاست تھی اور نظام دنیا کے امیر ترین انسان تھے۔ نوجوان نظام دو سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے اور جب وہ چھ سال کے ہوئے تو میرے پردادا نواب آغا مرزا سروَرالمُلک ان کے اتالیق مقرر ہوئے۔ جو لوگ ہندوستانی تاریخ سے واقفیت رکھتے ہیں، ان کو بیرم خان کا نام ضرور یاد ہوگا جو شہنشاہ اکبر کے اتالیق تھے اس لیے کہ اکبر خود بھی تیرہ برس کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ بیرم خان نے اکبر کی نہ صرف تعلیم و تربیت کی بلکہ اُس وقت تک مغل سلطنت کا انتظام سنبھالے رکھا جب تک اکبر سنِ بلوغ کو نہ پہنچ گئے۔ سروَر جنگ نے بھی بالکل یہی کردار نظام کے لیے ادا کیا۔ آغا مرزا حیدرآباد میں ۱۸۹۷ء تک مقیم رہے، جب برطانوی ریزیڈنٹ نے اُنھیں جلاوطنی پر مجبور کر دیا، کیونکہ اُن کے خیال میں سروَر جنگ کا نظام اثر و رسوخ والا تھا جو برطانوی مفادات کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔

اخترُ النساء بیگم سر بلند، آغا مرزا بیگ کی بیٹی تھیں۔ اُن کے چھ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ اُن کے دو بیٹے، ذوالقدر جنگ اور جیون یار جنگ، حیدرآباد میں عدالتِ عالیہ کے منصف کے عہدے پر فائز رہے، اور تیسرے بیٹے، اکبر بیگ، ریاستِ حیدرآباد کے چیف

انجینئر بنے۔ اُن کے داماد، حمیداللہ خان نواب سر بلند جنگ (اخترُ النسا کے شوہر، جن کے سفرنامے کو دانیال ماخرویچ نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اور جو مرتبِ کتاب ہٰذا ہیں) بھی حیدرآباد میں چیف جسٹس کے عہدے سے سرفراز ہوئے۔ یہ بااثر اور دولت مند خاندان ایک بڑی اور کشادہ حویلی میں رہتا تھا جسے ''سرور جنگ کی ڈیوڑھی'' کہا جاتا تھا۔

بچپن سے ہی میری دادی (جنھیں ہم دادی امّاں کہتے تھے) نہایت ذہین اور حاضر دماغ تھیں، جنھوں نے انگریزی، فارسی، عربی اور اردو کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ محفلوں میں غزل خوانی اور پیانو بجانے کی شوقین تھیں۔ ان کی بیٹھک حیدرآباد کی خاص الخاص معزز خواتین میں بے حد مقبول تھی۔ جیسا کہ اُس زمانے کی رسم تھی وہ نسبتاً کم عمری ہی میں حمیداللہ خان کے ساتھ بیاہ دی گئیں، جو انگلینڈ سے بطور وکیل لوٹے تھے اور لنکنز اِن لندن میں لازمی ڈنرز اور نصاب مکمل کر چکے تھے۔ دونوں کے پس منظر اور شخصیات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ حمیداللہ، مولوی سمیع اللہ خان کے بیٹے تھے، جنھوں نے سر سید احمد خان کے ساتھ مل کر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بنیاد رکھی تھی۔ درحقیقت، یونیورسٹی کا سنگِ بنیاد اُن کے گھر میں ہی رکھا گیا تھا اور نوجوان حمیداللہ کو اُس وقت کے معروف اینگلو اورینٹل محمڈن کالج میں پہلے طالب علم کے طور پر داخل کیا گیا تھا۔ ان کی ابتدائی تربیت مولویانہ طور پر ہوئی تھی جو اسلامی روایات پر ہی مرکوز تھی۔ لیکن انھوں نے کیمبرج میں اپنی انگریزی کلاس میں اوّل مقام حاصل کیا اور بعد میں وکیل بنے۔ ایک صاحبِ فکر، کم سخن شخص جو اپنی ذات تک ہی محدود رہتا تھا، اس کی شادی حیدرآباد کی ایک زندہ دل اور خوش مزاج خاتون سے ہو جاتی ہے لیکن وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ان کے تیرہ بچے ہوئے جن میں سے ۱۰ بچے زندہ رہے۔

جیسا کہ ہمارے ذہن میں محفوظ ہے کہ دادی امّاں اپنے پوتوں اور پوتیوں سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جیسے جیسے دوسری جنگِ عظیم آگے بڑھی، ان کے کچھ بچّے اور پوتے حیدرآباد چلے گئے اور جنگ ختم ہونے تک وہیں رہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی اسلم الٰہی، جن

کی عمراس وقت تقریباً ۸۰ برس ہے اور جواب امریکہ کے ہیوسٹن شہر میں مقیم ہیں، حیدرآباد میں اپنی نانی کے ساتھ گزارے ہوئے دنوں کی بہت سی کہانیاں سناتے ہیں۔ان کے والدکرنل الٰہی بخش جنگی قیدی تھےاور خاندان کوان کا حال تب ہی معلوم ہوسکا، جب وہ جنگ کے خاتمہ کے بعد دہلی کے راستے حیدرآباد واپس آئے۔کرنل الٰہی بخش اتفاق سے وہی ڈاکٹر تھے جنھوں نے محمد علی جناح کا علاج کیا تھا، جب وہ تپ دق کے مرض میں مبتلا تھے۔

دادی اماں نے ''سُہا گن''(۱) کے قلمی نام سے شاعری بھی کی۔بچپن میں دادی امّاں ہم کواپنی شاعری سنایا کرتی تھیں،جس میں وہ اپنے بھائیوں، خاص طور پراکبر بیگ جن سے وہ بے حدمحبت کرتی تھیں،کے بارے میں مزاحیہ اشعار پڑھتی تھیں،۔خودکو ''بپّو'' کہتے ہوئے انھوں نے یہ شعرکہا:

بپو گھُوس بن کے جو بِل میں گھُسی
پکڑ دُم جو کھینچا تو پھر وہ پھنسی

اکبر بیگ کے بارے میں انھوں نے لکھا:

بنے بھائی کا چُنیا بَطخا سنو،
کھڑے ہیں وہ ایک ٹانگ پر دیکھ لو

وہ اس طرح کے بہت سے مزاحیہ اشعار بڑے زوردار قہقہوں کے ساتھ سناتی تھیں اورہمیں برطانوی دور کے قصے اور انگریزوں کی کہانیاں بھی سنایا کرتی تھیں۔

دادی اماں صوم وصلوٰ ۃ کی بہت پابندتھیں۔ پانچ وقت کی نماز ان کے لیے لازمی تھی۔اگرچہ وہ عام لوگوں سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔وہ لمبی آستینوں والا چولا پہنتی تھیں اورسر پر دوپٹا اوڑھتی تھیں۔ان کوتصوف سے بہت رغبت تھی اور سلسلۂ چشتیہ اوران کی روایات کی مخلص پیروکارتھیں۔حیدرآباد سے شمال کا سفران کا ہرسال کامعمول تھا، جب وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ اجمیر شریف، حضرت قطب الدین بختیار کا کی کی درگاہ مہرولی،

حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت روشن چراغ دہلی (یہ تمام درگاہیں دہلی میں ہیں) کی زیارت کے لیے پابندی سے جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ اجمیر میں انھوں نے ایک چھوٹا سا گھر بھی بنوایا تھا تاکہ وہ وہاں طویل عرصے تک قیام کرسکیں۔

ہم نے ان سے جنّات کے قصہ بھی سنے ہیں۔ ایک جن سے ان کی بہت دوستی ہو گئی تھی، اُس کا نام محسن شاہ تھا۔ اس جن سے ان کی ملاقات اتر پردیش کے ایک چھوٹے سے قصبے میں ایک صوفی بزرگ کے مزار پر ہوئی تھی۔ محسن شاہ سے ان کی دوستی کی کہانی بہت طویل اور دلچسپ ہے، مگر وہ کسی اور موقع پر سناؤں گا۔ انھوں نے محسن شاہ کو اپنے ساتھ حیدرآباد چلنے کے لیے آمادہ کرلیا، اور حسب خواہش وہ جن حیدرآباد آکر ڈیوڑھی کے ایک کونے میں رہنے لگا۔ میرے بھائی ہمیں بتاتے ہیں کہ جب وہ دادی اماں سے چھوٹی چھوٹی چیزوں جیسے پتنگیں، کنچے یا چاکلیٹ (جو جنگ کے دوران کم ملتی تھیں) کی فرمائش کرتے تھے تو دادی امّاں کہتی تھیں، ''ٹھیک ہے، تم پانچ دس منٹ بعد فلاں جگہ پر جاؤ، محسن شاہ انھیں وہاں رکھ دے گا'' اور ہر بار ان کی یہ مراد پوری ہو جاتی تھی!

جنگ کے بعد دادی امّاں میرے والد حلیم جنگ کے پاس رہنے آ گئیں، جو ہمیشہ سے ان کے نورِ نظر تھے۔ ماں اور بیٹے کے درمیان محبت کا ایک ایسا رشتہ تھا جو ان کی آخری سانس تک قائم رہا اور جس کی مثال نہیں ملتی۔ زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ شدید دماغی کمزوری (ڈیمینشیا) کا شکار ہو گئی تھیں تو صرف میرے والد کو پہچانتیں اور ان سے ہی مختصر بات چیت کرتی تھیں۔ اس وقت ہم کناٹ پلیس کی ریگل بلڈنگز میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہتے تھے۔ فلیٹ میں ایک بڑا کمرہ تھا، اس کے سامنے ایک چھوٹا کمرہ، ایک غسل خانہ اور ایک بالکونی بھی تھی۔ میرے والد نے ان کے لیے فلیٹ کے سامنے والی جگہ پر پلنگ اور آرام کرسی بالکونی کے قریب لگوا دی تھی تاکہ وہ آرام سے بیٹھ کر نیچے کھلے میدان کو دیکھ سکیں۔ ان کی ساتھی اور خادمہ، بختاور دلہن کو میدان کے سامنے ایک چھوٹے سے کمرے میں رہائش دی گئی

تھی۔ دادی امّاں کے پاس ایک پرانے قسم کی گھنٹی رہتی تھی (جس کو ہلا کر بجانا پڑتا ہے) تاکہ وہ ضرورت کے وقت کسی سے اپنی خادمہ کو بلوا سکیں۔ بختاور دلہن حیدرآباد سے دادی امّاں کے ساتھ آئی تھیں اور اپنے شوہر اور چار بچوں کے ساتھ دادی امّاں کی وفات تک ہمارے ساتھ رہیں۔

ہم ہر گرمیوں میں شملہ کے قریب سولن جایا کرتے تھے جہاں ہمارے دادا نے ہمارے لیے ایک گرمیوں کا گھر بنوایا تھا۔ اگست ۱۹۵۷ء میں، جب دادی امّاں پہاڑوں سے نیچے کی طرف نیچے اُتر رہی تھیں تبھی انھیں فالج کا اثر ہو گیا۔ اسپتال میں بھرتی کروائے جانے کے بعد وہ چار دن تک کوما میں رہیں اور پھر اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئیں۔ وہ دادا کی قبر کے قریب ہی دفن ہیں، جن کی قبر ایک مشہور ولی اللہ خواجہ باقی باللہ کے مزار کے نزدیک ہے، جہاں وہ اکثر زیارت کے لیے جایا کرتی تھیں۔ میرے والد نے ان کے لیے ایک خوبصورت مگر سادہ قبر بنوائی جو سرمئی رنگ کے پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ بعد میں، ان کی خواہش کے مطابق، میرے والدین کی تدفین بھی ان کی آرام گاہ کے سرہانے ہی کی گئی۔

نجیب جنگ

آئی.اے.ایس.

سابق شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ

اور لیفٹننٹ گورنر، دہلی

۲۰ رمئی، ۲۰۲۵ء

ا۔ بیگم سربلند نے ''سُہاگن'' کے علاوہ ''اختر'' تخلص بھی استعمال کیا۔

نانی امّاں اور علمِ کامل کی تعلیم و تربیت

وَمِنْ ءَ ايٰتِه خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَ أَلوٰنِكُمْ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِينَ

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف اس کی نشانیوں میں سے ہے، بے شک اس میں علم والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ سورۃالروم، آیۃ ۲۲

چند ہفتہ قبل ایک عجیب وغریب واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ ایک رات میں اونگھنے لگا۔ جب میں نیند کی آغوش میں تھا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ''دنیا عورت کی نظر میں'' کی ایک جلد میرے سامنے کھلی پڑی ہے، جو دو زبانوں میں ہے۔ دائیں صفحے پر اردو کا متن اور بائیں جانب اس کا انگریزی ترجمہ ہے۔ صبح جب میں سو کر اٹھا تو مجھے پروفیسر ڈینیل ماخرویچ صاحب، جنھوں نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کیا ہے، کا یہ پیغام فون پر چمکتا ہوا نظر آیا:

> آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے کہ ''دنیا عورت کی نظر میں'' کا مفصل اردو ایڈیشن تیار کر رہا ہوں اور پایۂ تکمیل تک پہنچنے والا ہے۔ اس ایڈیشن میں کچھ نئی تحریریں بھی ہوں گی جو انگریزی ترجمہ میں شامل نہیں

ہوسکیں۔ اس کے علاوہ اس ایڈیشن میں قارئین براہ راست بیگم سر بلند
کے تجربات پڑھ سکیں گے۔ میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ آپ اس
ایڈیشن کے لیے ایک مختصر مضمون لکھیں جس میں بیگم سر بلند سے متعلق
آپ کی یادیں قلمبند ہوں۔

میں اپنی پوری زندگی میں اپنی نانی امّاں، بیگم سر بلند جنگ، سے صرف دو بار ہی ملا ہوں۔ پہلی ملاقات اس زچہ خانہ میں ہوئی جہاں میں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور یہ پہلی ملاقات میرے حافظہ کا حصہ نہیں ہے۔ میں ان سے دوسری بار ۱۹۵۴ء میں ملا۔ تب میں آٹھ سال کا تھا۔ میری والدہ ماجدہ مجھے نانی امّاں سے ملوانے کے لیے لاہور سے دہلی لے گئی تھیں۔ سفر کے دوران میں نانی امّاں کے بارے میں ہی سوچتا اور تصور کرتا رہا۔ میں اپنے بڑے بھائی سے ان کے متعلق سحر انگیز کہانیاں سنتے ہوئے بڑا ہوا تھا جو اُن کے ساتھ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک حیدر آباد میں رہ چکے تھے۔ لیکن بدقسمتی سے جب نانی امّاں سے میری ملاقات ہوئی تو وہ ڈمینشیا کا شکار ہو چکی تھیں۔ میری طرف اشارہ کر کے بار بار پوچھا کرتی تھیں کہ ''یہ کس کا بیٹا ہے؟''

خیر، جب مجھے پروفیسر ڈینیل کا یہ پیغام ملا تو فوراً میرے دماغ میں یہ خیال آیا کہ کیوں نا میں اپنے بڑے بھائیوں کی بیان کردہ وہی بچپن کی یادیں، واقعات اور کہانیاں قلمبند کروں جو میں ان سے سنتا آیا تھا۔ میرے سب سے بڑے بھائی ہمایوں بارہ سال کے تھے جب نانی امّاں دہلی سے لاہور آئیں تا کہ میری والدہ عثمان عابدہ سلطان کی زچگی میں ان کے ساتھ رہ سکیں۔ یہ وہ دن تھے جب میری پیدائش ہونے والی تھی۔ خیر ہمایوں بھائی کا کہنا ہے کہ نانی امّاں ڈیڑھ مہینے تک ہمارے ساتھ رہیں۔ ان واقعات کی تصدیق میری خالہ زاد بہن شاکرہ آپا سے ملتی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ وہ آٹھ سال کی تھیں جب ان کی نانی امّاں نے ان کی والدہ تہذیب نور سے لاہور آنے کی درخواست کی تھی تا کہ میری والدہ کی مدد کر سکیں۔ میری

والدہ اور میری خالہ کے رشتہ کو سمجھنے کے لیے صرف ''بہن'' لفظ ہی کافی نہیں ہے؛ تہذیب خالہ میری والدہ کی جگری دوست بھی تھیں۔ شاکرہ آپا کو یاد ہے کہ جب میں پیدا ہوا تو میرے دادا جو پنجابی تھے، گھر سے میری پیدائش کا اعلان کرنے نکل گئے تھے۔

جب شاکرہ آپا نے پوچھا کہ ''کیا ہوا ہے؟''

دادا ابّا جو بہت شگفتہ مزاج اور بامذاق تھے انھوں نے پنجابیوں کے خاص انداز میں جواب دیا کہ ''کھوتا ہوا ہے۔''

شاکرہ آپا پنجابی زبان سے نابلد تھیں اور جب انھیں معلوم ہوا کہ کھوتے کا مطلب گدھا ہے تو ان کی حیرت اور پریشانی قابل دید تھی۔ انھیں کیا خبر تھی کہ دادا ابّا اور میرے والد بھی لڑکوں کو پیار سے ''کھوتیا'' ہی کہہ کر مخاطب کرتے تھے جس کا مطلب ''شرارتی بچّہ'' ہوتا تھا۔

ہمایوں بھائی کے پاس ان دنوں کی ڈھیروں چھوٹی موٹی یادیں محفوظ ہیں۔ ان سے روایت ہے کہ جب نانی امّاں لاہور آئیں تو ان کے ساتھ دو نوکر بھی تھے، شبراتی خاں اور ان کی اہلیہ بختاور دلہن۔ نانی امّاں کو وہ دونوں دلّی کے ایک یتیم خانے میں ملے تھے۔ ان کو پالا پوسا اور پھر ان کی شادی کروائی۔ شاکرہ آپا کہتی ہیں کہ شبراتی خاں ایک بہت اچھے باورچی تھے جو ایک ماہر انگریز شیف کے زیر تعلیم رہے تھے۔

ہمایوں بھائی کا ایک اور واقعہ سنیے: ایک دن نانی امّاں ایک مصرع سنانے لگیں۔ مصرع کچھ اس طرح تھا:

میری آہ تاثیر آشنا معلوم ہوتی ہے

اس مصرع کے بعد وہ خاموش ہوگئیں۔ بقول ہمایوں بھائی: شعر پڑھا اور اس کے بعد دوسرا مصرع بھول گئیں۔ پھر نانی امّاں نے یہ اعلان کیا کہ جو کوئی اس شعر کا دوسرا مصرع بتائے گا اس کو تین روپے کا انعام ملے گا۔ اس ہدیہ کے حق دار بھائی جان کے سائنس اور ریاضیات

کے استاد ماسٹر نور محمد نکلے، ایک پنجابی جنھوں نے حفیظ جالندھری کی نظم ''شاہنامۂ اسلام'' کو حفظ کر لیا تھا اور محفلوں میں اسے اکثر سنایا کرتے تھے۔

ہاں، نانی امّاں جہاں بھی جاتی تھی، وہاں میٹھی میٹھی اور مزیدار یادیں بکھیرتی جاتیں۔

میرے ایک اور بڑے بھائی ہیں، اسلم بھائی۔ ۱۹۴۱ء میں وہ ساڑھے چار سال کے تھے جب نانی امّاں لاہور آئی تھیں۔ ان کو خوب یاد ہے کہ ہر دوپہر کو بختاور دلہن ان کو بیچ کھیل سے بلا کر نانی امّاں کا دم کیا ہوا پانی پلایا کرتی تھیں۔

۱۹۴۱ء میں نانی امّاں کے لاہور آنے کی وجہ اسلم بھائی نہیں جانتے۔ میرا قیاس ہے کہ وہ اس لیے آئی ہوں گی کیونکہ میرے والد ماجد ڈاکٹر الٰہی بخش، پروفیسر فارماکولوجی، کنگ اڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کو دوسری جنگِ عظیم کے دوران فوج کی خدمت کے لیے سنگاپور بلایا گیا تھا۔ شروع میں میرے والد صاحب انڈین میڈیکل سروس میں بھرتی ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ سول ڈاکٹری کر سکتے تھے لیکن جنگ کے ایام میں یہ خطرہ تھا کہ ان کو لڑنے کے لیے نہ بلا لیا جائے۔ مگر سینتیس سال کی عمر میں وہ بندوق اٹھانے کے قابل نہیں تھے۔ اسلم بھائی کو اچھی طرح یاد ہے کہ آس پڑوس والوں نے یہ افواہ اڑانی شروع کر دی کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی ساس کو اس لیے بلایا ہے کہ شاید ان کی دعاؤں کے صدقے ڈاکٹر صاحب کو جنگ پر نہ بھیجا جائے۔

پڑوسیوں کا کہنا تھا کہ ''کچھ ہے، وہ دم وم کرتی ہیں پڑھ کے، تاکہ وہ لڑنے کے لیے نہ جائیں۔''

میں نے دریافت کیا کہ ''یہ کون پڑوسی تھے؟''

''ہمارے پڑوس میں ایک ڈاکٹر رہتے تھے۔ وہ کہتے تھے یہ جا رہا ہے کہیں ہمیں نہ بھیج دیں۔''

لیکن وہ بھیجے جاتے بھی تو کیسے؟ پڑوس والے ڈاکٹر ابّو کی طرح انڈین میڈیکل سروس سے منسلک نہیں تھے۔لیکن ابّو منسلک تھے۔جبکہ ابّو اس بات کے پابند تھے کہ فوج انھیں جہاں بھی بلائے گی انھیں جانا پڑے گا۔

میں: مگر ابّو کے ساتھ کام کرنے والے ڈاکٹر ملک بھی آئی.ایم.اس میں تھے۔ان کو کیوں نہیں بھیجا گیا تھا؟

اسلم بھائی: ''کرنل ملک کی بیگم انگریز تھیں۔ وہ پنجاب کے گورنر سر برٹرانڈ گلانسی (Sir Bertrand Glancy) کے پاس گئیں جنھوں نے یہ حکم صادر کیا کہ ملک صاحب گلانسی میڈکل کالج امرتسر میں پڑھا رہے ہیں اور نہایت مصروف ہیں لہٰذا انھیں معاف کیا جائے۔''

چندروز بعد میرے والد سنگاپور روانہ ہوگئے۔

نانی امّاں کو اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ میری والدہ کے لیے بہت مشکل ہوگا۔اس وقت میری والدہ کی عمر ستائیس سال تھی، لاہور میں اکیلے چار چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی دیکھ بھال کرنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ نانی امّاں نے ان سے دہلی منتقل ہونے کو کہا۔آخر ۱۹۴۱ء میں خزاں کے موسم میں میری والدہ اپنے چار بیٹوں کو (ہمایوں کی عمر سات سال، عارف چھ سال، اسلم پانچ سال کے، اور معظم تین سال کے تھے) لے کر لاہور سے دہلی روانہ ہوئیں۔ ہمایوں بھائی بتاتے ہیں کہ نانی امّاں کا گھر، حمید منزل، جو دریا گنج میں واقع تھا، اس کا دروازہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک ہاتھی بآسانی گزر سکتا تھا۔گھر کے بیچ ایک بڑا سا صحن تھا جس کے اردگرد بے شمار کمرے تھے۔''جب بھی آپ باہر جھانکیں تو ایک یا دو بندر آپ کو گھور رہے ہوتے۔''

میری والدہ اور بھائیوں کی دہلی آمد کے چند ماہ بعد ہی، جاپانی جنرل تومویو یاماشیتا ملایا کے جزیرہ میں پہنچا اور تیس ہزار سائیکل سوار سپاہیوں کی قیادت کرتے ہوئے برق

جیسی رفتار سے ملیریا زدہ جنگلات سے گزرا اور سنگاپور میں موجود اسّی ہزار برطانوی، ہندوستانی اور آسٹریلائی افواج کو حیرت میں ڈال دیا۔ لیفٹیننٹ جنرل آرتھر پرسیوال (Lt.General Arthur Perceval) نے ہتھیار ڈال دیے۔ ونسٹن چرچل نے اس واقعہ کو ''برطانوی فوجی تاریخ کی بدترین شکست'' قرار دیا۔ میرے والد کو گرفتار کر لیا گیا۔ وہ اور کچھ دوسرے سپاہی جو بھوک اور فاقوں جیسے حالات میں بھی زندہ بچ گئے تھے، سنگاپور کی بدنام زمانہ چانگی جیل میں ساڑھے تین سال تک قید رہے۔ سنگاپور کی شکست کے تین ماہ بعد، جاپان نے برما کے دارالحکومت رنگون پر قبضہ کر لیا تھا، اور یہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ وہ جلد ہی چین سے ہندوستان کے لیے برطانوی رسد کو بھی بند کر دے گا۔

کہتے ہیں کہ نانی امّاں کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ اب دہلی میں مزید قیام محفوظ نہیں رہا، چنانچہ وہ میری والدہ، اور میری بہن کی والدہ تہذیب اور ان کے بچوں کے ساتھ ایک ہزار میل جنوب کا سفر طے کر کے اپنے آبائی وطن حیدرآباد میں منتقل ہو گئیں تاکہ وہاں کے محفوظ ماحول میں سکونت اختیار کریں۔ یہ فیصلہ ماضی کی بازگشت کی کھنک جیسا تھا۔ ستر برس قبل، نانی امّاں کے والد، آغا مرزا بیگ بھی اپنے چچا کے مشورے پر حیدرآباد ہجرت کر کے آ گئے تھے، جو کہ شاہ جہان آباد کے رہنے والے تھے۔ ان کے چچا کا خیال تھا کہ ان کا بھتیجا برطانوی افسران سے الجھنے کا کچھ زیادہ ہی شوقین ہے، اور اس کے لیے حیدرآباد زیادہ محفوظ جگہ رہے گی۔

ہمایوں بھائی اب ماشاء اللہ ۹۱ سال کے ہو چکے ہیں۔ جب وہ حیدرآباد آئے تھے تب ان کی عمر سات سال تھی۔ نانی امّاں نے سینٹ جارجز گرامر اسکول سے دو تین سو گز کے فاصلے پر ایک مکان کرائے پر لے لیا۔ ان کے بھائی جیون یار جنگ بھی کئی دہائیوں پہلے اسی اسکول میں تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ ہمایوں بھائی ہم کو بتاتے ہیں، ''ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ نانی امّاں نے یتیم لڑکیوں کے لیے ایک اسکول قائم کیا تھا جس کا نام تربیت گاہِ عثمانیہ تھا۔ وہ ہر

سال نظام میر عثمان علی خان سے ملاقات کے لیے جایا کرتی تھیں۔ انھوں نے جس سال اسکول کی داغ بیل لگائی، اُس سال انھوں نے نظام سے کہا: ''اعلیٰ حضرت، میں نے یتیم لڑکیوں کے لیے ایک اسکول کھولا ہے۔ اس کا نام آپ کے نامِ نامی پر رکھا ہے۔'' خیر اس پر نظام نے اسکول کے لیے مالی امداد عطا کی۔ ان معاملات میں نانی امّاں بہت دوراندیش تھیں۔

چند ماہ بعد ان کے بیٹے محمود اللہ آ گئے اور نانی اماں نے ایک بڑا مکان کرائے پر لے لیا جو نظام کے دوسرے بیٹے معظم جاہ کی ملکیت تھی۔ اس مکان میں اتنی وسعت اور کشادگی تھی کہ کئی خاندان ایک ساتھ اس میں رہ سکتے تھے۔ نانی اماں گھر کے مرکزی حصے میں سامنے کی طرف رہتی تھیں۔ محمود اللہ اس وقت بے روزگار تھے، اس لیے نانی اماں نے ان کی تقرری نظام اسٹیٹ ریلوے میں بطور ڈپٹی لیگل ایڈوائزر کروا دی۔ انھیں ۸۵۰ روپے تنخواہ کے ساتھ ساتھ ایک گاڑی اور ڈرائیور بھی دیا گیا، جو انھیں سکندرآباد میں ان کے دفتر لے جایا کرتا تھا۔ عثمان عابدہ اور تہذیب نور مکان کے ملحقہ حصے میں منتقل ہو گئیں۔ مکان کے اس حصے میں ایک لمبے برآمدے کے دونوں سروں پر دو بڑے بڑے کمرے تھے۔ عثمان عابدہ اور تہذیب نے برآمدے کے دونوں سروں پر موجود ایک ایک کمرہ خود لے لیا، اور برآمدے کو پانچ بچوں کے لیے ایک ڈورمیٹری میں تبدیل کر دیا۔ عثمان اور ان کے چار بیٹے اس ڈورمیٹری میں رہے جو ان کے کمرے کے قریب تھا، جبکہ شاکرہ آپا اور تہذیب نور نے برآمدے کے دوسرے حصہ کو اپنے لیے رکھا۔ ہر خاندان کے اپنے اپنے نوکر اور اپنا الگ باورچی خانہ تھا۔

میرے چاروں بھائیوں کے سر پر میرے والد کا ہاتھ نہیں تھا کیونکہ وہ سنگاپور میں جنگی قیدی تھے۔ چنانچہ نانی اماں نے پانچوں نواسے نواسیوں کی دینی تعلیم کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی۔ میں نے اسلم بھائی سے، جو اب ماشاء اللہ ۸۹ سال کے ہیں، پوچھا کہ نانی اماں سے آپ کی ملاقات کب ہوتی تھی؟

اسلم: میں انھیں روزانہ دیکھتا تھا۔ ایک دن ہمایوں بھائی اور عارف بھائی نانی امّاں کی زیرِنگرانی قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے تو انھوں نے مجھے لانے کے لیے بشیر کو بھیجا اور مجھ سے کہا، ''اسلم میاں تم بھی یہاں آ جاؤ۔'' ہمایوں بھائی اور عارف بھائی آدھا قرآن شریف پڑھ چکے تھے۔ نانی امّاں نے مجھے حکم دیا کہ تم یہاں بیٹھ کے پڑھنا شروع کرو۔ میں بیٹھ گیا۔ مجھے اپنے قرآن شریف پڑھنے پر حیرت ہوئی کیونکہ اس سے پہلے میں نے صرف قاعدہ ہی پڑھا تھا۔ نانی امّاں میری غلطیوں کی اصلاح کرتی جاتیں اور میں اگلی بار وہ غلطی نہیں دہراتا تھا۔ ہمایوں بھائی، عارف بھائی اور میں نے شاید چند ہی دنوں میں جلدی سے قرآن شریف ختم کر لیا۔ اس ختمِ قرآن کے لیے میں نے شاید ایک تہائی پڑھا تھا جس پر مجھے بڑی حیرانی ہوئی۔

عابد: جب آپ نے اتنی جلدی قرآن شریف مکمل کر لیا تو نانی امّاں کا ردِّعمل کیا تھا؟

اسلم بھائی: میرا خیال ہے کہ وہ بھی حیران تھیں۔ پھر جب بھی ہمارے گھر مہمان آتے، ہمیں بطور نمونہ پیش کیا جاتا کہ دیکھیے، عثمان کے بچے قرآن شریف بھی پڑھ لیتے ہیں۔

میری آواز اچھی تھی، اس لیے نانی امّاں نے قرأت سکھانے کے لیے ایک استاد مقرر کیا تھا۔ ان کا نام ولی اللہ حسینی تھا۔ وہ حیدرآباد ریڈیو اسٹیشن پر نعتیں پڑھا کرتے تھے۔ میں نے قرآن کے کچھ حصے حفظ کر لیے تھے اور بغیر مصحف دیکھے ان کی تلاوت کر سکتا تھا۔ اس پر نانی امّاں بہت خوش ہوتی تھیں۔

عابد: مجھے نانی امّاں کے شطرنج کھیلنے کے بارے میں بھی کچھ بتائیں۔

اسلم بھائی: نانی امّاں نے عارف بھائی کو شطرنج کھیلنا سکھایا تھا۔ ہم سب نے بھی اسے اتنی ہی آسانی سے سیکھ لیا جیسے عارف بھائی نے سیکھا تھا، لیکن جلد ہی عارف بھائی نانی امّاں کو شطرنج میں ہرانے لگے۔ وہ ہمیشہ سے ہی ایسے کاموں کے ماہر تھے۔ وہ چیزیں بہت

جلد سیکھ لیا کرتے تھے۔ بہت سے لوگ نانی امّاں سے ملنے آیا کرتے تھے۔ خیر اکثر ان کا مقصد مالی مدد مانگنا ہوتا تھا۔ایک دن نانی امّاں سے کسی شخص کا تعارف اس طرح کروایا گیا کہ وہ مدینہ کی عربی بولنے والا ہے۔ نانی اماں نے کہا، ''اچھا، تو پھر میں چاہوں گی کہ آپ ہمارے بچوں کو پڑھائیں۔''

ان تمام باتوں کی تصدیق ہمایوں بھائی بھی کرتے ہیں۔ ان سے منقول ہے کہ ''اسلم کی آواز بہت اچھی تھی۔قرأت سے پڑھتے تھے۔ نانی امّاں دوسروں کو سنوانے کے لیے انھیں بلایا کرتی تھیں کہ دیکھو کیسی اچھی ان کی تربیت ہو رہی ہے۔اسلم کی آواز میں بڑی تاثیر تھی۔ باقی کسی کی آواز میں وہ بات نہیں تھی۔ جو مولوی حضرات آتے تھے، ان کا انتخاب بھی نانی امّاں خود کیا کرتی تھیں۔ وہ بڑی دلچسپی اور شوق سے ہم سے پوچھا کرتی تھیں کہ ''اب تک کتنے سپارے پڑھے ہیں؟'' انھوں نے ہمیں نماز پڑھنا سکھایا۔انھوں نے فرض نماز میں کچھ اضافہ بھی کیا۔ کہتی تھیں: ''اگر تم یہ بھی پڑھو تو اور ثواب ملے گا۔ جب بھی میں رکوع میں جاتا ہوں، اچانک مجھے ان کی یاد آجاتی ہے اور میں پڑھتا ہوں حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ ۔ بچپن میں سیکھا گیا علم عمر بھر یاد رہتا ہے۔ نانی امّاں تمام نواسوں نواسیوں کی دینی سرگرمیوں میں ذاتی دلچسپی لیا کرتی تھیں۔ یہ ان کی ذمہ داری تھی، اور وہ اس میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتی تھیں۔

عابد: آپ کو نانی امّاں کے بارے میں اور کیا یاد ہے؟

ہمایوں بھائی: نانی امّاں ایک بہت مضبوط شخصیت کی مالکہ تھیں۔ میرے ذہن میں ان کی تصویر ایک بے حد شفیق اور پختہ ارادے والی خاتون کی ہے۔ دینی تعلیم ان کے لیے بہت اہم تھی۔ انھوں نے ہمیں اخلاقی اقدار سکھائے۔ سب کچھ اسلام سے اخذ کیا گیا تھا۔ کیسے نماز پڑھنا ہے، کیسے تیمّم کرنا ہے، وغیرہ۔

عابد: کیا وہ کبھی اپنے آباو اجداد، مثلاً بادشاہ بابر کے بارے میں بات کرتی تھیں؟

ہمایوں بھائی: وہ بتایا کرتی تھیں کہ ہم لوگ وہاں سے آئے ہیں، بابر کی اولاد ہیں۔ کہتی تھیں کہ مغل دور کے بادشاہ اور ملکہ سب بہت اچھے تھے۔ وہ مجھے اپنی زندگی کے مختلف واقعات بھی سنایا کرتی تھیں۔ ایک دن انھوں نے مجھے بتایا کہ کس طرح سمیع اللہ خان نے بہت سی لڑکیوں میں سے انھیں اپنے بیٹے حمید اللہ خان کے لیے منتخب کیا، جو کیمبرج یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کر کے آئے تھے۔ سمیع اللہ خان، سرورالملک آغا مرزا بیگ کے گھر آئے اور وہاں اپنے بیٹے کے لیے کئی لڑکیوں کو دیکھا۔ وہ اس سلسلہ میں دیگر خاندانوں سے بھی ملاقاتیں کر رہے تھے۔ اچانک ان کی نظر گھر میں کونے میں نماز پڑھتی ہوئی ایک کم عمر لڑکی پر پڑی جو چودہ یا پندرہ سال کی رہی ہوگی۔ سمیع اللہ نے پوچھا: یہ لڑکی جو نماز پڑھ رہی ہے، یہ کون ہے؟ آپ نے تو اس سے ہمارا تعارف نہیں کروایا۔ سرورالملک کہنے لگے: یہ میری سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ ابھی بہت کمسن ہے۔ سمیع اللہ نے کہا: نہیں، مجھے یہی لڑکی پسند ہے۔ انھوں نے یہ بات کیسے کہی، کیوں کہی، یہ مجھے نہیں معلوم، لیکن جو تاثر مجھے (نانی امّاں سے) ملا وہ یہ تھا کہ جب وہ کونے میں نماز ادا کر رہی تھیں، سمیع اللہ ان کی نماز میں یکسوئی اور خشوع و خضوع سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ آخرکار ان کے والد کو انھیں سامنے لانا پڑا۔ مولوی سمیع اللہ خان نے کہا: ''مجھے اپنے بیٹے حمید اللہ خان کی دلہن کے طور پر ایسی ہی لڑکی چاہیے۔''

ہمایوں بھائی سے یہ کہانی سننے کے بعد، میں شاکرہ آپا سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ نانی امّاں نے ان کو یہ قصہ کس طرح سنایا تھا۔

شاکرہ آپا: نانی امّاں نے مجھے بتایا تھا کہ سمیع اللہ صاحب بڑی پُروقار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بہت مذہبی انسان تھے، مگر ان کٹّر اور ضدی لوگوں میں سے نہیں تھے جو انتہاپسندی پر اتر آتے ہیں اور دوسروں کو تنبیہ کرتے رہتے ہیں کہ ایسے کرو، ایسے نہیں کرو۔ وہ بڑے روحانی قسم کے مسلمان تھے۔ ان کا سلسلہ حضرت علیؓ سے ملتا تھا۔ نانی امّاں بتاتی تھیں کہ سمیع اللہ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ میں نے تمھارے لیے دو لڑکیاں دیکھی ہیں۔ ایک کا

تعلق بہت نفیس، دولت مند، تعلیم یافتہ اور اچھے خاندان سے ہے۔ دوسری لڑکی سیدھی سادی اور اللہ اور رسول والی ہے۔اس کی شخصیت مضبوط ہے۔تم کس کو پسند کرو گے؟ حمید اللہ نے نانی امّاں کو پسند کیا۔ اس وقت نانی امّاں بہت کم عمر تھیں، شاید ان کا سن چودہ یا پندرہ برس کا رہا ہو۔ نانی امّاں نے مجھے بتایا کہ میں جھولے پر جھول رہی تھی، اسی وقت سمیع اللہ نے انھیں پسند کیا تھا۔ان کو انسانوں کی بہت پرکھ تھی۔

میری ساس خورشید بیگم نے (جو نانی امّاں کی بڑی صاحب زادی تھیں) ایک بار مجھے بتایا تھا کہ ایک دن نانی امّاں کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ اتفاق سے سمیع اللہ بھی حمید اللہ کے گھر آئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سمیع اللہ کو روحانی شفا کی قوت بخشی تھی۔ انھوں نے روحانی مدد سے نانی اماں کو پیٹ کے درد سے نجات دلائی۔

شاکرہ آپا: جب میں چھوٹی تھی تو میں نے اپنی والدہ کو اپنے دادا سمیع اللہ خان کی غیر معمولی روحانی طاقتوں کے بارے میں باتیں کرتے سنا۔ والدہ کہتی تھیں کہ وہ ایک ولی اللہ تھے اور غیب کا حال بھی ان کو معلوم ہو جاتا تھا۔

نانی امّاں نے میری والدہ عثمان عابدہ سلطان کو بتایا تھا کہ ان کی پیدائش سے کئی سال پہلے نانی امّاں کے یہاں ایک بیٹا ہوا تھا۔ سمیع اللہ نے اس بچے کے لیے کبھی بھی شفقت یا محبت ظاہر نہیں کی۔ یہ بات نانی امّاں کو بہت پریشان کرتی تھی کیونکہ سمیع اللہ ان کے باقی بچوں سے نہایت محبت سے پیش آتے تھے۔ ایک دن وہ لڑکا خوشی خوشی بھاگتا ہوا نانی امّاں کی طرف آ رہا تھا کہ اچانک دہلیز پر ٹھوکر کھا کر گر پڑا، سر پر بہت چوٹ آئی اور وہ وہیں موقع پر ہی فوت ہو گیا۔ کئی سال بعد سمیع اللہ نے یہ انکشاف کیا کہ ان کو اپنے اس پوتے کی موت کا علم پہلے سے ہی ہو گیا تھا لہٰذا انھوں نے اس کے ساتھ دل سے وہ وابستگی پیدا نہیں کی۔

مجھے یاد نہیں کہ وہ کون تھا جس نے مجھے بتایا تھا کہ سمیع اللہ کے پاس ایک جن قرآن پڑھنے آیا کرتا تھا۔ میں نے ہمایوں بھائی سے پوچھا کہ کیا انھوں نے بھی یہ واقعہ سنا ہے

تو انھوں نے انکار کر دیا، لیکن مجھے ایک دوسری کہانی سنائی: ایک دن سمیع اللہ نے سارے خاندان کو اکٹھا کیا اور کہا: جناّتوں کے سردار نے مجھ سے میرے اوپر سوار ہونے کی اجازت مانگی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اگر میں اسے اجازت دے دوں تو وہ وعدہ کرتا ہے کہ میری اولاد میں پانچ نسلوں تک کوئی جن کبھی کسی کو پریشان نہیں کرے گا۔ سب کے سامنے سمیع اللہ نے اس جن کو اپنے اوپر سوار ہونے کی اجازت دے دی۔ اچانک وہ عالمِ وجد میں آ کر رقص کرنے لگے اور وہ عجیب وغریب قسم کی حرکات کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد یہ سب کچھ ایک دم سے ختم ہوگیا۔

ہمایوں بھائی بتاتے ہیں کہ جب وہ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں کیمبرج یونیورسٹی میں طالب علم تھے (انھوں نے اسی کالج سے تعلیم حاصل کی جہاں سے حمید اللہ نے کی تھی)، تو وہاں ان کی دوستی جاوید اقبال سے ہوگئی، جو شاعر علامہ اقبال کے صاحب زادے تھے۔ جاوید اقبال نے حال ہی میں اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے کی تکمیل کی تھی۔ اس کا موضوع سمیع اللہ خان اور سر سید احمد خان کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات پر مبنی تھا (اصل میں یہ دونوں دور کے رشتہ دار بھی تھے)۔ یہ اختلافات تب سامنے آئے تھے جب دونوں نے مل کر دی اینگلو اورینٹل کالج کی بنیاد رکھی تھی، جو اب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سمیع اللہ کا ماننا تھا کہ معاشرے کی تجدید کے لیے طلباء کو صرف سائنس اور ریاضیات سکھانا کافی نہیں ہیں بلکہ ان کو دینی علم بھی سکھانا چاہیے اور اپنی زبانوں کی تعلیم بھی دینی چاہیے۔ یہ بات ہمیں اس طریقۂ کار کی یاد دلاتی ہے جو نبی کریمؐ نے اس وقت اختیار کیا تھا جب آپؐ اپنے دور کے مکہ میں پھیلی ہوئی بدعنوانی اور انسانی اقدار کے زوال سے رنجیدہ اور پریشان تھے۔ نبی کریمؐ اس بات سے واقف تھے کہ معاشرہ محض کسی عقلمند اور عادل حکمراں کے ذریعے ہی نہیں تبدیل کیا جا سکتا، جب تک کہ ہر فرد خود اپنی ذات کے بارے میں اندرونی آگہی اور اپنی تربیت خود نہ کرے۔ ہمایوں بھائی نے مجھے یاد دلایا کہ نبی کریمؐ کا یہ بھی ارشاد تھا کہ اگر عورتیں تعلیم یافتہ

ہوں تو پورا خاندان تعلیم یافتہ ہو جاتا ہے۔ ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سمیع اللہ نبی کریمؐ کے اس عمل کی پیروی کر رہے تھے جب انھوں نے اپنے بیٹے کے لیے ایک موزوں دلہن کی تلاش کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لی تھی۔

میں نے ہمایوں بھائی سے پوچھا کہ کیا سمیع اللہ نے اختر النساء کو اس لیے منتخب کیا تھا کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اختر النساء ان کی آنے والی نسل یعنی ان کے پوتوں پوتیوں اور نواسے نواسیوں کو روحانی تربیت اور خود شناسی کی بہترین تعلیم دے سکتی تھیں۔ میں نے اس مسئلے پر اسلم بھائی اور ان کی اہلیہ عارفہ بھابھی سے بات کی۔ عارفہ بھابھی کو اچانک یاد آیا کہ برسوں پہلے سکندر آپا (جو خورشید بیگم کی بیٹی ہیں) نے انھیں بتایا تھا کہ سمیع اللہ نے نانی اماں کی تعلیم و تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ پروفیسر ڈینیل ماخرویچ نے مجھے یاد دلایا کہ نانی اماں کی شادی اٹھارہ برس کی عمر میں ہوئی تھی۔ تو کیا انھوں نے اس سے پہلے کے تین یا چار سال سمیع اللہ کی نگرانی اور رہنمائی میں تعلیم حاصل کرنے میں گزارے؟

سمیع اللہ اور اختر النساء بیگم سربلند جنگ کی مثال نہ صرف تمام مذاہب کے ماننے والوں کے لیے اہم ہے بلکہ یہ ان لوگوں کے لیے بھی اہمیت کی حامل ہے جو اپنے روحانی راستے خود منتخب کرتے ہیں۔ ان کا پیغام یہ تھا کہ انسان کی مکمل شخصیت کو تعلیم دی جائے، نہ کہ صرف کسی ایک پہلو کو۔ یہ پیغام ہر دور کے لیے معنی رکھتا ہے۔

عابد الہٰی

۱۶/ جون ۲۰۲۵ء

دنیا عورت کی نظر میں

مشرق و مغرب کا سفر نامہ

مرتبہ

بیگم نواب سربلند جنگ بہادر

دنیا عورت کی نظر میں

جس میں

مکّہ معظّمہ، مدینہ منورہ، مصر، شام، عراق(۱)، اٹلی،
فرانس، انگلستان اور دنیا کے مختلف ممالک کے چشم دید
حالات سفرنامہ کی صورت میں پیش کیے گئے ہیں

مرتبہ

بیگم صاحبہ نواب سربلند جنگ بہادر (دہلی)

فہرست مضامین

دیباچہ	55
دیارِ رسولؐ کی کشش	59
نواب صاحب کے احباب کی دعوتیں	60
ہماری الوداعی دعوتیں	60
لیڈی حیدری کی تشریف آوری	61
حیدرآباد کے عہدے داروں میں انقلاب	61
میری لڑکیاں	62
میری بھاوج کو میری جدائی کا رنج	63
مدارالمہام صاحب کی محبت	63
الوداعی ملاقاتیں	63
مزارات پر حاضری	64
بڑے بھائی کے ہاں دعوت	65
لیڈی حیدری کے ہاں ڈنر	65
میری روانگی کا دن	66
ٹرین آ گئی	68
گلبرگہ اسٹیشن	69

درگاہ شریف میں حاضری	69
اسٹیشن کو واپسی	69
بمبئی پہنچ گئے	70
سمندر میں میرا پہلا قدم	72
خوشنما جہاز پر	73
جہاز کی دلچسپیاں	73
جہاز پر پہلی صبح	74
عدن آ گیا	77
جہاز پر ناچ	81
سوئز کا نظارہ	84
پورٹ سعید	85
پھر اسی جہاز پر	89
بیت المقدس جانے والے جہاز پر	90
غریب تُرکن سے ملاقات	91
حافہ [حیفا] آ گیا	92
حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش	96
شہر نظرت میں	96
حضرت بی بی مریم کا مقام عبادت	97
عبادت خانہ کے قریب بُت خانہ	98
حضرت عیسیٰؑ کی میز	99
طبریہ کو ہماری روانگی	100

حضرت سلیمانؑ کا حمام	102
مدینہ منورہ کی کشتی	103
مسز سقراط سے ملاقات	103
مدینہ منورہ کو روانگی	106
حرم نبویؐ کی زیارت کے لیے بے قراری	108
خادمان رسول دربار رسولؐ میں	110
دیارِ محبوب	112
روضہ نبیؐ کی زیارت	114
حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی درگاہ	115
حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے دربار میں	115
سیدنا حضرت امیر حمزہ کے مزار مبارک پر	116
عاشقانِ رسولؐ اللہ کا ہجوم	116
آستانہ مبارک سے جدائی	117
مکّہ معظّمہ کو سلام کیا	120
دمشق کی سیر	122
ایک حمام میں سب ننگے	124
[مسجد اموی]	126
مسجد اموی میں نماز	127
حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار پر	128
حضرت ہود علیہ السلام کا مزار	128
حضرت خضر علیہ السلام کا مزار مبارک	128

شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کے سرِ مبارک کا مزار 128

[بیروت کو] 131

بیروت میں 132

[پھر جہاز پر] 133

جافہ میں 134

پورٹ سعید پر 135

سوئز اسٹیشن پر 136

تُرکی جہاز پر 137

کوہ طور سینا کے قریب قیام 139

عرب کی مقدس سرزمین 141

اونٹ کی سواری 141

سرزمینِ حرم 145

میرے اللہ کا گھر 146

خانۂ کعبہ کا طواف 146

خوشی کے آنسو 147

صفا و مروہ 147

پھر خانہ کعبہ میں 148

منا [منیٰ] کی طرف روانگی 149

جبل عرفات کی طرف روانگی 150

عرفہ کا روز 152

مزدلفہ کی طرف روانگی 153

منا [منیٰ] میں داخلہ	155
خانۂ کعبہ کی کشش	155
ایک غیبی فرشتہ	156
شیطان پر کنکریوں کی بارش	158
مکّہ معظّمہ میں	159
سردار دو عالمؐ کی عبادت گاہ کی زیارت	164
جنت المالا [جنت المعلیٰ] کی زیارت	165
رسول مقبولؐ کی جائے ولادت	165
خدائے پاک کی بندہ نوازی	166
حرم پاک میں میلاد شریف	167
دیارِ محبوب سے جدائی	168
جدّ ہ سے قسطنطنیہ	172
سوئز میں	178
اسکندریہ کی سیر	179
شاہان مصر کے بُت	180
عجائب خانہ	181
بادشاہوں کی سوکھی ہوئی لاشیں	181
سمرنا میں	182
قسطنطنیہ کا نظارہ	183
[قسطنطنیہ میں]	184
قسطنطنیہ کی شاندار مساجد	190

تُرک بہنوں سے ملاقات	192
مدارالمہام کے سکریٹری صاحب کے ہاں دعوت	194
اسلحہ خانہ اور جواہر خانہ	195
خرقہ شریف کی زیارت	197
سلطان معظم سے ملاقات	199
سلطان عبدالحمید خاں کا محل	202
سلطان المعظم کا عطیہ	203
[قسطنطنیہ سے روانگی]	203
ایتھنز میں	204
سقراط کا قید خانہ	205
کارنطہ [کارنتھ] کا سفر	206
پیرس [پٹرس] میں	207
[پیرس سے روانگی]	208
برنڈیزی پہنچ گئے	209
روم کا سفر	209
روم کی سیر	210
فلارنس کو روانگی	217
پیرس میں	219
پیرس سے لندن کو روانگی	221
[لندن پہنچ گئے]	222
لندن کی سیر	223

سر چارلس کے ہاں دعوت	225
پرنس آف ویلز کے ہاں سے بُلاوا	228
[ہندوستان کو واپسی]	231
لندن سے روانگی	232
[وطن کو واپسی]	233
حیدرآباد میں	235

دیباچہ

ہماری زندگی کیا ہے۔ ایک سفر ہے، جسے ہم طے کرتے رہے ہیں، طے کر رہے ہیں اور اس سفر کو طے کرنے کے بعد منزل پر پہنچنا ہے۔ مگر نہیں معلوم کہ حقیقی منزل پر ہم پہنچ ہی سکیں گے۔ ہماری داستان زندگی کیا ہے۔ ایک سفر نامہ ہے، جسے ہم اپنے اعمال سے مرتب کرتے رہے ہیں، مرتب کر رہے ہیں، مرتب کرتے رہیں گے اور مرتب کرنے کے بعد جب زندگی کا سفر ختم ہوگا تو اس وقت ہم کو اپنی ساری زندگی ہی ایک خواب اور ایک افسانہ معلوم ہونے لگے گی۔

یہ سفر نامہ بھی میری زندگی کے افسانہ کا ایک دلچسپ باب ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب میں جوان تھی اور میرے شوہر، میرے آقا نواب سر بلند جنگ چیف جسٹس حیدرآباد دکن زندہ تھے۔ یہ اس زمانہ کی داستان ہے جب مجھے بھی زندگی کا وہ کیف حاصل تھا جسے زندگی کہتے ہیں اور جب میں زندگی کے ان اوراق کو ترتیب دے رہی ہوں تو وہ نواب سر بلند جنگ دنیا سے جا چکے ہیں، جن کی بدولت میں نے مشرق و مغرب کی سیاحت کی تھی (۲)۔ نواب سر بلند جنگ روحانیت کی دنیا میں ہیں اور میں مادّیت کے سیلاب میں پھنسی ہوئی ہوں۔ مادّی عیش کا سامان اگرچہ آج بھی مجھے گھیرے ہوئے ہے، مگر روح کا سکون نواب سر بلند جنگ کے ساتھ رخصت ہوگیا۔

میری زندگی کا کیف اگرچہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اب بھی جب مجھے سرکار مدینہ کے دربار کی جالیاں یاد آتی ہیں اور سبز گنبد اقدس کا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو میری روح

بے چین ہوجاتی ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ دیارِ محبوب کا سفر کروں۔ مدینہ کی خاک پر لوٹوں۔ مدینہ کی خاک کے ذرّوں کو آنکھوں سے لگاؤں۔ آقا کا دربار ہو۔ میں ہوں۔ دربار کی جالیاں ہوں اور ان جالیوں کو پکڑ کر کہوں۔ میرے آقا، میرے مولیٰ، ہند میں تڑپنے کے لیے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اے مدنی باپو کیا خفا ہوگئے۔ میں گنہگار سہی، مگر تمھاری ہوں۔ میں خطاوار سہی مگر تمھاری ہوں۔ بلالو۔ اپنے قدموں میں بلالو۔ ہند میں رہتے رہتے جی گھبرا گیا ہے۔ جب میں رو رو کر یہ کہہ رہی ہوں تو میرے کانوں میں آواز آئے۔ میں تیرا ہوں تو میری ہے۔ میں یہ آواز سنوں اور بے ہوش ہوجاؤں اور ایسی بے ہوش ہوں کہ کبھی ہوش نہ آئے۔

مدینہ کی یاد ہی اب میرے قلب کا سکون ہے۔ مدینہ کی زیارت ہی کے طفیل میں یہ سفرنامہ شروع ہوا تھا اور آقائے مدینہ کی یاد ہی میں زندگی کا سفر ختم ہوجائے گا۔ یہی مآل زندگی ہے اور یہی میرا سفرنامہ ہے۔ جب سفر نہیں کیا تھا اور دیارِ حبیب کی زیارت نصیب نہیں ہوئی تھی تب دیدار کی تمنّا تھی اور اب جب دیارِ حبیب کی ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ زیارت ہو چکی ہے، تو دیارِ حبیب کی جدائی کا غم ہے۔(۳)

دیارِ رسولؐ کی کشش مجھے ہندوستان سے کھینچ کر لے گئی تھی اور اس بارگاہِ رسالت کے صدقہ میں، میں نے مصر و شام، عراق دیکھا، اٹلی، فرانس اور انگلستان کی سیاحت کی اور سیاحت کے دوران میں اپنے جذبات اور محسوسات کو قلم بند کرتی گئی۔

میرے سفرنامہ میں نہ آپ کو ادبی خوبیاں ملیں گی، نہ شاعرانہ بلند پردازیاں۔ میں ایک جذباتی انسان ہوں۔ آپ کو جذبات کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ بس ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اپنے جذبات کو قلم بند کرتی چلی گئی ہوں اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں نے کیا لکھا اور کیوں لکھا اور سچ تو یہ ہے کہ میں نے یہ سفرنامہ اس لیے لکھا بھی نہیں تھا کہ اسے شائع کروں۔ یہ سفرنامہ نہیں ہے بلکہ میری پرائیویٹ اور ذاتی ڈائری ہے، جسے میں یادداشت کے لیے یا اپنے جذبات کو تسکین دینے کے لیے پُر کرلیا کرتی تھی۔

اولاد کو ماں باپ سے اور ماں باپ کی ہر چیز سے محبت ہوتی ہے، اس لیے میرے بچّوں کو میری اس ڈائری سے بھی اگر محبت ہو تو کیا تعجب ہے۔ میرے بچّوں نے مجھے مجبور کیا اور ان ہی کی کوششوں سے یہ سفرنامہ یا میری ڈائری طبع ہوگئی، ورنہ میں سمجھتی ہوں کہ یہ ادبی اعتبار سے اور زبان کے لحاظ سے ہرگز اس قابل نہ تھی کہ ملک کے سامنے پیش کی جاتی۔

اس سفرنامہ میں آپ کو میرے قلبی جذبات کے ساتھ ساتھ دوسری قوموں کی عورتوں کے تمدن اور معاشرت کا بھی خاکہ نظر آئے گا اور اس سے آپ کو یہ اندازہ ہو سکے گا کہ دوسرے ممالک کی عورتیں اور مرد ہندوستانیوں سے کس قدر مختلف ہیں اور ان کے اور ہمارے تمدّن میں کس قدر بُعد ہے۔ غیر ممالک کی بہت سی باتیں میں نے سخت ناپسند کیں اور بہت سی باتیں اس قابل ہیں کہ ہندوستانیوں کو اور ہندوستانی بیبیوں کو ان کی تقلید کرنی چاہیے۔

ہندوستان کی بدقسمتی سے مغربی تہذیب ہندوستان میں پھیلتی جا رہی ہے اور ہندوستان کی عورتیں مغربی آزادی کی طرف دیوانہ وار بڑھ رہی ہیں۔ غیر ممالک کی سیاحت کے بعد میں نے جس چیز کو سب سے زیادہ محسوس کیا وہ یہ ہے کہ وہی اندھی آزادی جو آج ہندوستان کو تباہ کیے ہوئے ہے، اس نے مغربی ممالک کے چین کو اور حقیقی راحت کو غارت کر رکھا ہے۔ اندھی آزادی نے اور غیر ملکی تہذیب نے ان کی زندگی کے ظاہری پہلو کو تو بہت خوشنما بنا دیا ہے، لیکن ان کی اندرونی زندگی زیادہ خوشنما نہیں ہے بلکہ بڑی حد تک یہ زندگی کی روحانی مسرّتوں سے محروم ہیں۔

ہندوستان اور غیر ممالک کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ سب سے بہتر عورتوں کی زندگی وہی زندگی ہے جو قرون اولیٰ کی مسلمان بیویوں کی زندگی تھی۔ قرون اولیٰ کی مسلمان بیویاں نہ تو گھروں میں بند رہ کر پان چبانے اور بے ضرورت باتوں میں وقت گزارنے کی عادی تھیں اور نہ مغربی عورتوں کی طرح مردوں کے لیے سامانِ تفریح تھیں۔ ان کی حالت یہ تھی کہ وہ گھروں میں ایک ذمہ دار خاتون نظر آتی تھیں۔ بچّوں کی

پرورش کرتی تھیں اور خانہ داری کے فرائض انجام دیتی تھیں، لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ کی طرح میدان جنگ میں زخمیوں کی تیمار داری بھی کرتی ہوئی نظر آتی تھیں، ان میں آج کل کی طرح افراط وتفریط نہ تھی۔اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کی گودوں میں جو قوم پلی بڑھی تھی وہ ایک روز نصف سے زیادہ دنیا پر قابض ہوگئی تھی۔

میں اپنی بہنوں سے کہتی ہوں کہ وہ میرے سفر نامہ کو پڑھنے کے بعد اندازہ لگائیں کہ مختلف مما لک کی عورتوں کی کیا حالت ہے اوران کو غور کرنا چاہیے کو زندگی کے میدان میں ان کو کس طرح آگے بڑھنا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتی کہ میرا سفرنامہ ان کی معلومات میں کچھ غیر معمولی اضافہ کر سکے گا لیکن میں اتنا ضرور سمجھتی ہوں کہ میرے قلبی جذبات ضرور میری بہنوں کی کچھ نہ کچھ رہنمائی کر سکیں گے۔

مدینہ کی خاک نشین

بیگم نواب سر بلند جنگ

دریا گنج، دہلی

[اندازاً ۱۹۳۵ء]

دیارِ رسولؐ کی کشش

دل چاہتا تھا کہ پر لگ جائیں تو اُڑ جاؤں اور گنبد خضرا کے نیچے بیٹھ کر دربارِ محبوب کی خاک کو آنکھوں سے لگاؤں لیکن ابھی تک یہ تمنّا دل ہی دل میں تھی کہ ۱۹۰۹ء مطابق ۱۳۲۷ ہجری مطابق ۱۳۱۹ف کی ایک شب کو جب کارِ خانگی سے فرصت پا کر سونے کے ارادہ سے لیٹی اس وقت یکا یک نواب سر بلند جنگ صاحب نے فرمایا کہ ''کیا تم اس سال حج کو چلو گی؟''

میں: (نہایت خوش ہو کر) انشاءاللہ ضرور چلوں گی۔

نواب صاحب: بچّوں کو کہاں اور کس کے پاس چھوڑو گی؟

میں: اپنی والدہ صاحبہ قبلہ کے پاس چھوڑ دوں گی۔

نواب صاحب سے تو میں نے یہ کہہ دیا مگر میرا خیال تھا کہ والدہ صاحبہ بھی ضرور حج کے واسطے میرے ہمراہ جانا چاہیں گی۔ چنانچہ صبح کو والدہ صاحبہ سے ذکر کیا۔ وہ ازراہ مہربانی و محبت میرے بچّوں کے پاس رہنے کو رضامند ہو گئیں (۴)۔ اگرچہ والدہ کے ہمراہ نہ چلنے کا مجھ کو نہایت افسوس تھا مگر چھوٹے چھوٹے بچوں کی خبرگیری و محبت کے خیال سے گوارا کر لیا۔ بہرحال ہم دونوں نے بحکم خداوند عزّ وجل ارادہ حج و زیارت حرمین شریفین کر لیا اور سامان سفر ماہ جمادی الثانی ۱۳۲۷ [ہجری] سے شروع کر دیا۔

ہمارے پیارے دوستوں نے چند وجوہات سے ہم کو روکنا چاہا، بلکہ والد صاحب قبلہ محمد آغا مرزا بیگ المخاطب بہ نواب سرور الملک بہادر اُستاد نظام رکن (۵) نے بھی منع فرمایا کہ ''سال آئندہ جانا۔ اس سال ارادہ ملتوی کر دو۔'' مگر دربارِ محبوب کی کشش ہم کو اپنی طرف کھینچ

رہی تھی، چنانچہ باوجود سخت اصرار کے ہم دونوں نہ رُک سکے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔ سامان سفر درست ہو گیا اور اعلیٰ حضرت قدر قدرت (٦) نے بہ کمال مراحم خسروانہ نواب سر بلند جنگ بہادر کی رخصت مطلوبہ کو منظور فرما لیا۔

نواب صاحب کے احباب کی دعوتیں:

یکم رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ ہجری سے نواب سر بلند جنگ بہادر نے ہائی کورٹ کے وکلا و تمام دوست احباب کو مدعو کرنا شروع کر دیا۔ کسی کو ''ڈنر'' پر بلایا کسی کو ''برکفاسٹ'' پر کسی کو ''پارٹی'' دی۔ وقت واحد میں سو سو دو دو سو مہمان بلائے جاتے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۵رشوال تک برابر رہا۔

ہماری الوداعی دعوتیں:

۱۶رشوال سے ہم دونوں کی الوداعی دعوتیں ہمارے دوستوں اور عزیزوں کے ہاں شروع ہوئیں۔ مردانہ ''ڈنر'' و ''برکفاسٹ'' کا ذکر الگ ہے۔ میں صرف اپنے ڈنر وغیرہ کا ذکر لکھتی ہوں جو زنانہ میں مجھ کو دیے گئے۔

سب سے پہلا ''ڈنر'' و ''برکفاسٹ'' مجھ کو مع میرے تمام خاندان مرد و عورت کے کرنل نواب سر افسر الملک صاحب بہادر کی بیگم صاحبہ نے اور کرنل صاحب نے دیا۔ گھر میں، میں اور میری بہنیں، بھاوجیں تھیں۔ باہر نواب سر بلند جنگ مع میرے بھائیوں اور بہنوئیوں کے تھے۔ علاوہ ہمارے اور بھی بہت سے مرد و عورت مدعو تھے۔ مجھ کو بیگم صاحبہ نے جن کو میں خالہ جان کہتی ہوں، صبح نو بجے سے بلایا۔ شب کو بعد ''ڈنر'' کے امام ضامن باندھ کر رخصت کیا۔

اسی وقت جناب کرنل صاحب ازراہ مہربانی اپنی موٹر میں بٹھا کر نواب صاحب کو در دولت بندگان عالی پر لے گئے کیوں کہ نواب صاحب کی خدمت میں سلام کے لیے حاضر ہونا اور رخصتی نذر گزرانی ضروری تھی۔ وہاں ایک شب کامل اور نو بجے صبح تک حاضر رہے۔ نواب

صاحب نے صبح کی چائے وہیں ڈیوڑھی مبارک میں کرنل صاحب کے ہمراہ پی لی۔ بعد نو بجے صبح کے خدمت مبارک میں نذر گزران کر سیدھے ہائی کورٹ سدھارے۔ وہاں سے وقت مقررہ پر واپس تشریف لائے۔

لیڈی حیدری کی تشریف آوری:

۱۷رشوال کو مسز حیدری صاحبہ تشریف لائیں۔(۷) یہ میری بہت پیاری بہنیلی ہیں۔ جب سے میں نے عزمِ سفر کیا ہے، بار بار تشریف لاتی اور ملتی ہیں۔ میری جدائی کا ان کو بہت ہی رنج ہے۔ منع کرتی ہیں کہ ''اب نہ جاؤ پھر کبھی چلی جانا'' کیوں کہ منظورِ خدا تھا اس لیے ان کے اصرار کا بھی مجھ پر کچھ اثر نہ ہوا اور ہم دونوں بحکمِ خدا اپنے ارادے پر قائم رہے۔

حیدرآباد کے عہدہ داروں میں انقلاب:

ہماری روانگی کے قریب ایک انقلاب عہدہ داران حیدرآباد میں واقع ہوا۔ عزیز مرزا صاحب بچارے کسی الزام سے علیحدہ کر کے شہر سے رخصت کر دیے گئے۔(۸) اب ہمارے سب دوستوں اور عزیزوں کو یقین ہوگیا کہ غالباً بندگان عالی نواب سربلند جنگ کو روک لیں گے، اجازت سفر ملتوی فرماویں گے۔ مگر حکم خدا نہ ٹلا۔ اعلیٰ حضرت قدر قدرت نے بخوشی نذر قبول فرما کر اس متبرک سفر کی اجازت عنایت فرما دی۔

اس وقت میرے سب بچّے سوائے منجھلے لڑکے محمود اللہ خاں کے جن کی عمر اس وقت نو سال تھی اور جو تقریباً چھ ماہ سے لندن میں خواجہ عبدالمجید صاحب کے ہمراہ تھے۔(۹) خواجہ صاحب، نواب صاحب کے خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں، اس وقت لندن میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ محمد اللہ خاں میرا سب سے بڑا لڑکا اور مسعود اللہ خاں منجھلا لڑکا پنچگنی پہاڑ سے جہاں وہ دونوں داخل اسکول ہیں، تعطیل میں آئے ہوئے تھے۔

میری لڑکیاں:

خورشید بیگم میری سب سے بڑی لڑکی ہے، اس کی عمر ۱۳ سال کی ہے۔(۱۰) یہ ایک نہایت اچھے زنانہ اسکول میں جو کہ خاص میری اور چند تعلیم یافتہ لیڈیز کی کوشش سے جاری ہوا ہے، داخل ہیں۔(۱۱) آج کل جناب مسٹر کیسن واکر صاحب یہاں کے معتمد فنانشل ہیں۔ ان کی میم صاحبہ لیڈی کیسن واکر اس اسکول کی پریزیڈنٹ ہیں۔ لیڈی صاحبہ نہایت ہی لائق، بامروت و بامحبت لیڈی ہیں۔ میں ان کو ''میری پیاری امّاں'' کہہ کر مخاطب کرتی ہوں، یہ بھی نہایت محبت سے مجھ کو ''مائی ڈیرسٹ ڈاٹر'' (میری پیاری بیٹی) کہتی ہیں۔ ان کی دو لڑکیاں آج کل یہاں ہیں۔ ایک کا نام ''ڈیزی'' اور دوسری کا نام ''شیلا'' ہے۔ سب سے بڑی لڑکی ڈیزی کی شادی عرصہ چھ ماہ کا ہوا، ہوگئی ہے اور اب یہ ''مسز مکلنٹاک'' کے نام سے مشہور ہیں۔ تین ماہ بعد یہ بھی برہما جانے والی ہیں، جس کا مجھ کو کمال افسوس ہے کہ میری واپسی سے قبل یہ حیدرآباد سے چلی جائیں گی۔ لیڈی کیسن واکر صاحب نے زنانہ اسکول کی بہت مدد فرمائی ہے۔ تمام انتظام و اہتمام ان کا ہی یہاں ہے۔ خورشید بیگم پہلی لڑکی ہے جس کا نام بڑی مہربانی سے لیڈی صاحبہ [ممدوحہ] نے اس اسکول میں داخل کیا تھا۔

میرا دل بہت چاہتا ہے کہ خورشید بیگم کو اپنے ہمراہ لے چلوں، مگر نواب صاحب مصلحتاً اجازت نہیں دیتے، اور تعلیم کے [ہرج] کا بھی خیال ہے۔ بہرحال خورشید کو بھی میں نے اپنے دوسرے بچّوں کے ساتھ یہیں چھوڑ دیا۔ بھابی، امّاں جان قبلہ میرے ہی مکان میں ان بچّوں کے پاس آ گئی ہیں اور میری چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ مریم سلطان بیگم اور ان کے دولہا عزیزی محمد احسن خاں صاحب بھی میرے ہی مکان میں آ رہے ہیں کیوں کہ مریم سلطان کی زچگی ہونے والی ہے۔ دو سال سے بہ سبب تنہائی کے ایام زچگی تک میں اپنے ہی ہاں رکھتی ہوں۔ ان کا مکان میرے مکان ''اقبال منزل'' سے بالکل قریب ہے۔ یہ ''اقبال منزل'' کرایہ کا مکان ہے، میرا ذاتی نہیں ہے۔ اس سے میرا دل اور بھی خوش ہے اور مجھے اطمینان ہے کہ میرے

بہن، بہنوئی مع اپنی چھوٹی سی لڑکی کے میرے ہاں ہی فروکش ہیں۔

میری بھاوج کو میری جدائی کا رنج:

اب میں اور نواب صاحب بہادر بالکل تیار ہیں۔ میری منجھلی بھاوج سکندر دُلہن میری مفارقت سے بہت بیتاب ہیں۔ وہ مجھ کو اور میں ان کو بہت ہی چاہتے ہیں۔ وہ بار بار آ کر میرے پاس رہتی ہیں۔ ان کے شوہر میرے منجھلے بھائی محمد مرزا سجاد بیگ المخاطب نواب عثمان نواز جنگ بہادر لندن اڈنبرا[کذا] میں تعلیم ڈاکٹری حاصل کر رہے ہیں۔

مدارالمہام صاحب کی محبت:

۱۹رشوال بروز یکشنبہ نواب صاحب کو عالی جناب سرکار عالی مدارالمہام بہادر سر یمین السلطنت (۱۲) نے بلا کر پانچ روپیہ دو اشرفی ''امام ضامن'' نہایت مہربانی سے خود باندھا اور رخصت کیا۔ ۲۰رشوال کو میرا ''ڈنر'' (رات کا کھانا) جناب مدارالمہام بہادر کے یہاں ہے۔ بیگم صاحبہ غوثیہ بیگم نے اور رانی صاحبہ مہاراج کی سب سے بڑی رانی نے بہت مہربانی سے مجھ کو بلایا۔ نہایت عمدہ ''ڈنر'' دیا۔ کھانا بہت اعلیٰ و مزیدار تھا اور چند مہمان بھی تھے۔ وقتِ رخصت غوثیہ بیگم صاحبہ المخاطب ''مسرت محل'' و رانی صاحبہ المخاطب ''راحت محل'' نے ایک ایک اشرفی و چار چار روپے امام ضامن کے باندھے۔ شکریہ ادا کر کے ایک بجے شب کے میں گھر واپس آئی۔

الوداعی ملاقاتیں:

۲۱رشوال کو میں اپنے گھر ہی پر رہی۔ تین بیبیاں میرے پیر کے خاندان کی مجھ سے ملنے کو آئیں۔ ان بیبیوں نے بھی امام ضامن باندھا اور سب کھانے کے بعد رخصت ہوئیں۔

۲۲رشوال کو میری بہنیلی مسز کریم خاں نے مجھ کو ''برکفاسٹ'' (صبح کا ناشتہ) پر بلایا۔ یہاں میں صرف تنہا آئی ہوں۔ صرف دو ایک بیبیاں مسز کریم خاں کے خاندان کی ہیں۔

''برکفاسٹ'' بہت اچھا تھا۔ وقتِ رخصت امام ضامن باندھا۔ میں نے کمال شکریہ ادا کیا اور رخصت ہوئی۔ اس وقت دن کے دو بجے تھے۔

مزارات پر حاضری:

بعد نماز مغرب میں اور والدہ صاحبہ معظّمہ مع خورشید بیگم کے بغرض رخصتی فاتحہ وسلام کے حضرت یوسف صاحب و شریف صاحب کے در دولت پر حاضر ہوئی۔ میں ہمیشہ مقبرۂ مبارک کے پیچھے سے اُتر کر جایا کرتی تھی۔ حسبِ دستور اسی طرف گاڑی لے گئی، مگر آج وہاں بہت ڈھیر لکڑیوں کا پڑا تھا۔ بہرحال لالٹین کی روشنی کے سہارے جو میرے ہمراہ تھی، بہ ہزار مشکل ہم تینوں ان ہی لکڑیوں پر سے اُتر کر در دولت حضرت پر پہنچے۔ فاتحہ پڑھی، ذرا دیر ٹھہر کر مسجد میں آئے۔ وہاں دو رکعت نماز نفل تحیت المسجد ادا کی۔ پھر وہاں سے مزار مبارک شاہ خاموش پر حاضری ہوئی۔ یہاں سے درگاہ حضرت خاموش قریب ہی ہے۔ فاتحہ پڑھی اور نماز عشاء یہاں ہی ادا کی۔ بعد فراغت گھر واپس آئی۔

۲۳ر شوال کو میرا ارادہ ہوا کہ حضرت بابا شرف الدین کی درگاہ پر حاضر ہوؤں تا کہ وہاں سے بھی رخصت مل جائے۔ صبح ہی اپنی بہنیلی مسز ممتاز کو خط لکھا کہ بہن میرا دل چاہتا ہے کہ میں آج حضرت بابا صاحب کی پہاڑی پر بغرض فاتحہ رخصت حاضر ہوں، آپ بھی میرے ہمراہ چلیں اور ''موٹر'' خالو جان سے عرض کر کے لیتی آویں۔ دوسرا خط مسز کریم خاں کو لکھا کہ ''آپ بھی آیئے اور میرے ہمراہ بابا صاحب کی درگاہ تشریف لے چلیے۔'' کیونکہ ان کو حضرت کی پہاڑی دیکھنے کا شوق تھا۔ ایک خط اپنی پیاری بہن آمنہ خاتون صاحبہ کو بھی لکھا، مگر افسوس کہ وہ اس روز کسی کام کی وجہ سے نہ آسکیں۔ میری بہنیلی مسز کریم خاں اور مسز ممتاز قریب گیارہ بجے مع موٹر کار کے تشریف لے آئیں۔ میری منجھلی بھاوج اسکندر سلطان اور جناب بھابی امّاں جان صاحبہ معظّمہ بھی میرے پاس ہی تشریف رکھتی ہیں۔ آدمی زیادہ تھے اور موٹر ایک اس لیے مسز کریم خاں و منجھلی بھاوج و والدہ صاحبہ معظّمہ کو اوّل روانہ کر دیا اور ان کے

بعد ہم گئے۔ کھانے وغیرہ کا انتظام پہلے ہی درگاہ شریف پر کر دیا گیا تھا، الغرض باری باری سب پہنچ گئے۔ پہلے کھانا تناول کیا، پھر میں، بھابی، امّاں جان صاحبہ مکرمہ، مسز ممتاز، مسز کریم خاں، منجھلی دُلہن و خورشید بیگم سب مل کر اوپر پہاڑی حضرت پر پابرہنہ چڑھنے لگے۔ مسز کریم خاں اثناء چڑھائی میں بہت تھک گئیں۔ بہرحال در دولت پر پہنچے، وہاں ہم سب نے فاتحہ پڑھی۔ سب نے میرے اور نواب صاحب کے مع الخیر پہنچنے اور واپسی کی دُعا مانگی۔ پھر سب نے مسجد میں دوگانہ تحیت المسجد و نماز ظہر و عصر ادا کی۔ کچھ نقدی و شیرینی فقراء وغیرہ کو تقسیم کر کے واپس ہوئے۔ نیچے اُتر کر مسز کریم خاں کو بہت جلدی واپسی کی تھی، اس لیے پہلے ان کو، بھابی امّاں صاحبہ مکرمہ و منجھلی دُلہن کو روانہ کر دیا۔ میں اور مسز ممتاز تا نماز مغرب ٹھہرے رہے۔ موٹر واپس آ گئی اور بعد نماز مغرب ہم دونوں سوار ہو کر مع الخیر گھر پہنچے۔ میں نے نہایت شکریہ مسز ممتاز کا ادا کیا اور رخصت کیا۔ مسز کریم خاں راستہ میں سے ہی اپنے گھر اُتر گئی تھیں۔

بڑے بھائی کے ہاں دعوت:

۲۴ رشوال کو بڑے بھائی صاحب و بھابی صاحبہ نے مجھ کو مع میرے بچّوں کے ’’برکفاسٹ‘‘ پر بلایا اور سب بہن بھائی، بھاوجیں اور بہنوئی وغیرہ موجود ہیں۔ کھانا بہت اچھا اور لذیذ تھا۔ بعد ختم برکفاسٹ بڑے بھائی صاحب اور نواب سربلند جنگ بہادر تو ہائی کورٹ سدھارے، ہم چائے کے وقت تک ٹھہرے۔ چائے پی کر رخصت ہوئے، امام ضامن باندھا گیا۔

۲۵ رشوال کو بڑے بھائی نواب ذوالقدر جنگ بہادر نے بڑی پارٹی الوداعی صرف نواب سربلند جنگ بہادر کو دی جس کا شکریہ ہم دونوں نے ادا کیا۔

لیڈی حیدری کے ہاں ڈنر:

۲۶ رشوال کو میری پیاری بہن لیڈی حیدری آمنہ خاتون صاحبہ نے مجھ کو اور نواب

صاحب کو ڈنر پر بلایا۔ اس ڈنر میں صرف میں خورشید اور نواب صاحب ہیں، کیونکہ میں مسٹر حیدری کے سامنے آنے لگی ہوں اور میز پر وہ بھی ہوں گے۔ اس خیال سے میری کوئی بہن بھاوج وغیرہ نہیں بلائی گئیں اور نہ بھابی اماں صاحبہ تشریف لاسکیں۔ مسٹر حیدری نے بجز ان بیبیوں کے جو نواب صاحب کے سامنے آتی تھیں اور کسی بی بی کو نہیں بلایا۔ وہی بیبیاں جمع ہیں جو مسٹر حیدری و نواب صاحب کے سامنے آسکتی ہیں۔

الغرض ہم لوگ میز پر آئے۔ میز بہت ہی خوبصورتی سے سجائی گئی ہے۔ تمام چاندی کے گلدان لگائے گئے ہیں۔ ہم سب قاعدے سے میز پر بیٹھ گئے۔ ڈنر بہت بڑا تھا۔ شب کے بارہ بج گئے۔ اللہ اللہ اب ڈنر ختم ہوا اور ہم سب اُٹھے۔ ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھے، باتیں ہونے لگیں۔ امام ضامن باندھا گیا۔ ہم دونوں نے بہت بہت شکریہ ادا کیا اور وہاں سے رخصت ہوئے۔

میری روانگی کا دن:

۲۷ رشوال میری روانگی کا دن ہے۔ خورشید بہت روتی ہے۔ میں سمجھاتی ہوں مگر وہ بہت ہی رنج کرتی ہے۔ والدہ صاحبہ کو بھی میری جُدائی کا بہت قلق ہے۔ میں نے ان کو بھی بہت تسلّی و تشفّی دی اور اسی روز ایک عریضہ جناب بھائی ابّا جان صاحب قبلہ (۱۳) کی خدمت میں لکھنؤ روانہ کر دیا کہ ''کنیز کو خوشی سے اجازت دیجیے گا۔ انشاء اللہ بشرط زندگی کنیز بہت جلدی واپسی حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل کرے گی۔ آپ فکر نہ فرمایئے۔''

ایک عریضہ اپنے پیرومرشد جناب حضرت مولانا مولوی محمد قیام الدین عبدالباری صاحب قبلہ کی خدمت اقدس میں بھی لکھا۔ (۱۴) یہ حضرت میرے پیرومرشد جناب مولانا الحاج مولوی محمد عبدالوہاب صاحب قبلہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں اور بہت ہی سچّے پیر ہیں۔ آج ان کا ثانی دوسرا نہیں ہے۔ ان سے بھی اجازت حج بیت اللہ کی لے لی تھی۔

جب میں ضروری انتظام سفر سے فارغ ہو چکی تو میرے تمام دوست اور عزیز رخصت

کرنے کو آنے شروع ہوگئے۔ دو بجے دن تک سب جمع ہوگئے۔ اس وقت عجب سماں ہورہا ہے۔ سب میری جدائی سے متاثر ہیں۔ بعض لوگ تو ایک دن قبل ہی سے موجود تھے۔ مسز مکلنٹاک بھی امام ضامن لے کر آئیں۔ لیڈی واکر بہت عمدہ گائے کا گھی میرے راستے کے واسطے لائیں۔ مسز اوڈائر جو ریزیڈنٹ صاحب بہادر کی بی بی ہیں، تشریف لائیں۔(۱۵) مسز گرفن، مسز ہوگاف یہ سب بڑی مہربانی سے آئیں اور مجھ کو رخصت کیا۔ یہ میم صاحبان میری دوست ہیں۔ میں یہ لکھنا بھول گئی کہ ان میم صاحبان نے بھی باری باری مجھ کو چائے ڈنر پر بلا کر خوش کیا تھا۔ لیڈی گرفن الہ آباد ہائی کورٹ کے جج کی بی بی ہیں۔ یہ چند روز کے لیے حیدرآباد تشریف لائی ہیں۔ مسز ہوگاف فوجی افسر کی بی بی ہیں۔ یہ سب مجھ سے مل کر قریب ۴ بجے کے رخصت ہوئیں۔ میں نے تہ دل سے ان کا شکریہ اس مہربانی کا ادا کیا۔

اب میری روانگی کا وقت قریب آتا جاتا ہے۔ اس وقت میرا دل بھی از حد بے چین ہے مگر خاموش ہوں۔ میری منجھلی بھاوج مسز حیدر جیون بیگ اور مسز عثمان نواز جنگ نے بہت سے عمدہ عمدہ پھولوں کے ہار مجھے پہنائے اور نواب صاحب کو بھی پہنائے۔ مسز حیدری وغیرہ نے بھی پہنائے۔ باہر نواب صاحب کو بھی لوگوں نے ہار پہنائے۔ اب وقت آ گیا۔ شام کے ۷ بجے موٹر کار میں سوار ہونے کو میں نیچے اُتری۔ سب نوکر بھی میری جدائی سے بیتاب تھے۔ میں والدہ صاحبہ معظّمہ کے گلے لگی۔ پھر بہنوں، بھاوجوں سے ملی۔ خورشید کو گلے لگا کر پیار کیا۔ سب سے رخصت ہو کر موٹر میں بیٹھ گئی۔ آج محمد اللہ و مسعود اللہ پنچگنی اپنے اسکول کو جارہے ہیں۔ بمبئی تک میرا ان کا ساتھ ہوگا۔ مسعود اللہ میرے ہمراہ بیٹھ گئے۔ محمد اللہ اپنے والد کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ میں موٹر میں بیٹھی تھی کہ میری پیاری سہیلی مسز ممتاز الدولہ بہادر تشریف لائیں۔ میں فوراً موٹر سے اُتری، ان سے ملی۔ انھوں نے نہایت محبت سے امام ضامن باندھا۔ ان کے ہمراہ لئیق بی بی و خلیق بی بی، ان کی لڑکیاں اور بانو بیگم زنانہ اسکول کی اُستانی بھی مجھ سے ملنے آئی تھیں۔ میں نے اپنی بہن مسز ممتاز کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور سب کو فی امان

اللہ کہہ کر روانہ ہوئی۔ میرے گلے میں بہت سے پھولوں کے ہار پڑے تھے۔ حیدرآباد اسٹیشن پر اس قدر لوگ نواب صاحب کے رخصت کرنے کو آئے تھے کہ میرا وہاں سے روانہ ہونا بہت مشکل تھا، قریب پانسو کے لوگ جمع تھے اس لیے میں بیگم پیٹ کے اسٹیشن سے روانہ ہونے کو آئی، یہاں میری بہت پیاری بہن مسز حیدری اور مسٹر حیدری صاحب آئے۔ قریب آدھے گھنٹے کے ان صاحبوں سے گفتگو رہی۔

ٹرین آ گئی:

ٹرین آ گئی۔ میں ان سے مل کر سوار ہوئی۔ نواب صاحب کے ہمراہ حیدرآباد اسٹیشن سے میرے بھائی مرزا حیدر جیون بیگ، خان بہادر مرزا اکبر بزرگ خان بہادر میرے بہنوئی و ماموں زاد بھائی نواب نصر اللہ خاں اور میرے چھوٹے بہنوئی محمد احسن خاں صاحب، میرے ماموں زاد بہنوئی محبوب سلطان صاحب، یہ سب بیگم پیٹ کے اسٹیشن تک آئے۔ نواب صاحب کے گلے میں بے شمار پھولوں کے ہار سب نے پہنائے تھے۔ اب ریل چلنے لگی۔ میں نے مکرّر مسز حیدری اور مسٹر حیدری اور سب بھائیوں سے ہاتھ ملایا۔ اکبر بیگ کو بہت بھوک لگ رہی تھی۔ ان کو میں نے جلدی سے چلتی ریل میں سے چند سموسہ ٹفن باسکٹ میں سے نکال کر دیے کہ یہ کھالو۔ جس کمپارٹمنٹ میں ہم سوار ہوئے وہ فسٹ کلاس فیملی کیرج ہے جس میں ہر قسم کی آسائش کا اہتمام رکھا گیا ہے۔ اس وقت شب کے ۹ بج گئے۔ محمد اللہ اور مسعود اللہ میرے ہمراہ ہیں۔ ان کے دونوکر فیاض علی و شیخ حسین بھی ہمراہ ہیں۔ یہ درجہ بہت آرام کا ہے۔ اس میں ایک برآمدہ ہے اور سبز چلمن لٹک رہی ہے جو زنانہ درجہ کے لیے بہت موزوں ہے۔ اس کے ساتھ نوکروں کا درجہ بھی لگا رہتا ہے۔ یہ گاڑی نہایت آرام کی ہے۔ ٹرین چلنے کے بعد ٹفن باسکٹ کھولا اور میز پر کھانا لگا کر کھایا۔ بعد فراغت طعام وضو کیا اور نماز عشاء ادا کی۔ دونوں بچوں کو آرام سے سلا دیا۔ بعد فراغت نماز نواب صاحب نے بھی آرام فرمایا اور میں بھی سو رہی۔

گلبرگہ اسٹیشن:

۲۰؍شوال صبح ۴ بجے گاڑی گلبرگہ اسٹیشن پر ٹھہری۔ ہم نے اپنا درجہ ریل میں سے کٹوا لیا، کیوں کہ ہم کو خواجہ بندہ نواز کی درگاہ شریف پر حاضر ہونا ہے۔ اوّل نماز صبح ادا کی۔ پھر کچھ ناشتہ کیا۔ حیدرآباد دو ضروری خط لکھے۔ نواب صاحب نے بھی دو ضروری خط لکھے۔ اس عرصہ میں آٹھ بج گئے۔ گلبرگہ شریف کے صوبہ دار صاحب کی دو نہایت عمدہ گاڑیاں ایک لینڈو، دوسری بروم اسٹیشن پر آ گئیں۔ ۴ سوار چند چپراسی بھی ساتھ تھے۔ میری پھوپی صاحبہ انجمن النساء بیگم صاحبہ کے پوتے محمد سلیم بیگ بھی آ گئے۔ وہ بھی میرے ہمراہ در دولت حضرت خواجہ بندہ نواز قدس اللہ سرہٗ کے لیے تیار ہو گئے۔ میں اور مسعود اللہ و سلیم بیگ بروم میں بیٹھ گئے۔ لینڈو میں نواب صاحب و محمد اللہ سوار ہوئے۔ دونوں گاڑیاں روانہ ہوئیں۔ سوار و چپراسی ہمراہ رہے۔ اثناء راہ میں گلبرگہ شریف کی خوبصورت چھوٹی سی آبادی کو دیکھتے ہوئے درگاہ شریف پہنچ گئے۔

درگاہ شریف میں حاضری:

گاڑیوں میں سے اُتر کر پا برہنہ مزار مقدّس کے سامنے حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی۔ پھر اور کئی مزارات پر فاتحہ پڑھی۔ پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نفل رخصتی ادا کیے۔ زیارت سے فارغ ہو کر بعد ادائے نماز جمعہ ایک قلعہ دیکھنے گئے۔ ایک مسجد بھی دیکھی جو مجھ کو بہت پسند آئی۔ نہایت عمدہ قابل تعریف عمارت ہے، مگر افسوس کہ یہ قلعہ اور مسجد آبادی سے دُور ہے۔ تمام جنگل نظر آتا ہے۔ ہم سب ایک گھنٹہ کامل اس قلعہ اور مسجد کو دیکھتے رہے۔ مسجد بہت صاف ہے۔ یہاں بھی دو رکعت نماز نفل ادا کی۔

اسٹیشن کو واپسی:

قریب دو بجے کے روانہ ہو کر اسٹیشن پر پہنچے۔ بھوک بہت لگ رہی تھی۔ سب نے مع سلیم بیگ کے کھانا کھایا۔ کھانا بھی صوبہ دار صاحب نے بھیجا تھا۔ امام ضامن اور پھولوں کے

ہار بھی خود لے کر آئے۔ مگر ہمارے سرکار نے تمام امام ضامن جو مردانہ میں ان کو سب عہدہ داروں اور دوستوں نے باندھنا چاہے تھے، قبول کر کے شکریہ کے ساتھ واپس دیے لیکن مجھ سے کسی نے واپس نہ لیے۔ صرف میرے امام ضامن کی تعداد چھ سو تھی۔

اللہ اللہ کیسے کیسے دوست خداوند عزّ وجل نے مجھ کو دیے ہیں جو نہایت محبت سے میری جدائی کے صدمہ سے متاثر ہو رہے ہیں۔ میں اگرچہ شوق دیدار حرمین شریفین کے مدہوش تھی تاہم میرا دل بھی از حد متاثر ہو رہا ہے۔ اسٹیشن ماسٹر نے جھگڑا شروع کیا کہ آپ کا درجہ میل میں نہ لگاؤں گا۔ میں نے مجبور ہو کر بذریعۂ سلیم بیگ کے اسٹیشن ماسٹر کو چار روپیہ نذر کیے۔ نواب صاحب کو یہ روپیہ دینے کی خبر نہیں کی ورنہ ہرگز وہ نہ دینے دیتے۔ بہر حال اب اسٹیشن ماسٹر نے ہمارا درجہ میل ٹرین میں لگا دیا اور ہم سب گلبرگہ شریف سے روانہ ہو کر چلے۔

بمبئی پہنچ گئے:

۲۹رشوال مطابق ۱۴رنومبر **۱۹۰۹ء** صبح کے ۵ بجے ہماری ٹرین بمبئی اسٹیشن پر پہنچ گئی۔ یہاں ہم کو محمود احمد مل گئے۔ یہ نواب سربلند جنگ بہادر کے بھانجے ہیں۔ میں ان کو بچپن سے جانتی ہوں۔ یہ میرے پاس اکثر رہا کرتے تھے۔ میں نے پوچھا۔''محمود احمد تم کہاں؟'' تو کہا، ''میں بھی حج بیت اللہ کو جا رہا ہوں۔'' میں نے کہا: ''اچھا چلو اس زیارت سے زیادہ دنیا میں کیا ہے۔''

محمود احمد نے ایک گاڑی کرایہ پر لی اور میرا بیگ خود لیا۔ اب بہ اجازت نواب صاحب ہم دونوں ریل سے اُتر کر گاڑی میں سوار ہو گئے۔ مسعود اللہ اور محمد اللہ بھی میرے ہمراہ بیٹھ گئے۔ نواب صاحب نے حکم دیا کہ ''تم سب سیدھے تاج محل ہوٹل میں جاؤ، میں بھی پیچھے آتا ہوں۔'' ہم سب روانہ ہو کر تاج محل ہوٹل پہنچے۔ یہاں ہوٹل کو بالکل بھرا ہوا پایا۔ مالک ہوٹل نے کہا: ''جناب ہمارے یہاں ۷۰۰ مسافر اترے ہوئے ہیں۔ کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔ میں بہت افسوس کرتا ہوں۔''

ہم یہ جواب سن کر اپالو ہوٹل میں جو تاج محل سے قریب ہی ہے، آئے۔ یہاں بھی صرف ایک ہی کمرہ خالی ملا۔ بہرحال میں اور سب یہاں اُترے۔ مالک ہوٹل نے چارج بہت کیا، آٹھ روپے فی آدمی کے حساب سے ہم سے لیے۔ میں نے کھانے کا حکم دیا اور کمرے میں ٹھہرے۔ اتنے میں معین الدین احمد پروفیسر صاحب آ گئے۔ یہ نواب صاحب کے بہت بڑے دوست ہیں اور بہت لائق آدمی ہیں۔ میں ان سے باتیں کرنے لگی۔ اثنائے گفتگو میں ان سے تصویروں کا ذکر آ گیا۔ میں نے کہا: ''پروفیسر صاحب آپ برائے مہربانی مجھ کو ایک کیمرہ ''کوڈاک'' جو سفر میں آرام سے رکھ سکوں، ابھی خرید لا دیجئے'' اور کچھ ضروری اشیاء بھی ان کو بتلا دیں، وہ فوراً بازار روانہ ہو گئے کہ ''ابھی لاتا ہوں۔''

اس عرصہ میں میں نے غسل کیا، لباس بدلا۔ کھانے کی میز لگ چکی تھی۔ میں تیار ہو کر مع مسعود اللہ اور محمد اللہ اور محمود احمد میز پر آئے۔ کھانا اچھا تھا۔ ہم نے اچھی طرح کھایا۔ نواب صاحب ابھی ہوٹل تشریف نہیں لائے تھے۔ جہاز کے انتظام میں مصروف تھے۔ (۱۶) کھانا بھی انھوں نے رسٹران میں نوش فرما لیا تھا۔ بعد فراغت طعام میں خط لکھنے بیٹھ گئی۔ ایک عریضہ بھائی ابّا جان صاحب قبلہ (یعنی والد ماجد) کو اور ایک عریضہ جناب الحاج مولانا مولوی محمد قیام الدین عبد الباری صاحب قبلہ کو لکھا۔ ایک عریضہ جناب بھابی امّاں صاحبہ قبلہ کو حیدر آباد لکھا۔ ایک خط خورشید بیگم کو اور ایک خط اسکندر سلطان اپنی منجھلی بھاوج مسز عثمان نواز جنگ کو اور ایک منجھلی بہن قرشیہ سلطان کو لکھا۔ خط لکھ کر قلم دان بند کیا ہی تھا کہ نواب صاحب تشریف لے آئے اور فرمانے لگے: ''لو جہاز کا بندوبست ہو گیا ہے۔ اب جلدی چلو وقت کم ہے۔'' میں فوراً تیار ہو گئی۔ مگر ابھی تک پروفیسر صاحب واپس نہیں آئے۔ میں نے صرف اپنا ہینڈ بیگ لیا اور محمود احمد، محمد اللہ و مسعود اللہ کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ کر روانہ اسٹیشن ہو گئی۔ نواب صاحب بعد کو سب سامان ہوٹل سے لے کر اسٹیشن پہنچے۔ میں اسٹیشن پر پہنچ کر ویٹنگ روم میں ٹھہری اور خیال کرنے لگی کہ پروفیسر صاحب آ جاویں تو جو سامان کہ اُن سے منگوایا ہے لے لوں۔

ویٹنگ روم میں مرد وعورت بھرے ہوئے تھے۔ میں ترکی برقعہ میں تھی جو کاہی رنگ کے خالص ریشم کا نہایت خوشنما سلا ہوا تھا۔ میں پروفیسر صاحب کے خیال میں تھی کہ وہ سامنے سے مع اس سامان کے جوان سے منگوایا تھا، آتے ہوئے نظر آئے۔ محمد اللہ ومسعود اللہ آگے بڑھ کر ان کو بلا لائے۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا: ''واہ جناب اس قدر جلدی، بہت سامان تو وہیں رہ گیا، کچھ لے آیا ہوں۔'' میں نے کہا: ''میں آپ کی مہربانی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ باقی سامان جو رہ گیا ہے اُس کا آپ کچھ فکر نہ کریں۔ میرے پیچھے [محمود] احمد مکہ معظّمہ آنے والے ہیں اُن کے ہمراہ بھیج دیجیے گا۔ یہ میں لیے جاتی ہوں۔ یہ دو ''بلانکٹ'' جن کی مجھے بہت ضرورت تھی آ گئے ہیں۔'' پھر میں نے بہت بہت شکریہ ادا کر کے کہا: ''محمد اللہ ومسعود اللہ کو آپ آج ہی پنچگنی پہاڑ اسکول میں روانہ کر دیجیے گا۔''

پروفیسر صاحب نے بہت خوشی سے میری اس بات کو منظور کیا اور میرے دونوں بچّوں کو لے کر مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے۔ میں ویٹنگ روم سے لے کر نواب صاحب کے ہمراہ ایک کمرہ میں آئی۔ یہاں مسافروں کا امتحانِ صحت ہوتا ہے، یہاں تھوڑی دیر ٹھہری۔ ڈاکٹر کو نبض دکھا کر باہر نکلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ محمد اللہ ومسعود اللہ مع پروفیسر صاحب کے کھڑے ہیں۔ میں نے دوبارہ دونوں بچوں کو پیار کیا۔ پروفیسر صاحب کو سلام علیکم کہہ کر رخصت کیا۔

سمندر میں میرا پہلا قدم:

اب میں کشتی میں آ گئی۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ کشتی کو مطلق نہ پہچانا، کیونکہ اس سے قبل کبھی کشتی یا جہاز کو نہ دیکھا تھا۔ کشتی میں سوار ہو کر سمجھا کہ یہ بھی کوئی ٹھہرنے کا مقام ہے۔ ایک بنچ پر نواب صاحب اور میں بیٹھ گئے۔ بہت سے انگریز اور میمیں بھی تھیں، جن میں کوئی بیٹھا اور کوئی کھڑا تھا۔ میری ایک مغلانی امینہ بی بھی میرے سامنے سامان کے پاس بیٹھ گئی۔ میں نے صرف ایک مغلانی کو اپنے ہمراہ لیا ہے۔ ایک انّا حسین بی، ایک ملازم خدا بخش ومحمود علی و محمد احمد کو مع بہت سے سامان کے پیچھے چھوڑا ہے۔ کیونکہ ہم دونوں میل سے ہی ڈاک کے

بڑے جہاز سے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ محمود احمد وغیرہ پیچھے حاجیوں کے جہاز میں آئیں گے۔ غرضکہ اب اس کشتی کو حرکت ہوئی، نواب صاحب نے بھی مجھ سے نہیں کہا تھا کہ یہ کشتی ہے۔ جب کشتی چلی تو میں نے گھبرا کر پوچھا کہ ''یہ کیسی جگہ ہے جو ہلتی ہے۔'' نواب صاحب نے فرمایا کہ ''یہ کشتی ہے جو ہم سب کو جہاز پر لے چلے گی۔'' تب میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ کشتی آہستہ آہستہ چلی۔ ہم سب سیر کرتے ہوئے جہاز تک پہنچے۔ کشتی ٹھہر گئی۔ ایک سیڑھی جہاز پر سے کشتی کے ساتھ لگا دی گئی۔ ہم اور سب مسافر جہاز پر آ گئے۔

خوشنما جہاز پر:

اس اسٹیمر کا نام ''سالسٹ'' ہے۔ یہ جہاز پی۔اینڈ۔او کمپنی کا ہے۔ بہت ہی خوبصورت اور آرام کا جہاز ہے۔ اس وقت اگرچہ دن ہے مگر بجلی کی روشنی ہو رہی ہے۔ لنچ (کھانا) کی بہت سی میزیں تیار ہیں۔ ''ڈرائنگ روم'' بہت بڑا اور خوبصورت ہے۔ یہ سب دیکھتے بھالتے ہم اپنے کمرہ میں آ گئے۔ میں نے اپنا برقعہ اتارا۔ روشن دان میں سے عجب حیرت سے سمندر کو دیکھنے لگی۔ جہاز ابھی ٹھہرا ہوا تھا۔ اس عرصہ میں ایک انگریز ''ویٹر'' آیا اور مجھ سے کہا: ''میڈم لنچ ڈھائی بجے ہوگا۔'' میں نے جواب دیا ''یس'' (اچھا)۔ انگریزی مجھ کو اس قدر آتی ہے کہ میں مطلب آسانی سے پورا کر لیتی ہوں۔ اب میں پلنگ پر لیٹ گئی۔ امینہ بی سے سب سامان قرینہ سے رکھوایا۔

جہاز کی دلچسپیاں:

نواب سربلند جنگ بہادر نے تشریف لا کر فرمایا: ''چلو میز تیار ہے۔'' میں نے کہا: ''سب کے ساتھ کھانا کھاؤں؟'' تو فرمایا کہ ''ہاں چلو یہاں کون دیکھتا ہے۔'' میں نے کہا کہ ''اچھا چلو۔'' بعد ازاں میں نے ایک کلوک پہنا جو خاص اس سفر کے واسطے سلوایا تھا اور ترکی نقاب منہ پر ڈال کر ''ڈرائنگ روم'' میں آئی۔ تاہم آتے وقت مجھ کو شرم ہی آئی، مگر اتفاق

سے جس میز پر میں آ کر بیٹھی، یہ بالکل علیحدہ تھی اور میرا منہ صرف نواب صاحب کی طرف رہا، باقی کے لوگ میری پشت کی میزوں پر بیٹھے۔ میں نے میز پر بیٹھنے کے بعد نقاب اُلٹ لی۔ اب اس میز پر بجز نواب صاحب کے اور میرے کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔ ہم دونوں کو جو ''ویٹر'' کھانا کھلاتا تھا وہ یورپین تھا اور بہت خوش ہو کر کہتا تھا: ''او ہم انڈین لیڈی کو کھانا کھلاتا ہے۔'' عجب مسخرا ہے جو مجھ کو کھانا کھلا کر خوش ہوتا ہے۔ بعد کھانے کے میں اپنے کمرہ میں آئی۔ کُلّی کی، منہ دھویا۔ نواب صاحب نے کہا، ''چلو ڈرائنگ میں بیٹھو۔ [ڈک] پر چلو سمندر کو دیکھو۔'' میں نے کہا: ''اچھا آپ چلیے میں بھی آتی ہوں۔'' نواب صاحب اوپر گئے۔ کچھ دیر میں میں بھی کلوک و نقاب پہن کر ڈرائنگ روم میں آئی۔ یہاں چند لیڈیز بھی بیٹھی تھیں۔ کوئی کتاب دیکھ رہی تھیں، کوئی ٹہل رہی تھیں۔ میں سیدھی آ کر بنچ پر بیٹھ گئی اور ایک کتاب دیکھنے لگی۔ تھوڑی کتاب دیکھی اور پھر اپنی ڈائری جو حیدرآباد میں لکھنا شروع کر دی تھی، لکھنے لگی۔ اس عرصہ میں چائے کا وقت آیا۔ نواب صاحب بھی تشریف لائے اور فرمایا ''چلو چائے پی لو۔'' میں نے کہا کہ ''چائے میں اپنے کمرے میں ہی پیوں گی۔'' فرمایا: ''جاؤ میں کمرہ میں چائے بھیجتا ہوں۔'' سب تو چائے پر گئے، میں اپنے کمرہ میں چلی آئی، نقاب اتار دی۔ ''ویٹر'' چائے لے کر آیا۔ چائے پی کر پھر کتاب دیکھتی ہوئی پلنگ پر لیٹ رہی۔ شام کو الیکٹرک لائٹ (بجلی کی روشنی) ہوگئی۔ ۷ بجے نواب صاحب نے آ کر فرمایا کہ تم بھی تیار ہو جاؤ اور میں بھی کپڑے پہنتا ہوں، آدھا گھنٹہ ''ڈنر'' میں باقی ہے۔ میں نے کہا: ''اچھا چلیے تیار ہو جیے میں تو تیار ہی ہوں۔'' الغرض ہم دونوں میز پر آئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اس جہاز پر ''ڈنر'' بہت اچھا ملا۔ بعد فراغت طعام میں اور نواب صاحب اوپر [ڈک] پر آئے اور ایک گھنٹے تک خوب ٹہلتے رہے، پھر نیچے اُتر آئے۔ نماز عشاء ادا کی اور آرام سے سو رہے۔

جہاز پر پہلی صبح:

۱۵رنومبر۱۹۰۹ء کو ہم صبح ہی اُٹھے۔ نماز فجر ادا کی اور پھر سی باتھ لیا۔ سی باتھ لینے سے

جسم نہایت صاف اور ملائم ہوگیا۔ اب سات بج گئے۔ برک فاسٹ تیار تھا، ہم دونوں ناشتہ کرنے گئے۔ مجھ کو مٹن چاپ بہت پسند ہے، میں نے وہی کھایا، چائے پی۔ پھر ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئی۔ میم صاحبان سے اور مجھ سے باتیں ہونے لگیں، پھر حسبِ قاعدہ میں اپنا روزنامچہ لکھنے لگی۔ نواب صاحب اور سب لوگ ٹہلتے پھرتے رہے۔ گیارہ بجے ویٹر ''بیفٹی'' لے کر آیا۔ میں نے اور سب لیڈیز نے ایک ایک پیالہ لے کر پیا۔ پھر میں اپنے کمرہ میں چلی آئی اور چند خطوط لکھتی رہی۔ اس عرصہ میں کھانے کا وقت ہوگیا۔ نواب صاحب تشریف لائے اور ہم دونوں لنچ پر گئے۔ وہاں سنا کہ ایک جہاز برابر سے جا رہا ہے۔ میں اور سب میز پر سے اٹھ کر دیکھنے لگے کہ دو اسٹیمر اِدھر اور ہمارا اُدھر جا رہا ہے۔ وہ لوگ اس پر سے ہم سب کو دیکھ رہے ہیں اور ہم سب اُن کو دیکھتے ہیں۔ اس تماشے کے بعد میز پر آئے۔ کھانا ختم ہوا اور میں اپنے کمرے میں آئی۔ ایک اسٹورڈس کو ہمراہ لے کر جہاز کے کچن کو اور سب مقامات کو دیکھنے کو گئی۔ جہاز کی تمام کلیں دیکھیں۔ کچن میں میز کے برتن عجب طرح سے دھوئے جاتے ہیں۔ بیسن میں برتن ڈال دیے اور کل موڑ دی، برتن نیچے اوپر ہوگئے اور گرم گرم پانی سب برتنوں میں بھر گیا۔ بس دُھل گئے۔ یہ سیر دیکھ کر اوپر آئی، یہاں میمیں میرے انتظار میں تھیں۔ آج ایک میم صاحبہ مسز شین سے دوستی ہوگئی، ان سے باتیں کرتی رہی۔ پھر اپنی ڈائری لکھی۔ اس عرصہ میں چائے کا وقت آیا۔ نواب سربلند جنگ صاحب اور میں چائے پر گئے۔ اس کے بعد اپنے کیابن میں آ گئے۔ نماز عصر و مغرب سے فارغ ہو کر حسبِ قاعدہ ڈنر پر گئے۔ کھانے کے بعد ڈک پر ٹہلتے رہے۔ نماز عشاء ادا کر کے سو رہے۔

۱۶؍نومبر ۱۹۰۹ء کو حسبِ دستور بعد انفراغ ضروریات وغیرہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی۔ ایک میم سے مذہب کے بارے میں خوب بحث ہوئی۔ انھوں نے ہندوستانی راہ رسم پر نکتہ چینی کی۔ میں نے بھی بحث میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ پھر سب ہنسنے لگے، بات بدل گئی۔ کھیل ہونے لگا۔ میم صاحبہ نے مجھ سے الائچیاں مانگیں کہ ''ہم کو دو'' میں نے چند الائچیاں دیں۔

میرا پتہ بھی انھوں نے لیا۔ اپنا پتہ مجھ کو دیا۔ اتنے میں مسز شین صاحبہ تشریف لائیں۔ یہ عمر رسیدہ ہیں اور مجھ سے محبت کرنے لگی ہیں۔ الہ آباد میں رہتی ہیں، چند روز کے لیے لندن جا رہی ہیں۔ اکثر حیدرآباد کے حالات پوچھا کرتی ہیں ''کہ حیدرآباد کیسا مقام ہے؟''

فلڈ۔ میں نے فلڈ کا حال بیان کیا اور اپنے شہر کی تعریف کی۔ (۱۷) ان کو بہت شوق حیدرآباد دکن کے دیکھنے کا ہوگیا۔

اب لنچ کا وقت آ گیا۔ الغرض میں لنچ کے بعد کیابن میں آ گئی۔ نواب صاحب بہادر بھی کیابن میں آئے۔ باتیں ہونے لگیں۔

نواب صاحب۔ ''اب کیا کرنا چاہیے۔ بیت المقدس چلو یا مصر چلو، کیونکہ ہم کو ایک ہفتہ ''سوئز'' ٹھہرنا ہوگا۔ اس عرصہ میں ان مقامات پر ہو آئیں۔''

دیکھیے اب آخری صلاح کیا قرار پاتی ہے۔ ان ہی باتوں میں ایسا غل مچا کہ میں گھبرا گئی۔ نواب صاحب نے کہا گھبراؤ نہیں۔ یہ امتحان ہو رہا ہے تاکہ جہاز اگر کسی وقت طوفان میں گھر جائے تو کس طرح کیا کرنا چاہیے؟ سب نوکر چاکر بے چارے اپنا اپنا کام چھوڑ کر بھاگے چلے آتے ہیں۔ **الحمد للہ!** کہ امتحان پورا ہوا۔ آج کا دن باتوں میں گزر گیا۔ بعد ڈنر کے نماز ادا کی اور سو رہے۔

۱۷/ نومبر ۱۹۰۹ء۔ آج میں صبح ہی اٹھی۔ سی باتھ لیا۔ سی باتھ میں روز لیتی ہوں کیونکہ سنا ہے سی باتھ صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ ''برکفاسٹ'' کے بعد نواب صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ آج ہم سب عدن پاس کریں گے۔ اس سالسٹ سے اُتر کر دوسرے اسٹیمر میں جانا ہے۔ سامان سب بند کراؤ۔ لنچ کھا کر ہم لوگ اتریں گے۔ میں نے کہا، بہت بہتر۔ اس کے بعد امینہ بی نے اور میں نے سب سامان ٹھیک کر لیا۔ اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ میں بالکل تیار ہو کر ڈک پر آئی۔ یہاں دیکھا کہ زمین نظر آنی شروع ہوگئی ہے۔ میری دوست میم صاحبان و مسز شین بھی تیار ہیں۔ ہم سب پہاڑوں اور سمندر کی سیر کر رہے ہیں۔ پھر میں، مسز

شیین اور مسز کاچ ڈرائنگ روم میں آئے۔مسز کاچ نے میوزک شروع کیا۔ یہ بات عجیب ہے، حالانکہ میرا پہلا سفر جہاز کا ہے مگر مجھ کو مطلق چکر نہیں آیا۔ میں اور نواب صاحب بہت آرام سے چلتے پھرتے ہیں۔مسز کاچ کا میوزک ختم ہونے کے بعد مسز کاچ نے مجھ سے پوچھا:''کیا تم کو بھی میوزک آتا ہے؟'' میں نے کہا،''ہاں کچھ ہندوستانی آتا ہے۔ انگلش میں صرف اسکیل بجا لیتی ہوں اور کچھ شاپس بس''۔ چند لیڈیز نے مجبور کیا کہ''ضرور بجاؤ۔'' میں نے اِدھر اُدھر دیکھا کہ صاحب لوگ کہاں ہیں۔معلوم ہوا کہ وہ سب باہر [ڈک] پر ہیں۔اب میں پیانو پر بیٹھ گئی اور یہ غزل بجائی:''**ساقیا مے دے کہ ما دُردے کشی مے خانہ یم**۔''(۱۸) اس غزل کی سُر بہت ہی نفیس ہے۔سب نے پسند کیا۔اس عرصہ میں مسٹر کنگ آ گئے۔ میں پیانو بند کر کے چلی گئی۔

عدن آ گیا:

اب زمین بالکل قریب آ گئی ہے۔ لنچ کا وقت آ گیا۔حسب قاعدہ بگل ہوا، ہم سب میز پر آ گئے۔ میز پر بیٹھتے ہی جہاز کا لنگر ہو گیا۔ جہاز ٹھہر گیا، عدن آ گیا۔ خلاصیوں، مسافروں کی آوازیں آنے لگیں۔ لنچ کے بعد ہم [ڈک] پر آئے۔ تماشہ دیکھنے لگے۔ شہر عدن کی دوکانیں، مکانات، سڑکیں، گاڑیاں، گھوڑے، اونٹ گاڑی وغیرہ سب جہاز پر سے نظر آتے ہیں۔ بہت سے لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھے سمندر میں پھر رہے ہیں۔بعض کشتی اسٹیم سے چلتی ہے، بعض کو کھے کر پلیوں سے چلاتے ہیں۔بعض بعض کشتی پر ایک سفید کپڑا مثل پھریرے کے اڑتا ہے۔ یہ تو ایسی چلتی ہے کہ کیا کیا کہوں، ڈوبتی اور اوپر آتی چلی جاتی ہے۔ لوگ اس میں اس آرام سے بیٹھتے ہیں کہ ذرا ان کو ڈر نہیں معلوم ہوتا۔

جہاز کے دونوں طرف آن کر کشتیاں لگیں۔ان میں حبشی لوگ ناچتے، غل مچاتے ہیں۔ سب مسافر لوگ اوپر سے ان کو پیسے پھینکتے ہیں۔ میں نے بھی چھ آنے کے پیسے ان کو پھینک دیے۔ میں نے سنا کہ وہ سب وحشی عربی بولتے ہیں۔

روانگی سے ایک ماہ قبل میں نے ایک عرب بن کو نوکر رکھ کر عربی بولنے کی مشق کر لی تھی، اس لیے میں عربی سمجھنے لگی تھی۔ دو چار باتیں ان سے عربی میں کیں، جس کو سن کر میری دوست انگلش لیڈیز کو حیرت ہوئی اور مجھ سے پوچھا۔

''اوتم کیا بولتا ہے؟'' میں نے کہا۔''یہ ہماری پاک زبان عربی ہے اور مجھ کو تھوڑی بہت آتی ہے۔''

پھر ہم سب ڈک سے آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ نوٹس آیا کہ تین بجے ''سالسٹ'' سے اُتر کر ''چائینہ'' جہاز پر جو اس سے بھی بڑا ہے، جانا ہوگا۔ دو بجے نواب صاحب آئے اور اب ہم اپنی کیابن میں آئے۔ سامان دیکھا کہ سب درست ہے۔ ہمارے دو ''اسٹورڈ'' ہیں۔ ایک وہ جو روز میز پر کھانا کھلاتا ہے۔ دوسرا ہمارے کیابن کا کام کرتا ہے۔ میز والے کو دو روپے انعام دیا، کیابن والے کو چار روپے انعام دیا۔ ایک تیسرا ہے جو روزانہ حمام گرم کیا کرتا ہے، اس کو ایک روپیہ انعام دیا۔ سب کام سے فارغ ہوگئے تو نواب صاحب تو اوپر چلے گئے میں ذرا دیر کیابن میں سوگئی۔ اب جو اٹھی تو بجائے تین کے ساڑھے تین بج گئے۔ میں گھبرا کر باہر نکل آئی، دیکھا کہ سب چائے کے لیے جاتے ہیں۔ میں اور میرے صاحب بھی چائے پر گئے۔ اب پورے پانچ بج گئے۔ ہم سب جہاز سے اترنے کو چلے۔ وہی بڑی سی کشتی حسب قاعدہ آ گئی، ہم سب کشتی میں سوار ہو کر ''چائینہ'' پر آن پہنچے۔ یہاں کیابن ہمیں ایک کونے میں ملی جو مجھ کو پسند نہ آئی۔ نواب صاحب نے دوسری کیابن بدل لی۔ یہ بہت عمدہ ہے۔ باتھ روم وغیرہ بھی قریب ہے۔ اوّل میں نے اور امینہ بی نے سامان درست کر کے رکھا۔ میں نے منہ دھویا، کپڑے بدلے۔ نقاب وکلوک پہن کر اوپر ڈک پر آئی۔ اوہو! یہاں تمام جہاز بالکل صاحب ومیم صاحبوں سے بھرا ہوا ہے۔ سب ٹہل رہے ہیں۔ میں اور میرے صاحب بھی ٹہلتے رہے۔ اس عرصہ میں میری سب دوست لیڈیز بھی آ گئیں۔ نواب صاحب علیحدہ ٹہلنے لگے۔ میں ان لیڈیز سے باتیں کرنے لگی۔ اس عرصہ میں ڈنر کا بگل ہوگیا۔ ہم سب کھانے پر گئے۔

بعد فراغت حسبِ دستور ہم دونوں ذرا دیر ڈک پر ٹہل کر کیابن میں آ گئے۔

۱۸ر نومبر ۱۹۰۹ء کو حسب قاعدہ اٹھے۔ضروریات سے فارغ ہو کر بر کفاسٹ کیا اور ڈک پر چلے گئے۔نواب صاحب لوگوں سے باتیں کرنے لگے۔ میں بنچ پر بیٹھ کر مسز شین سے باتیں کرنے لگی۔ دو لڑکیاں چھ چھ سات سات برس کی میرے قریب آ ئیں۔نقاب میرے منہ پر دیکھ کر ڈر گئیں۔تب میں نے نقاب اُلٹ کر ان کو بلایا۔ دوڑ کر آ ئیں اور میرے گلے سے چمٹ کر باتیں کرنے لگیں۔

لڑکی۔''تم کون ہو؟ کیا ''پوسی'' ہو۔ جو ایسا لباس پہن رکھا ہے؟

مجھ کو ''پوسی'' کا لفظ سن کر بہت ہنسی آ ئی۔مسز شین بھی ہنستے ہنستے لوٹ گئیں۔ میں نے کہا نہیں میں پوسی نہیں ہوں۔اب ان کا ڈر نکل گیا۔ اپنے اپنے ماں باپ کا نام بتایا اور اپنے گھر کی باتیں شروع کر دیں۔ ایک لڑکی بولی: ''میرے پاس خوبصورت گڑیا ہے'' دوسری نے کہا: ''میرے پاس ایک چھوٹا خوبصورت ہیرے کا بروچ ہے اور ایک ایرنگ ہے۔تین چاندی کی چوڑیاں ہیں۔''

ان کی باتوں میں مجھ کو بہت لُطف آ یا۔اس عرصہ میں ان کے ماں باپ بھی آ گئے اور ہنسنے لگے کہ یہ کیسی مل گھل کر باتیں کر رہی ہیں۔ان دونوں لڑکیوں نے اپنے ماں باپ کے نام میری ڈائری میں لکھوا دیے، ان کے والدین کے نام جارج وب اور مسز وب ہیں۔

میرے سامنے چند لیڈیز کرکٹ کھیل رہی ہیں۔ ایک بجا چاہتا ہے۔ میں کیابن میں آئی۔ لنچ کے لیے تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ بعد فراغت سیدھی کیابن میں آئی۔ کپڑے بدل کر ذرا دیر کے لیے لیٹ رہی۔ چار بجے منہ ہاتھ دھویا۔ وضو کیا، نماز عصر ادا کی۔ پھر کپڑے پہن کر نقاب ڈال کر چائے کے واسطے اوپر آئی۔نواب صاحب بھی تشریف لائے۔ چائے کے بعد میں وہاں آئی جہاں سے اسباب چڑھاتے اُتارتے ہیں۔اس کل کو دیکھا۔ ہر کام نہایت حکمت سے کرتے ہیں۔ڈک پر آن کر مسز جارج وب سے باتیں ہوتی رہیں۔ کچھ

اپنی عربی بھی یاد کرلی۔ اتنے میں وہی دونوں لڑکیاں آ گئیں۔ باتیں کرنے لگیں۔

مسز جارج وب نے کہا: ''چلو اب ذرا واک کرلیں پھر کھانے پر جانا ہے۔'' ہم دونوں واک کرتے رہے۔ ڈنر کا بگل ہوا۔ حسب دستور بعد ڈنر کے، میں پھر ڈک پر آئی۔ نواب صاحب تو دوسری طرف ٹہلنے لگے۔ مسز جارج وب پھر مجھے مل گئیں۔ باتیں کرنے لگیں۔

مسز جارج وب نے مجھ سے پوچھا: ''کل تم باربر کی شاپ کو چلو گی؟''

میں نے کہا: ''یہاں کون سی شاپ ہے؟''

مسز جارج وب نے مجھے بتایا کہ ''جہاز میں دوسری طرف ایک باربر کی شاپ ہے۔ وہاں بروچ، ربن وغیرہ مل سکتی ہیں اور جو چاہو سب مل سکتا ہے۔''

میں نے کہا: ''اچھا اگر آپ چلیں تو مجھ کو بھی ہمراہ لے لیں۔ دیکھوں گی کیا کیا وہاں ملتا ہے؟''

''گڈ نائٹ'' کہہ کر میں کیابن میں آئی۔ نواب صاحب نماز عشاء میں مشغول تھے۔ میں نے بھی آ کر نماز ادا کی۔

۱۷ر نومبر ۱۹۰۹ء[۱۹ر نومبر ۱۹۰۹ء]۔ حسب دستور اٹھ کر سی باتھ لیا۔ [ڈریس] کیا۔ چائے پی اور فوراً ڈک پر آئی۔ یہاں سب سے اوّل مسز جارج وب مل گئیں اور یک دم میری نقاب انھوں نے اُتار لی۔ مسز جارج وب: ''کیا ہوا تم کو؟ مت ایسا منہ پر ڈالو۔''

میں: ''جناب یہ ہمارا دستور ہے۔ رہنے دیجیے۔'' مگر انھوں نے نہ مانا۔ میں نے ذرا دیر کے لیے اتار دیا، مگر پھر نقاب پہن لیا۔ اس کے بعد میں اور سب لیڈیز سمندر کا تماشہ دیکھنے لگے۔ اس عرصہ میں لنچ کا بگل ہوگیا۔ بعد ختم ہونے لنچ کے میں کیابن میں آئی اور دو پاؤنڈ کچھ شلنگ لے کر ڈک پر واپس آئی۔ یہاں مس کنگ مل گئیں، ان سے گفتگو ہوتی رہی۔ مسز وب و مسز شین بھی آ گئیں اور کہا: ''یہ کھیل ہو رہا ہے کہ جو کوئی بتلا دے جہاز کتنی میل ایک گھنٹہ میں جاتا ہے۔ اگر ٹھیک بتلائے تو اس کو انعام ملتا ہے۔ تم بھی ایک شلنگ دو، تمھاری طرف

سے میں ڈال دیتی ہوں۔''

میں نے کہا: ''آپ شلنگ لے لیجیے اور ڈال دیجیے۔ میری سمجھ میں تو یہ کھیل آتا نہیں۔''

ان کی خاطر سے میں نے بھی ایک شلنگ دے دیا۔ مگر فوراً ہی معلوم ہوا کہ ایک صاحب جیت گئے اور یہی صاحب مسلسل تیرہ روز سے جیت رہے ہیں۔ اس کے بعد میں اور مسز وب باربر کی شاپ میں گئے۔ اس کی شاپ بہت اچھی طرح آراستہ ہے اور یہ اس وقت کسی کے بال بنا رہا ہے۔ ہم دونوں وہاں چیزوں کو دیکھتے رہے۔ مسز وب نے مجھے ایک کتاب دیتے ہوئے پوچھا: ''تم اس کو پڑھ سکتی ہو؟ یہ انگلش ہے۔''

میں نے کہا، ''ہاں میں پڑھ سکتی ہوں۔'' پھر ہم دونوں نے مل کر اس کتاب کو پڑھا۔ مسز وب ایک کرسی پر اور ایک پر میں بیٹھ گئی۔ مسز وب نے اؤن کی جراب بنانا شروع کی۔ میں نے ان کے ہاتھ سے جراب لے لی کہ یہ میں بناؤں گی، آپ کتاب پڑھیں۔ اس عرصہ میں باربر ان کے بال بنا چکا۔ ہم دونوں پھر شاپ کے اندر گئے۔ میں نے ایک بروچ اور چند سیفٹی پنیں خریدیں۔ چند پوسٹ کارڈ لیے جس پر چائینہ اسٹیمر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ پھر ہم دونوں واپس آئے۔ میں نے ان پوسٹ کارڈوں پر خط لکھ کر سب بچوں کو حیدرآباد دکن روانہ کر دیے۔ خط لکھ کر جہاز میں ہی ڈال دیے جاتے ہیں۔ جب جہاز پورٹ سعید پہنچتا ہے تو وہاں سے ڈاک روانہ ہوجاتی ہے۔ بہرحال میں نے کارڈ لکھ کر پوسٹ کر دیے۔ اس عرصہ میں نواب صاحب بھی تشریف لے آئے۔ ہم دونوں نے نماز عصر ادا کی پھر اوپر ڈک پر آئے۔ سمندر کی سیر کرتے رہے۔ آج پیانو ڈک پر منگوایا گیا ہے۔

مسز وب: ''آج بعد ڈنر کے ناچ ہوگا تم بھی دیکھنا۔''

میں: ''ضرور دیکھوں گی۔''

جہاز پر ناچ:

ڈنر کے بعد ہم دونوں کیابن میں آئے۔ نماز عشاء ادا کی۔ پھر ڈک پر گئے۔ میں لیڈیز

کے پاس بیٹھ گئی۔ نواب صاحب لوگوں کے ہمراہ ٹہلنے لگے۔ میوزک شروع ہوگیا۔ نواب صاحب فرمانے لگے: ''میں تو کیابن میں جاتا ہوں، وظیفہ وغیرہ پڑھنا ہے۔'' میں نے کہا کہ آپ جایئے، میں ناچ دیکھ کر آؤں گی۔ یہ کہہ کر میں مسز شین کے پاس بیٹھ گئی۔ صاحب لوگوں نے آ کر میم لوگوں سے پوچھنا شروع کیا: ''آپ ہمارے ساتھ ناچیں گی۔'' اکثر میموں نے انکار کیا اور اکثر ناچنے کو تیار ہوگئیں۔ ناچ شروع ہوا۔ پیانو ایک اسٹورڈ نے بجایا جس کو سب نے پسند کیا۔ کئی طرح کا ناچ ہوا۔ میں نے اس سے قبل انگلش ناچ نہ دیکھا تھا۔ یہ پہلا ہی روز تھا۔ خوب دیکھنے میں آیا۔ میرے پاس مسز شین بیٹھی رہیں۔ یہ بہت چاہتی ہیں کہ وہ بھی کسی کے ساتھ ناچیں۔ مجھ کو ان کی خواہش پر سخت حیرت ہوئی اور تعجب ہوا کہ قریب ساٹھ برس کے ان کا سن وسال ہے۔ خود انھوں نے مجھے بتایا ہے کہ ''ساٹھ برس کی ہوں'' اس عمر پر یہ شوق کہ میں بھی ناچوں۔ افسوس ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ کسی صاحب نے ان سے نہیں پوچھا کہ آپ ناچیں گی، جس کا مسز شین کو بہت ہی افسوس رہا۔ بارے شکر خدا کہ یہ اودھم ساڑھے گیارہ بجے ختم ہوگیا اور میں گڈ نائٹ کہہ کر اپنے کیابن میں آئی۔ نواب صاحب نے بھی اپنا وظیفہ ابھی ختم کیا تھا۔

۲۰/نومبر ۱۹۰۹ء کو صبح ہی اٹھی۔ سی باتھ لیا۔ پھر ہم دونوں برکفاسٹ پر آئے۔ میں نے نواب صاحب سے کہا کہ ''میرا بکس آج نکلوادو۔ میں کچھ کپڑے اپنے نکالوں گی۔'' آج کا دن بھی سامان کا ہال کھلنے کا ہے۔ ہمارے صاحب نے سامان نکلوادیا۔ میں نے اپنے کچھ کپڑے نکالے اور کچھ بکس میں رکھ دیے اور بکس بند کر کے سامان کے ہال میں بھیج دیا۔

اوپر ڈک پر آن کر لیڈی واکر صاحبہ و والدہ صاحبہ، خورشید و والد صاحب قبلہ کو خط لکھنے کے بعد اپنی دوست میم صاحبان سے گفتگو کرتی رہی۔ لنچ کے بعد اپنی کیابن میں آ کر ذرا دیر لیٹ رہی۔ اس عرصہ میں نواب صاحب بھی باربر کی شاپ سے بال کٹوا کر آئے۔ غسل کیا۔ پھر ہم دونوں مل کر چائے پر گئے۔ بعد چائے نوشی ڈک پر ٹہلتے رہے۔ چند لیڈیز آ گئیں ان

سے گفتگو رہی۔ مغرب کے وقت کیابن میں آ کر نماز پڑھی۔ ڈک پر آ کر نواب صاحب تو ڈرائنگ سلون میں بیٹھ کر لکھتے رہے، میں ٹہلتی رہی۔ مسز لائل و مسز وب بھی مل گئیں۔ ڈنر میں پاؤ گھنٹہ باقی تھا۔ میں نے نواب صاحب سے کہا کہ ''آپ تیار ہو جایئے۔'' وہ کیابن میں گئے، میں بدستور ٹہلتی رہی۔ ڈنر کے بعد نماز عشاء ادا کر کے ڈک پر آئے۔ مسز وب نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، دونوں ٹہلتے رہے۔ کچھ دیر میں مسز وب اور میں ایک طرف ڈک چیئر پر بیٹھ گئے۔

میں نے پوچھا: ''میم لوگ بال کیوں کر بناتی ہیں؟''

مسز وب نے کہا: ''چلو میری کیابن میں، تم کو بتاتی ہوں۔''

مسز وب اور میں ان کی کیابن میں آئے۔ مسز وب نے اپنے بال کھول میرے سامنے بنا کر مجھ کو دکھائے۔

مسز وب نے مجھ سے کہا: ''تم بھی بال بناؤ۔''

میں نے جواب دیا: ''میرا ڈرس آپ کے ڈرس سے علیحدہ قسم کا ہے۔ مجھ کو ایسے بال خوبصورت نہ معلوم ہوں گے۔''

مگر انھوں نے نہ مانا، میرے بال بھی بنائے اور کہنے لگیں: ''چلو مس لائل کو چل کر دکھاؤ۔''

میں نے کہا: ''مس لائل کو یہیں بلا لو۔ میں باہر ایسے نہ جاؤں گی۔''

مس لائل بھی آ گئیں۔ بہت دیر تک ہنسی ہوتی رہی۔ پھر میں نے بال کھول ڈالے اور ان سے رخصت ہو کر اپنے کیابن میں آ گئی۔

۲۱ر نومبر ۱۹۰۹ء۔ حسب معمول اٹھ کر نماز فجر ادا کی۔ سی باتھ لیا، ڈریس ہو کر برکفاسٹ کھایا۔ ڈک پر آئے۔ خالہ مسعودہ کو ایک خط لکھا۔ مس اسٹوڈس آ گئیں۔ کہنے لگیں: ''اپنی ڈائری سناؤ کہ روز کیا لکھا کرتی ہو؟ میں نے مسز شین، مس اسٹوڈس کو اپنی ڈائری ترجمہ کر کے سنانا شروع کی۔ **الحمد للہ** کہ میرا ترجمہ اُردو سے انگلش میں اس قابل تھا کہ یہ لوگ سمجھ رہی

ہیں اور پسند کرتی ہیں۔ ڈائری سننے کے بعد یہ سب کھڑی ہوگئیں کہ اب گرجا کا وقت آ گیا ہے کیونکہ آج اتوار ہے۔

سب چلی گئیں مگر مسز شین میرے پاس ہی بیٹھی رہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: ''آپ نماز کو نہ جائیں گی؟''

مسز شین نے جواب دیا کہ ''نہیں میں نہیں جاؤں گی۔ میں تو آپ کے پاس بیٹھ کر بات کروں گی۔'' میرے پاس بیٹھ کر ہی انھوں نے اپنے لڑکے کو جو شملہ میں ہے، خط لکھا۔ میں ڈائری لکھتی رہی۔ مسز شین خط ختم کر کے کہنے لگیں کہ ''چلو باربر کی شاپ سے ٹکٹ خرید لائیں کیونکہ آج ایک بجے ہم لوگ ''سوئز'' پاس کریں گے۔ سب خطوط کو پوسٹ کرا دینا چاہیے۔'' میں نے بھی کہا کہ ''چلو میں بھی اپنے سب خطوط پوسٹ کر دوں۔ میں اور وہ اپنے اپنے خطوط لے کر گئے۔ ٹکٹ لگا کر پوسٹ کرتے رہے۔

سوئز کا نظارہ:

گیارہ بجے زمین سوئز نظر آنے لگی۔ کچھ صاحب لوگ تو گرجا گئے ہیں، کچھ ڈک پر بیٹھے اخبار و کتاب دیکھ رہے ہیں۔ اس عرصہ میں سوئز آ گیا۔ شہر خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ عمارتیں بھی اچھی ہیں۔ سر سبز بھی ہے۔ عدن تو بالکل خشک مقام تھا، مگر سوئز سر سبز نظر آتا ہے۔ یہاں بھی سب لوگ عرب معلوم ہوتے ہیں۔ لباس بھی عربی ہے، سب مسلمان ہیں۔ بہت سے عربوں نے اپنی اپنی کشتیاں لا کر جہاز سے باندھ دی ہیں۔ بڑی بڑی ٹوکریاں لے کر جہاز پر چڑھ آئے اور اپنا اپنا سامان کھولا۔ طرح طرح کی اشیاء لائے ہیں۔ صاحب و میم صاحبان خریدنے لگے۔ میں نے بھی تین تین عدد ہار، ایک جوڑ چوڑیوں کا، ایک کالا رومال جس پر بہت اچھی کامدانی بنی تھی، خریدا اور تھوڑی عربی بھی ان سے بولی۔ وہ سب بہت خوش ہوئے اور کہا۔ ''**انت اسلام حادہ کلھم کافر. انت طیب الحمد للّٰہ ماشاء اللّٰہ مسلمان۔**(۱۹) ہم تم کو ستا دے گا، واللہ ایمان سے دے گا۔'' دو گھنٹہ تک یہ لوگ ہر قسم کا

سامان لاتے اور دکھاتے رہے۔ بہت لوگوں نے کچھ کچھ خریدا۔ بالآخر وقت تمام ہوا اور سب نیچے اتر گئے۔ کشتیاں اپنی اپنی کھول لیں اور ''سلام علیکم '' و ''مرحبا'' ''مرحبا'' کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ یہاں سب لوگ کشتیاں لیے پھرتے ہیں۔ تیس پنس میں جہاز سے اُتار کر کنارے پر پہنچا دیتے ہیں۔ کنارے سے جہاز پر لے آتے ہیں۔

وقت ختم ہوا اور جہاز روانہ ہو گیا۔ یہاں عجیب راستہ دیکھا کہ دونوں جانب خشکی بالکل قریب ہے اور درمیان میں جہاز چل رہا ہے۔ آبادی سوئز کی بالکل قریب نظر آتی ہے اور سرسبز و شاداب دکھائی دیتا ہے۔ سامنے سے ریل جاتی ہوئی بھی نظر آتی ہے۔ جابجا چھوٹے چھوٹے اسٹیشن بھی ملتے ہیں۔ مزدور کام کرتے نظر آتے ہیں۔ ایک تجویز ہے کہ سمندر کو اور بڑا کر کے ایسا چوڑا راستہ بنا دیا جائے کہ ایک ساتھ دو جہاز ایک دم برابر چل سکیں۔ حالانکہ اس وقت ساڑھے پانچ ہو گئے ہیں، مگر مزدور لوگ برابر کام کر رہے ہیں۔ جہاز اس قدر آہستہ آہستہ چل رہا ہے کہ مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ چل رہا ہے یا ٹھہرا ہوا ہے۔ سنا ہے کہ پہلے یہ مقام بالکل خشک تھا، تمام زمین تھی، جہاز نہ جاسکتا تھا۔ مسافر یہاں سے اتر کر ریل کے ذریعہ سفر کرتے تھے۔ مگر کھود کھود کر لاکھوں روپے خرچ کر کے پانی نکالا ہے اور گہرا کر کے سمندر بنا دیا ہے اور اب جہاز آسانی سے جاسکتا ہے۔ اب بھی کام جاری ہے۔ اس مقام کا نام ''سوئز کنال'' رکھا ہے۔ بڑا لانبا راستہ ہے۔ ڈنر کا بگل ہو گیا۔ [زمین] برابر نظر آ رہی ہے۔ ہم سب میز پر آئے۔ بعد ڈنر کے کیابن میں آن کر سو رہے۔

پورٹ سعید:

۲۲ رنومبر ۱۹۰۹ء۔ ہم حسبِ دستور اُٹھے۔ لباس پہنا اور برکفاسٹ پر آئے۔ زمین ابھی تک نظر آ رہی ہے۔ یہاں سنا کہ ''پورٹ سعید'' آیا چاہتا ہے۔ ساڑھے آٹھ بجے ہم لوگ ''پورٹ سعید'' پر پہنچ گئے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ''جاؤ جلدی سے اپنا سب سامان درست کر لو، ہم یہاں اتریں گے۔''

میں جلدی سے کیابن میں آئی۔ سب سامان درست کیا۔ ایبنہ بی کو تیار کروا کر اوپر ڈک پر آئی۔ دیکھا کہ جہاز ٹھہر گیا ہے۔ یہاں بھی عرب لوگ بہت سا سامان تجارت لے کر جہاز پر آ گئے۔ مسافروں نے خریدنا شروع کیا۔ میں نے بھی دو بروچ موزک کے خریدے۔ ان سے بھی کچھ تھوڑی گفتگو عربی میں کی۔ نواب صاحب نے حسب دستور اسٹورڈ کو نصف پونڈ انعام دیا جو انگریز تھا۔ اسٹوک [کذا] کو چار روپے دیے۔ مہتر کو دو روپے دیے۔ میز پر کھانا کھلانے والے کو تین روپے دیے۔ میں نے نواب صاحب سے کہا کہ ''اگر آپ کی اجازت ہو تو میں مسز شین کے ہمراہ پورٹ سعید دیکھ آؤں۔''

نواب صاحب سے اجازت لے کر میں نے اپنا کلوک پہنا۔ منہ پر نقاب ڈالی۔ کچھ پاؤنڈ اور شلنگ لے کر مسز شین کے ہمراہ ایک کشتی میں بیٹھ کر کنارے پر آئی۔ یہاں جہاز سے اترنے کے لیے ایک سیڑھی لگا دی گئی ہے۔ اس سے اتر کر چھوٹی سی کشتی میں بیٹھ کر کنارے تک جاتے ہیں۔ وہ بڑی کشتی جو جہاز سے اتارنے کو آیا کرتی ہے یہاں نہیں آئی۔ یہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں کرایہ پر آیا کرتی ہیں جو تین پنس میں جہاز سے اتار کر کنارے پر پہنچا دیا کرتی ہیں۔ بہرحال میں اور ''مسز شین'' کنارے پر اُتر گئے۔ الحمد للہ کہ یہاں تمام لوگ مسلمان ہیں اور ترکی ٹوپیاں سروں پر نظر آتی ہیں۔ رنگ یہاں کے لوگوں کے گورے گورے ہیں، اکثر سانولے بھی ہیں۔ زیادہ تر یہاں کا لباس انگریزی ہے۔ کچھ لوگ بہت نیچا کرتا، کوٹ اور ترکی ٹوپی بھی پہنتے ہیں۔ تمام باشندے انگریزی اور عربی بولتے ہیں۔ انگریزی تتلا تتلا کر بولتے ہیں، اُردو بالکل نہیں جانتے۔ فرنچ انگریزی سے زیادہ اچھی بولتے ہیں۔ یہودی قوم بھی یہاں آباد ہے۔ جو بات مجھے دل سے پسند آئی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں اسلام کی بہت قدر ہے، مسلمانوں کی نہایت عزت ہے۔ مسز شین نے مجھ سے کہا کہ ''یہ عرب لوگ بہت دلیر اور بے باک ہوتے ہیں۔ انگریز لوگ یہاں بہت کم ہیں۔ مجھے شہر میں جاتے خوف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ ستائیں۔''

میں نے کہا: ''نہیں آپ چلیے، میں مسلمان آپ کے ہمراہ ہوں۔''

میم صاحب اور میں جس وقت شہر کے پھاٹک پر پہنچیں وہاں چند پولیس کے آدمی ملے، جنھوں نے مجھ کو دیکھ کر سلام کیا اور پوچھا: ''آپ ترکی اور مسلمان ہیں؟'' میں نے سلام کا جواب دے کر کہا ''**الحمد للّٰہ** کہ میں مسلمان ہوں۔'' یہ سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے اور کہا، ''مرحبا، یہاں کیسے آئی ہیں؟'' میں نے کہا کہ ''زیارت مکّہ کے واسطے۔'' انھوں نے کہا ''**اللھم صل علی**'' مسز شین نے پوچھا کہ ''یہ لوگ کیا بولتا ہے؟'' میں نے کہا: ''پوچھتا ہے کہاں سے آئی ہو؟ کہاں جاؤ گی؟''

الغرض ان میں سے ایک آدمی ہمارے ساتھ ہو گیا کہ ''ہم تم کو راستہ بتا دے گا۔'' میں نے مسز شین سے کہا کہ ''اس کو ہمراہ رہنے دو، اچھا ہے راستہ بتا دے گا۔'' ہم دونوں مع اپنے ہمراہی کے اوّل ''کوک'' کے یہاں آئیں۔(۲۰) یہاں ٹکٹ وغیرہ ملتے ہیں۔مسز شین نے کہا کہ ''تمھارے صاحب نے ''کوک'' کے یہاں آنے کا وعدہ کیا ہے، کچھ دیر اس جگہ ٹھہرنا چاہیے۔ وہ آجائیں تو پھر شہر چلیں۔'' میں نے کہا۔ ''اچھا۔''

اس عرصہ میں نواب صاحب بھی تشریف لے آئے اور مجھ سے کہا کہ ''تم میم صاحب کے ہمراہ جاؤ، مگر چار بجے تک واپس آجانا۔ دوسرے جہاز پر جانا ہوگا۔''

نواب: اوّل پی۔اینڈ۔او۔ پر چلیں گے، وہاں لنچ کھا کر پھر دوسرے جہاز پر جائیں گے۔ میں نے کہا: ''دو بجے تک میں انشاءاللہ جہاز پر آجاؤں گی۔''

یہ کہہ کر مع مسز شین و ہمراہی کے شہر میں آئی۔راستہ میں مسز شین بہت ڈریں اور کہا کہ ''اس آدمی کو کہہ دو کہ تم جاؤ ہم خود اپنا کام کر لیں گے۔''

مگر اس نے کہا کہ ''نہیں آپ ہم کو ہمراہ چلنے دو، میں آپ کا کام کروں گا۔''

میں نے کہا: ''آپ ڈریے نہیں اس کو چلنے دیجیے۔ ہم کام لینے کے بعد اس کو انعام دے دیں گے۔''

ہم دونوں ایک دوکان میں آئے۔ مسز شین بار بار اس سے پوچھتی تھیں کہ ’’تم ہم کو کہاں لے جا رہا ہے؟ ایسی جگہ لے چلو جہاں میم و صاحب لوگ ہوں۔‘‘

مجھ کو ان کی ایسی باتوں پر ہنسی آتی ہے۔ ان سے میں نے کہا کہ ’’دیکھیے اس دوکان میں بہت سے انگلش لوگ ہیں، اب آپ بے فکر رہیے۔‘‘

میں و مسز شین دوکان میں آئیں۔ یہ دوکان ’’گریک‘‘ کی ہے۔ یہ لوگ انگلش، عربی، فرنچ بولتے ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر عربی میں ’مرحبا‘‘ کہا اور میم صاحب سے انگلش میں باتیں کیں۔ ہم دونوں کو کرسیاں دیں۔ بہت سامان لا کر ہمارے سامنے ڈال دیا۔ میں نے ایک جاکٹ، ایک بلاؤز، ایک کوٹ، ایک گرم تر کی کرتا، دو جوڑ گرم اسٹاکنگ، ایک شوز خریدا۔ ساڑھی کے لیے یہاں گرم کپڑا عمدہ نہیں ملا۔ یہ سب سامان پیک کروا کے اُسی دوکان میں چھوڑ دیا کہ ’’واپسی کے وقت ہمراہ لے لیں گے، ابھی دوسری دوکان میں جاتے ہیں۔‘‘

اب ہم ایک ڈاکٹر کی دوکان میں آئیں۔ مسز شین نے ایک دوا جلاب کی لی۔ یہاں سے ایک میوہ فروش کی دوکان میں آئیں۔ یہاں ایک میوہ دیکھا۔ اس کو توڑا تو اندر سے کچّا نکلا۔ میں نے چکھا تو مجھ کو پسند نہ آیا۔ پھر میں نے اور مسز شین نے ’’کھجوریں‘ خریدیں اور یہاں سے ہم چل دیے۔ ایک اور بڑی دوکان میں آئے۔ یہاں دو مصری خواتین زیور وغیرہ پہنے ملیں۔ ان کا برقعہ عجیب طرح کا ہے۔ ایک سنہری گول گول ناک، ناک کے پاس لگی ہوئی اور آنکھیں بالکل کھلی ہیں۔ نیچے کا حصہ منہ کا بالکل ڈھکا ہوا ہے۔ کرتا نیچا آبی رنگ کا فرل وغیرہ لگی ہوئی۔ ہاتھوں میں مہندی لگی ہے۔ سونے کی چوڑیاں پہنے ہیں۔ یہ کچھ کپڑا خریدتی ہیں۔ انھوں نے مجھ کو اور میں نے ان کو دیکھا کہ کس طرح کا لباس ہے کرتا ان کا اس قدر نیچا ہے کہ پائجامہ ان کا مجھ کو نظر نہیں آیا۔ کنپٹیوں کے پاس سے ان کے بال گھونگریالے نظر آتے ہیں۔ ان خواتین نے مجھ کو خوب غور سے دیکھا۔ ان کو میرے مسلمان ہونے کا خیال ہوا۔ ایک بی بی میرے پاس آئیں اور دریافت کیا: ’’آپ مسلمان ہیں؟‘‘ میں نے کہا ’’جی ہاں۔‘‘

تب اس نے میرا ہاتھ لے کر چوما اور کہا: ''**انت عرف عربی۔**''(۲۱)

میں نے کہا: ''**لاانا عرف شوی شوی انا عرف هندی۔**''

اس نے کہا: ''**زیں انت اجلس ایلا عندی۔**''

میں اس کے قریب بیٹھ گئی۔ اس بی بی کے پاؤں پر گوندا گدا ہوا ہے۔ یہ رسم گدوانے کی ہمارے حیدرآباد میں ہندوؤں کی ہے۔ میں نے ان بی بی سے پوچھا: ''**عیـــش حـادہ**'' انھوں نے کہا، ''**حـادہ شـوف طیـب ۔**'' باقی باتیں میری سمجھ میں نہ آئیں۔ اتنا سمجھا کہ یہ لوگ اس گدوانے کو خوبصورتی سمجھ کر ہاتھ منہ پر گدواتے ہیں۔ افسوس بہت سی باتیں جو قابل پوچھنے کے تھیں، میں نہ پوچھ سکی کیونکہ میری ان کی زبان جُدا جُدا تھی۔ مسز شین بھی ان بیبیوں کو حیرت سے دیکھتی رہیں۔ ان بی بی نے مسز شین سے کہا ''**انت تطال کنیز تطال۔**'' مگر وہ نہ سمجھیں، پھر میں نے ایک بلٹ اور ساڑھی کا گرم کپڑا خریدا اور ان بی بی سے رخصت ہو کر روانہ ہوئی۔ پہلی شاپ پر آن کر اپنا سامان ہمراہ لیا۔ ایک پاؤنڈ اس دوکان والے کو اور دینا تھا، مگر ہمارے سب پاؤنڈ خرچ ہو گئے تھے۔ اس دوکاندار نے ایک لڑکا میرے ساتھ کر دیا کہ ''اس کو ساتھ لے جاؤ پاؤنڈ دے دینا۔''

پھر اسی جہاز پر:

ہم دونوں ساڑھے بارہ بجے اپنے جہاز کی طرف چلے۔ بھوک لگ رہی ہے۔ پولیس مین جو ہمارے ہمراہ تھا، اس نے تمام سامان جو خریدا تھا، اُٹھا لیا اور ہمارے ساتھ کنارے تک آیا۔ میں نے اس کو ایک شلنگ دیا، وہ بہت خوش ہو گیا۔ میم صاحب سے بھی اس نے انعام مانگا۔ انھوں نے کہا کہ ''اوتم کو بی بی نے بہت دے دیا ہے اب بس چلا جاؤ، مگر وہ کھڑا رہا۔'' جب میں کشتی پر سوار ہونے لگی، اس نے میرا ہاتھ تھاما اور سوار کرایا۔ پھر سلام کر کے چلا گیا۔ جہاز پر آن کر مسز شین میرے ہمراہ میرے کیابن میں آئیں۔ یہاں ہم دونوں نے سامان کھولا کیونکہ میرا ان کا سب ایک جگہ بندھا تھا، اپنا انھوں نے لے لیا، میرا مجھ کو دے دیا۔ سب

عدد شمار کر کے ایک پونڈ جو باقی تھا اس لڑکے کو جو ہمراہ آیا تھا دے دیا۔ مسز شین کا سامان امینہ بی کے ہاتھ مسز شین کے کیابن میں بھیج دیا۔ نواب صاحب بھی تشریف لے آئے۔ جلدی جلدی اپنا سامان درست کر کے کھانے کی میز پر آئے۔ بعد فراغت لنچ نواب صاحب نے اپنا سامان ''کوک'' کے نوکر کو سپرد کر دیا۔ اس نے سب کشتی میں پہنچا دیا۔ اب میں اور میرے صاحب ڈک پر آئے کہ سب سے مل لیں۔ میں سب سے ملی، جن لوگوں سے ملاقات ہوگئی تھی۔ اس وقت سب میم صاحبان جو میری دوست ہوگئی تھیں، اس چند روزہ میل جول کے باعث میری جُدائی پر افسوس ظاہر کرنے لگیں اور نہایت محبت سے ہاتھ ملایا۔ یہاں اس وقت ایک بازی گر تماشہ کر رہا ہے اور سب محو تماشہ ہیں۔ میں نے بھی کوئی تین منٹ یہ تماشہ دیکھا اور جلدی سے اتر آئی۔ راستہ میں نواب بھی آ ملے اور اب ہم کشتی میں سوار ہوئے۔ نواب صاحب کنارے پر اُترے اور کوک کے یہاں گئے۔ میں کشتی میں ہی بیٹھی رہی۔ صاحب کو گئے دیر ہوگئی، میں بیٹھے بیٹھے تھک گئی اور کنارے پر اُتر کر ٹہلنے لگی۔ اتنے میں دو مسلمان مرد آ گئے اور اُردو میں بات کی۔ جب سے بمبئی چھوڑی تھی، پہلا دن ہے کہ آج اُردو میں بات سنی ہے۔ خوش ہو کر ان سے دریافت کیا کہ ''آپ کہاں سے آئے ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا کہ ''پنجاب کے رہنے والے ہیں، یہاں تلاشِ معاش میں آئے ہیں۔'' پھر چند عرب بھی آ گئے۔ میں نے ان سے عربی میں بات چیت کی۔ نواب صاحب تشریف لے آئے اور ہم دونوں مع امینہ بی کشتی میں سوار ہو گئے۔

بیت المقدس جانے والے جہاز پر:(۲۲)

ہم دوسرے جہاز پر جو جافہ اور حیفا و بیت المقدس کو جاتا ہے، اس پر سوار ہو گئے۔ ''المفی سیہٹر'' اس کا نام ہے۔ چھ بجے یہ جہاز روانہ ہوا مگر یہ جرمن جہاز (۲۳) اس قدر میلا ہے کہ میرا دل خراب ہو گیا۔ کیابن اگرچہ بڑی چار پلنگ کی ہے، مگر مجھ کو پسند نہیں آئی۔ یہاں سات بجے ڈنر کا وقت ہے۔ ہم دونوں سات بجے ڈنر پر آئے۔ چند پادری اور افسر جہاز کے یہاں ہیں۔

ڈنر پر صرف ایک قسم کی کٹلس ملی جو نہایت بدمزہ ہے۔ پڈنگ وغیرہ سب ندارد، البتہ نارنگیاں ملیں۔ مجھ سے تو یہ جرمن کھانا کھایا نہ گیا۔''سلات'' جو آئی تو پالک کی پتّی کی۔ وہ بھی بدمزہ۔ کھانے کے بعد میں اور نواب صاحب ڈک پر آئے۔ یہاں ایک کمرہ ہے جس میں بید کی بُنی ہوئی صرف دو کاؤچ ہیں جو نہایت تکلیف دہ ہیں۔ اس کمرہ کے باہر بھی بہت میلہ ہے۔ غریب عرب و ترک باہر آسمان کے نیچے پڑے ہوئے ہیں، کچھ عرب میوہ فروخت کرتے ہیں۔ یہ تھرڈ کلاس کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے خوب یہاں سب کو دیکھا۔ میں اور نواب صاحب جو سب سے اوپر ڈک ہے، وہاں آئے اور ٹہلتے رہے۔ یہاں بہت سی ڈک چیئرز رکھی ہیں مگر سب میلی اور بھیگی ہوئی۔ یہاں سب آفیسر او رلوگ جرمن بولتے ہیں جو میری سمجھ میں ذرا بھی نہیں آتی۔ غسل خانہ زنانہ و مردانہ ایک ہی ہے۔ یہ بھی مجھ کو پسند نہیں۔ اب ہم اپنی کیابن میں آ گئے۔

آج **۲۳؍نومبر ۱۹۰۹**ء ہے۔ اس وقت صبح کے ۶ بجے ہیں۔ ہم نے نماز صبح ادا کی اور ڈریس ہو کر چاء پر آئے۔ چاء بھی بہت خراب ملی۔ میں نے صرف دودھ پیا اور روکھا توس کھایا کیونکہ مکھن نہیں ملا۔ ۷ بجے جافہ نام [کی] ایک آبادی آ گئی۔(۲۴) جہاز ٹھہر گیا۔ گھنٹہ بھر ٹھہر کر پھر روانہ ہوا۔ میں سب سے اوپر کی ڈک پر آئی۔ ایک خشک کرسی دیکھ کر بیٹھ گئی اور ڈائری لکھنے لگی۔ نواب صاحب بھی تشریف لے آئے۔ باتیں کرتے رہے کہ جافہ جس کو عرب کافہ کہتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ کل صبح پہنچیں گے۔ وہاں اُتر کر موزک نام ایک مقام ہے اُس کو دیکھنے چلیں گے۔''نظرت'' اور''طبریہ'' بھی چلیں گے۔

اس عرصہ میں معلوم ہوا کہ یہاں دن کا کھانا گیارہ بجے ہوتا ہے۔ میں اٹھ کر اسی ڈرائنگ روم میں جہاں بید کی کاؤچ رکھی تھیں، آ گئی۔

غریب تُرکن سے ملاقات:

کمرہ سے باہر آ کر دیکھا کہ غریب تُرکنیں پھر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک تُرکن میرے

پاس آئی، ترکی میں گفتگو کی۔ میری سمجھ میں ایک لفظ بھی نہ آیا، جواب کیا دوں۔ اتنے میں اُس کا بھائی بھی آموجود ہوا اور انگریزی میں پوچھا کہ ’’تم کو انگلش آتا ہے؟‘‘ میں نے کہا، ’’ہاں‘‘ تب اُس نے مجھ سے انگریزی میں باتیں کیں اور اپنی بہن کا حال بتایا کہ ’’دیکھو اس کے چہرے پر یہ نشان کیسے ہیں؟ یہ ایک اسکول میں سینا سکھاتی ہے۔ اس کو ایک دن راستہ میں چوروں نے لوٹ لیا اور منہ پر ایسا مارا کہ سارا منہ زخمی ہوگیا۔ یہ داغ اسی مار کے ہیں۔‘‘

مجھ کو یہ قصّہ سن کر افسوس ہوا۔ یہ دونوں بہن بھائی مسلمان ہیں۔ میں نے ان کو ایک شلنگ دیا، جس کو لے کر یہ بہت خوش ہوئے اور سلام کر کے چلے گئے۔ اس عرصہ میں بگل ہوا کہ ’’کھانا تیار ہے۔‘‘ ہم دونوں میز پر آئے۔ ہائے ہائے وہی بودار کھانا ملا، میں نے نہ کھایا، میرے صاحب کو بھی ناپسند ہوا۔ مگر ان کو ذرا جرمن زبان بھی آتی ہے۔ ان کو اُن افسروں نے کہہ کر وہی کھانا کھلایا۔ میں نے حکم دیا کہ ’’صرف ایک انڈا اُبال کر لا دو اور ایک توس بس۔‘‘

انڈا اور توس آیا اور نمک چھڑک کر میں نے وہی کھا لیا۔ بعد کھانے کے میں کیابن میں بیٹھ کر اپنی ڈائری لکھنے لگی۔ اس عرصہ میں شام ہوگئی۔ ۷ بجے وہی کھانا ملا۔ میں نے پھر بھی نہ کھایا، وہی ایک انڈا اور توس کھا لیا۔ ڈنر کے بعد ہم کیابن میں چلے آئے اور بفضل خدا آرام سے سو رہے۔

حافہ [حیفا] آ گیا:

آج ۲۴ر نومبر کو ہم صبح ہی اُٹھے۔ نماز فجر ادا کی اور چائے پر آئے۔ میں نے چائے نہیں پی۔ اب حافہ آ گیا اور جہاز ٹھہر گیا۔ نواب صاحب، میں اور امینہ بی جہاز سے اُتر کر کشتی میں آئے۔ سامان سب ’’کوک‘‘ کے نوکر کے سپرد کر دیا، وہ سامان بھی لے آیا۔ کشتی روانہ ہو کر کوئی ڈیڑھ گھنٹہ میں کنارے آ لگی۔ ہمارے ہمراہ جہاز کے افسر بھی کنارے پر اُترے۔ بظاہر یہ بستی خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ عرب لوگ یہاں بہت ہیں۔ رنگ ان لوگوں کے مثل یورپین کے سُرخ و سفید ہیں۔ دوسرے دینِ محمدیؐ کا نور ان لوگوں کی خوبصورتی کو اور بھی زیادہ کر دیتا

ہے۔ میں شاہراہ عام سے ہٹ کر ایک طرف کھڑی ہوگئی۔نواب صاحب نے کہا: ’’تم یہاں ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں، تب تم کو آ کر لے جاؤں گا۔‘‘

میں نے کہا: ’’اچھا میں مع سامان کے یہاں ٹھہرتی ہوں آپ ہو آیئے۔‘‘ نواب صاحب کے جانے کے بعد میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ یہاں کے آدمیوں کا لباس کوٹ پتلون وتُرکی ٹوپی ہے اور زبان عربی، جو جرمن ہیں وہ جرمنی وانگریزی بولتے ہیں مگر انگریزی بہت تتلا کر بولتے ہیں۔ کوئی پندرہ منٹ کے بعد ہمارے صاحب آ گئے اور کہا: ’’چلو میرے ہمراہ آؤ۔‘‘ یہاں سے چل کر قریب ہی ایک مکان میں آئے۔ یہ ایک جرمن آفس ہے۔ یہاں آ ن کر ٹکٹ وغیرہ کا بندوبست کیا۔ ایک عرب لڑکا کمرے میں کھڑا تھا جس سے میں نے عربی میں دو چار باتیں کیں۔ یہ بظاہر بہت خوش مزاج معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ایک کتاب لا کر مجھ کو تصویریں دکھائیں اور خوب خوب عربی میں باتیں کیں۔ مگر چونکہ مجھ کو قلیل عربی آتی ہے، بعض بات جو سمجھ میں آئی اُس کا جواب دے دیا جو نہ سمجھ سکی سن کر ہنس دی۔ پھر میں نے اس سے کہا کہ ’’میں نے بازار میں ایک نانبائی کی دوکان دیکھی ہے وہاں کباب اور گرم گرم روٹیاں تھیں، کیا تم مجھ کو چار آنے کے کباب اور روٹی لا کر دے سکتے ہو؟ اس بات کو میں نے بشکل عربی [میں] ادا کیا اور سمجھایا۔ بارے **الحمد للّٰہ** کہ وہ سمجھ گیا۔ چار آنے لے گیا اور دس منٹ میں کباب اور روٹی لے آیا۔ میں نے اپنے ٹفن باسکٹ میں اس روٹی کو رکھ لیا اور اس لڑکے کو چار آنے انعام دیا جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ اس عرصہ میں نواب صاحب انتظام سے فارغ ہوگئے۔ وہ سامان جو غیرضروری تھا، وہیں اجنٹ کے سپرد کیا۔ ایک نہایت عمدہ فٹن کرایہ کی اور ضروری سامان ہمراہ لے کر ہم دونوں سوار ہوگئے۔ ایبنہ بی کو بھی کوچبان کے پاس بٹھلا دیا اور روانہ ہوئے۔

اس وقت دن کے بارہ بجے ہیں۔ جافہ کا تمام شہر نہیں دیکھا، مگر وہاں کے قدیمی مکانات وعمارتیں نظر آتی رہیں۔ اب ہم آبادی سے باہر باہر جا رہے ہیں۔ اس فٹن میں تین گھوڑے

جُتتے ہیں۔ راستہ میں راہگیر بھی ملتے ہیں۔ کوئی اونٹ پر، کوئی گھوڑے پر، کوئی پیدل راستہ چل رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ہم لوگ چار گھنٹہ میں نظرت پہنچ جاویں گے۔ جنگل بہت سرسبز نظر آتا ہے، البتہ راستہ میں کوئیں یا جھیل بہت کم نظر آتے ہیں۔ ہم کو ایک عرب گھوڑے پر سوار ملا جو ہماری گاڑی کے ہمراہ برابر چل رہا ہے۔ یہاں کے دیہاتی عربی مرد کا لباس تو یہ ہے کہ ایک تیکونہ رنگین رومال سر پر ڈال لیا اور اوپر سے دو گول گول بٹی ہوئی چٹی سر پر رکھ لیتے ہیں۔ مگر ان کو یہ طرز بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ایک لنبا چغہ سینہ کھلا ہوا مثل ویسٹ کوٹ کے، سینہ پر سے صدری نظر آتی ہے۔ پائجامہ کے اوپر چغہ کی کمر بندھی ہوئی۔ بعض صرف لنبا کرتا ہی پہن کر کمر باندھ لیتے ہیں۔ بعض کا پائجامہ کچھ اور ہی طرح کا ہے۔ پنجابی شلوار سا ہوتا ہے۔ جن کا پائجامہ شلوار سا ہوتا ہے وہ اوپر صرف ایک صدری پہنتے ہیں اور تُرکی ٹوپی۔

عورتیں صرف ایک ڈریسنگ گون یا مثل نیچی فراک کے پہنتی ہیں۔ سر پر ایک رومال کانوں تک باندھ لیتی ہیں۔ بچّوں کو وہی فراک پہناتی ہیں۔ زبان خاص عربی بولتے ہیں۔ عیسائی تک عربی بولتے ہیں، بلکہ یہاں کے عیسائیوں کو اگر انگریزی آتی بھی ہے تو وہی توتلی زبان بولتے ہیں۔ بارہ بجے ہم ایک آبادی کے قریب پہنچ گئے جو ایک اونچے پہاڑ پر ہے اور سامنے سے نظر آتی ہے۔ یہاں تھوڑی دیر کے لیے ہم نے گاڑی رکوائی۔ ہم دونوں اُتر کر آبادی کی طرف چلے۔ پہاڑ کے اوپر سے ایک نہایت بڈھا آدمی اترتا دکھائی دیا۔ جب تک ہم آبادی کے قریب پہنچے، وہ بزرگ نواب صاحب کے پاس آ گئے اور بہت ہی خلوص کے ساتھ مصافحہ کیا۔ لباس بالکل عربی ہے، شکل بہت نورانی ہے۔ انھوں نے عربی میں نواب صاحب سے باتیں شروع کیں۔ میں نے اس قدر سمجھا کہ ''اوپر پہاڑ پر مختصر سی آبادی ہے اور ایک مشہور بزرگ کا مزار شریف ہے جس کے خاندان سے یہ بزرگ بھی ہیں اور بہت بڑے عالم اپنے وقت کے ہیں۔ میں اسی قدر سن کر کچھ آگے چلی گئی۔ جب واپس آئی تو دیکھا کہ وہ بزرگ ابھی تک نواب صاحب سے سرگرم گفتگو ہیں۔ بیس منٹ کے بعد وہ ہم دونوں سے

ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے۔ ہم واپس گاڑی میں اور روانہ ہوئے۔ بعد ایک گھنٹہ کے کنواں نظر آیا جہاں عربنیں پانی بھر رہی ہیں۔ کوچبان نے اُتر کر ہماری چھاگل میں پانی بھروالیا۔ میں نے دو آنے ان عربنوں کو دیے۔ اگرچہ ان عربنوں نے مانگا نہیں مگر میں نے اپنی خوشی سے دیا۔ یہ سب خوش ہوگئیں۔ ہمارا کوچبان بھی مسلمان عرب ہے۔ بچارا ہر مقام پر دکھاتا اور سمجھاتا جاتا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ عرب سوار ہے دو گھنٹہ قبل راستہ میں سے ہمارے ہمراہ آرہا ہے، اب بھی ساتھ ہے۔ کنوئیں پر یہ بھی ٹھہرا اور گھوڑے کو پانی پلایا۔ اب پھر ہمارے ساتھ روانہ ہوا۔ بعد آدھے گھنٹہ کے ہماری گاڑی کو کوچ مین نے ایک اور کنوئیں کے پاس روکا کہ میں کچھ کھاؤں گا۔ یہاں بھی چند عربنیں کھڑی ہیں۔ اس کنوئیں کا پانی میلا میلا سا نکل رہا ہے۔ یہ عربنیں اپنے گدھوں اور گایوں کو پانی پلا رہی ہیں اور دانہ کھلاتی ہیں۔ ہمارے کوچ مین نے بھی گھوڑے کو کھولا اور دانہ پانی کھلایا پلایا۔ میں نے بھی ٹفن باسکٹ کھول کر کھانا نکالا، جو بسکٹ اور بادام کی مٹھائی ہے اور وہ روٹی جو جافہ میں لی تھی۔ میں نے اور نواب صاحب نے یہی کھائی، امینہ بی کو بھی دی۔ جو روٹی اور کباب بچ گئے وہ کوچ مین کو دے دیے۔ مگر دیکھا کہ وہ عرب سوار بھی بدستور کھڑا ہے۔ اس کو میں نے بادام کی مٹھائی نکال کر دی۔ یہ مٹھائی بھابی امّاں صاحبہ نے حیدرآباد سے میرے ساتھ کر دی تھی جو جہاز میں تو کام نہ آئی مگر یہاں راستہ میں کام آرہی ہے۔ اس عرب سوار نے بہت خوشی سے ''اشکر کم'' (۲۵) کہہ کر وہ مٹھائی کھائی پھر کہا کہ ''کتیرہ طیب حادہ'' پھر کہا ''عیش کبت نہا'' میں نے کہا ''انابسیر مکہ و مدینہ بعد من نہا۔''

اس کے بعد کچھ بسکٹ اور مٹھائی میں نے عربنوں کو بھی دی جو سب نے خوش ہو کر کھائی اور سلام کیے۔ عرب سوار نے اس مٹھائی کے بدلے ایک سگرٹ صاحب کو اور ایک مجھ کو دیا کہ ''اشرب''۔ ہم نے کہا: ''انا ما اشرب'' اور معافی چاہی۔ نواب صاحب نے اپنے ہمراہ ایک سگرٹ کا بکس رکھ لیا تھا احتیاطاً کہ کسی کو دے دیا کریں گے، ورنہ وہ تو سگرٹ کبھی نہیں

پیتے۔ میں نے اُس میں سے چند سگرٹ نکال کر اس عرب سوار کو دیے کہ ’’انت اشرب حارہ سگرٹ هندی۔‘‘ اس نے سلام کر کے خوشی سے لے لیے۔

حضرت عیسیٰؑ کی جائے پیدائش:

ہماری گاڑی تیار ہوگئی اور یہاں سے بھی روانہ ہوئے۔ راستہ میں گاہے گاہے مکانات دکھائی دیتے ہیں۔ جبل موسیٰ ایک پہاڑ ہے یہاں، کہتے ہیں کہ یہ پہاڑ صرف جبل موسیٰؑ کے نام سے مشہور ہے وہ جبل موسیٰ نہیں جس کو طور سینا کہتے ہیں۔ وہ مکّہ معظّمہ کے راستہ میں مصر سے جاتے میں سنا ہے کہ ملے گا۔ ہم نے حضرت سیدنا موسیٰؑ کا نام سن کر فاتحہ حضرت سیدنا موسیٰؑ کے نام سے پڑھی۔ بعد گزرنے جبل موسیٰ کے آبادی پھر نظر آنے لگی۔ مکانات اور گرجا بھی نظر آئے۔ یہ آبادی نظرت کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقام حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا ہے اور حضرت بی بی مریمؑ یہاں ہی رہی ہیں۔ (۲۶) جائے عبادت اُن کی یہاں ہی ہے، اسی وجہ سے عیسائیوں نے یہاں کا رہنا پسند کیا ہے۔ نہایت عمدہ عمدہ گرجے بنائے ہیں۔ نہایت اعتقاد سے اس جگہ عیسائی رہتے ہیں، مگر مسلمان بکثرت یہاں تجارت کرتے ہیں۔ عیسائی اپنے اپنے مقام پر ہی رہتے ہیں بلکہ اکثر عیسائی شہر میں نکلتے گھبراتے ہیں کیونکہ عرب بہت ہیں۔ اگرچہ عرب کبھی عیسائی قوم کو نہیں ستاتے، لیکن عیسائی عربوں سے ڈرتے ہیں۔

شہر نظرت میں:

اب ہم شہر نظرت میں پہنچ گئے۔ ایک جرمن ہوٹل کے دروازہ پر فٹن رُک گئی۔ دروازہ پر ایک نوجوان عرب لڑکا کھڑا تھا۔ بعد سلام کے اُس نے ہمارا اسباب اتارنا شروع کیا۔ اس عرصہ میں مالک ہوٹل جو جرمن ہے مگر انگریزی بولتا ہے، آیا۔ ہم کو مع سامان ہوٹل میں لے گیا۔ یہ ہوٹل نہایت خوبصورت اور بہت صاف ہے۔ ہم کو جو کمرہ ملا ہے بہت ہی عمدہ فرنیچر سے مزیّن ہے۔ بستر بہت سفید وصاف ہے۔ ٹھیک تین بجے ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ میں نے اور

نواب صاحب نے اوّل منہ ہاتھ دھویا، وضو کیا، کپڑے بدلے اور نماز ظہر ادا کی۔ امینہ بی کو بھی ایک کمرہ دلوا دیا۔ سب سامان بھی وہیں رکھا۔ ہم دونوں نے چائے پی اور شام کے کھانے کا حکم دیا۔ امینہ بی کو سامان کے پاس چھوڑ کر نظرت کی آبادی اور مشہور مقامات کے دیکھنے کو چھتریاں ہاتھ میں لے کر ہوٹل سے باہر آئے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ اس جگہ مشن اسکول بہت ہیں۔ بچوں کو تعلیم انگریزی، جرمن اور فرنچ زبان کی خوب دی جاتی ہے۔ میں نے راستہ میں چھوٹے چھوٹے بچّوں کو علاوہ ان ہر سہ زبان کے عربی بولتے خوب سنا۔ مجھ کو اپنے حال پر افسوس آیا کہ عیسائی تک عربی بولتے ہیں اور میں مسلمان ہوں مگر عربی جو کہ مشہور ہے ''لسان محمدؐ لسان عربی ''نہیں بول سکتی۔ بعض عیسائی تو سوائے عربی کے مطلق انگریزی بولنا نہیں جانتے۔

حضرت بی بی مریمؑ کا مقام عبادت:

ہم شہر نظرت کو دیکھتے بھالتے حضرت بی بی مریمؑ کے مقام عبادت پر پہنچے۔(۲۷) روحِ حضرت عیسیٰؑ روح اللہ یہاں ہی آپ کے شکم میں آئی۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ یہ عمارت بہت برسوں کی قدیمی ہے۔ باہر سے پھاٹک بڑا بنا لیا ہے۔ احاطہ اور کچھ عمارت بھی نئی بنا لی ہے۔ اندر وہی قدیم نمونہ موجود ہے۔ ہم دروازے کے اندر داخل ہوئے تو ایک پادری جو باپ کے نام سے مشہور ہوتے ہیں، سب فادر کہتے ہیں اور تارک الدنیا ہوتے ہیں، اندر ٹاٹ کا کرتہ، اوپر سے بھورے رنگ کی بانات کا گون پاؤں تک لمبا، گول چپکی ہوئی ٹوپی، ایک سفید سوُت کی بٹی ہوئی رسّی کمر سے بندھی، ایک تسبیح لٹکتی، بڑی بڑی مونچھیں، داڑھی لمبی، سر کے بال کترے ہوئے، موٹے تازے سُرخ و سفید سامنے آئے۔ بہت خوش مزاجی سے ہاتھ ملایا۔ یہ بعض فادر اور بعض برادر کے نام سے پکارے جاتے ہیں، کیا جوان کیا بڈّھے۔ جب ان کا دل تارک الدنیا ہونے کو چاہتا ہے تو دنیا چھوڑ کر برادر و فادر کے نام سے مشہور ہوجاتے ہیں۔ ہمیں ساتھ لے کر یہ فادر ایک دروازے کے قریب آئے۔ کنجی لگا کر دروازہ کھولا۔ مع ہمارے

اندر داخل ہوئے۔ یہ ایک خوبصورت بڑا کمرہ ہے اور بکثرت تصاویر حضرت عیسیٰؑ وحضرت بی بی مریمؑ بڑے بڑے مشہور فادروں، برادروں، بشپ و پوپ وغیرہ کی ہیں۔حضرت جبرئیلؑ کی بھی تصویر ہے۔ میں بلامبالغہ کہتی ہوں کہ تصاویر دراصل نایاب ہیں۔اس زمانہ میں ایسا باریک وخوبصورت کام ابھی تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ یہ تصاویر قابل دید ہیں۔ ہمارے مذہب اسلام کے موافق حضرت جبرئیلؑ کی تصویر کا ملنا مشکل بلکہ ناممکن ہے،مگر یہاں اس سے بحث نہیں، میرا مطلب تو ان کی صنّاعی وخوبصورتی سے ہے۔ جہاں جہاں زمین ہموار ہے وہاں وہاں سنگ مرمر لگا لیا ہے۔باقی مقامات بالکل قدیمی حالت دکھا رہے ہیں۔ یہ ایک پہاڑ ہے اور اندر سے گھوم کر تین حجرے سے بنے ہیں۔اوپر ہوا کے واسطے ایک پہاڑ ٹوٹ کر قدرتی روشن دان سا بنا ہے۔عجب اثر اس مقام پر قلب پر ہو رہا ہے۔ دو ایک برتن قدیمی نمونہ کے بنے ہوئے پڑے ہیں۔ یہ پہاڑ گویا تین حجروں کی صورت بنا ہے۔معلوم ہوا کہ ایک حجرہ خاص عبادت گاہ تھا، دوسرا کھانا پکانے کا، تیسرے میں آپ بیٹھا کرتی تھیں۔ہم دونوں نے یہاں بنام حضرت عیسی علیہ السلام وحضرت بی بی مریم علیہا السلام فاتحہ پڑھی اور اس عجیب عمارت کو دیکھتے رہے۔

عبادت خانہ کے قریب بُت خانہ:

پھر فادر کے ساتھ ہم دوسرے حجرے میں گئے۔ یہاں ان بتوں اور پتھروں کی تصاویر کو دیکھا، جن کو زمانہ قدیم میں پوجتے تھے۔ یہ مقام مع ان تصاویر اور بتوں کے زمین کھود کر نکالا ہے۔اس کمرے کی چھت اور دیواروں پر اعلیٰ درجہ کا کام بنا ہے۔مورتیں دراصل قابل دید ہیں۔اللہ ری بناوٹ، ایسا تراشا ہے کہ لباس کی سلوٹیں تک ترشی ہوئی ہیں۔لباس جو بتوں کے جسم پر دکھایا گیا ہے وہ یا تو مثل چادر کے ہے یا ساڑھی کی طرح کا ہے۔بعض بت بالکل برہنہ ہیں۔مگر اللہ اکبر صنعت کاری و بناوٹ، یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب بولیں گے۔قدیمی برتن کچھ استعمال کیے ہوئے نکلے ہیں رکھے ہیں۔ان چیزوں کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی میز:

جب ان بتوں کو اور سامان کو اچھی طرح دیکھ لیا تو فادر ہم کو اور عمارت دکھانے کو لے چلے۔ یہاں بھی ہم نے وہی عمدہ عمدہ تصاویر اور ایک بہت بڑی چٹان مثل پہاڑ کے ٹکڑے کے رکھی ہوئی دیکھی۔ اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میز کہتے ہیں۔ سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع اپنے بارہ حواریوں کے اس پر کھانا کھایا کرتے تھے۔ **واللہ اعلم**۔ اس چٹان پر ایک چادر ڈال دی ہے۔ مقابل پر ایک بہت بڑی تصویر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع ان کے بارہ حواریوں کے لگا رکھی ہے۔ یہاں کی اندر کی تمام عمارت پہاڑ کی بنی ہے۔ عمارت کیا پہاڑ کی کھو کہنا چاہیے۔ روشنی یہاں خوب کی جاتی ہے۔ یہ تمام مقامات مثل تبرّک کے ہیں۔ ہمارے عیسائی اچھا کرتے ہیں جو ان مقامات کی حفاظت کرتے ہیں۔ اب ہم دونوں باہر نکل آئے اور ایک تیسری طرف فادر لے چلے۔ یہاں آن کر دیکھا کہ تمام گڈھے کھدے ہیں اور ابھی کھد رہے ہیں۔ ان گڈھوں کو اندر سے دیکھا تو تمام قدیمی مکانات بنے ہیں جو سب پختہ ہیں۔ سنا ہے کسی زمانہ میں اُلٹ گئے تھے۔ اب یہ لوگ تاریخوں سے پتہ چلا کر کھود کھود کر نکال رہے ہیں۔ چونکہ شام ہو چلی ہے، وقت نماز مغرب کا قریب ہے اس لیے ہم دونوں فادر سے رخصت ہوئے۔ انھوں نے ہم سے ہندوستان کے ٹکٹ مانگے افسوس کہ اس وقت ہمارے پاس نہ تھے۔ وعدہ کیا کہ ''آپ کو ہم بھیج دیں گے۔'' یہاں سے روانہ ہو کر شہر کی آبادی دیکھتے ہوئے ایک مسجد میں آئے، نماز مغرب ادا کی۔ بعد ادائے نماز اپنے ہوٹل میں آئے، کھانا تیار تھا۔ دونوں میز پر آئے۔ مالک ہوٹل کی بیوی نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا تھا، اس لیے بہت اچھا تھا۔ سیر ہو کر کھایا۔ بعد فراغت طعام اپنے کمرے میں آ گئے۔ امینہ بی کو دام دیے کہ کھانا مول لے کر کھا لو۔ رات کے نو بج گئے تھے، بعد نماز عشاء سو رہے۔

۲۱/نومبر ۱۹۰۹ء [۲۵/نومبر ۱۹۰۹ء]۔ کو صبح ہی اٹھی، نماز فجر ادا کی اور تیار ہو کر چائے پر آئی۔ چائے پر توس مکھن اور شہد ملا۔ اچھی طرح کھایا۔ بعد فراغت ہم دونوں باہر سیر کو نکلے۔

آج بھی بہت قدیمی چیزیں دیکھیں۔(۲۸) یہاں زیتون کی لکڑی کا عمدہ عمدہ سامان تھا۔ میں ایک دُکان پر ٹھہر گئی اور سامان دیکھنے لگی۔نواب صاحب نے کہا کہ ''ابھی اور دیکھو، جہاں سب سے عمدہ ملے گا وہاں سے لیں گے۔'' میں نے کہا ''اچھا۔'' یہاں سے چلے تو راستہ میں دوعورتوں نے کچھ گلوبند اور کالر ہاتھ کے بنائے ہوئے دکھلائے۔ یہ مجھ کو پسند آئے اور ان میں سے دو کالر و گلو بند نو فرانک میں خرید لیے اور ہوٹل میں واپس آئے۔

طبریہ کو ہماری روانگی:

اب گیارہ بج چکے ہیں۔ میں منہ ہاتھ دھو کر ڈرائنگ روم میں آئی، کھانا کھایا اور کمرے میں آن کر سب سامان تیار کیا۔ امینہ بی سے کہا کہ ''چلو گاڑی لگواؤ، یہاں سے طبریہ جانا ہوگا۔ یہ گاڑی ہماری وہی ہے جس پر [حیفا] سے آئے تھے۔ ہوٹل کا بل بے باق کیا اور سوار ہوگئے۔کوچ مین کو طبریہ چلنے کا حکم دیا۔طبریہ نظرت سے چار گھنٹہ کا راستہ ہے۔ راستہ میں اُتر اُتر کر تین اور قدیمی عمارات دیکھیں۔ آخری عمارت دیکھ کر میں تو باہر نکل آئی۔نواب صاحب ابھی اندر ہی تھے کہ یہاں مجھ کو ایک عیسائی بی بی ملیں، ان کو سوائے عربی کے انگریزی بالکل نہیں آتی۔ میں نے کچھ کچھ ان کی عربی سمجھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''یہاں سے میرا مکان قریب ہے، وہاں چل کر کچھ مجھ سے خریدو۔''

میں اس کا مطلب سمجھ کر اس کے ہمراہ ہوگئی۔ یہیں قریب اس کی ایک کوٹھری ہے جو بالکل بے قاعدہ حالت میں پڑی ہے۔ اس نے ایک لیڈیز کالر اپنے ہاتھ کا بنا ہوا نکال کر دیا کہ ''اس کو ایک مجیدی(۲۹) میں خرید لو۔'' میں نے کہا کہ ''ایسا میں خرید چکی ہوں، **حادہ ما بغیت**۔''(۳۰) اتنے میں نواب صاحب باہر نکل کر اور مجھ کو وہاں نہ پا کر اس کوٹھری کی طرف چلے آئے۔ مجھ کو دیکھ کر کہا کہ ''میں پریشان ہوگیا کہ تم راستہ تو نہیں بھول گئیں۔ چلو اب جلدی چلو۔''

ہم دونوں گاڑی میں سوار ہوگئے، مگر یہ بی بی گاڑی تک آئی کہ ''خیر آدھی مجیدی کو لے

لو۔'' مجھ کو کیونکہ ضرورت نہ تھی، انکار کر دیا اور روانہ ہوئے۔ یہاں سے تھوڑی دُور چل کر بجائے پختہ سڑک کے بالکل کچّی ملی۔ دو جگہ گاڑی ٹھہرا کر ہم نے نماز عصر و مغرب پڑھی اور روانہ ہوئے۔

اس وقت شب کے سات بجے ہیں۔ اب ہم طبریہ کی آبادی میں آئے، یہاں بھی ایک ہوٹل میں قیام کیا۔ سامان اتارا، ہاتھ منہ دھویا، وضو کیا۔ کپڑے پہن کر تیار ہوئے۔ یہاں کھانا ہم کو تیار ملا۔ میز پر تین مسافر اور ملے جن میں ایک یہودی اور دو جرمن تھے۔ ان جرمنوں میں ایک کو انگریزی آتی تھی۔ یہ ڈاکٹر ہے۔ یہودی کی بڑی داڑھی اور سر کے بال بھی بڑے ہیں۔ جرمن ڈاکٹر نے نواب صاحب سے انگلش میں گفتگو شروع کی۔

اثناء گفتگو میں ڈاکٹر نے مجھ کو دیکھا اور ہنس کر کہا کہ ''ہند میں تو بی بی لوگ کو بند کر کے مثل قیدی کے رکھتے ہیں۔'' یہ سن کر مجھ کو بھی ہنسی آئی، وہ بھی خوب ہنسا۔ اسی گفت وشنید میں کھانا ختم ہوا اور سب سے اوّل اٹھ کر میں چلی آئی۔ یہیں نواب صاحب بھی چلے آئے۔ **الحمد للہ** کہ یہ شب بھی بخیر وخوبی ختم ہوئی۔

آج **۲۶** /نومبر **۱۹۰۹**ء۔ کو ہم دونوں صبح ہی اٹھے، نماز فجر ادا کی۔ حسب دستور ہاتھ منہ دھو کر لباس درست کیا۔ تیار ہو کر میز پر آئے، چائے پی اور ارادہ کیا کہ یہاں سے کشتی میں بیٹھ کر ریل پر جائیں، کیونکہ جہاں سے ریل [حیفا] وغیرہ کو جاتی ہے، وہ یہاں سے دور ہے۔ درمیان میں ایک لیک ہے جس پر کشتی سے پار جایا کرتے ہیں۔(۳۱) مگر میں نے سُنا کہ آج کل پانی کم ہے، گاڑی سے بھی جا سکتے ہیں۔ تب میں نے نواب صاحب سے کہا کہ ''گاڑی سے چلو'' یہ کہہ کر مالک ہوٹل کو حکم دیا کہ ''آپ ہمارا کھانا ٹھیک گیارہ بجے تیار رکھیے۔ اس وقت ہم طبریہ کی سیر کے لیے جاتے ہیں۔'' پھر اپنی گاڑی کے ذریعہ جو ہمارے ہمراہ ہے ریل پر جائیں گے، جہاں سے ریل آیا جایا کرتی ہے۔ وہاں بھی سنا ہے کہ چھوٹی سی آبادی سمق نام ہے۔ اس کے بعد ہم طبریہ کی سیر کو نکلے۔ راستہ میں نواب صاحب ایک یہودی کے مکان پر

گئے۔اس وقت اس کے مکان میں اسکول لگا ہے۔ بہت سی لڑکیاں اور لڑکے پڑھتے ہیں۔اس کی بیوی نے ہم کو اپنی ملاقات کے کمرے میں لے جا کر بٹھایا۔اتنے عرصہ میں وہ یہودی بھی آ گیا۔یہ ایک آنکھ سے بھینگا ہے۔اس سے صاحب نے کچھ راستہ کے متعلق پوچھا، اور چلنے کے لیے تیار ہوگئے۔اٹھے مگر اس نے روکا اور کافی پلائی۔ہم واپس ہوٹل میں آئے۔مالک ہوٹل سے کہا کہ ''اب اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم کھا کر سوار ہوں۔ ہمارا کھانا باندھ دو کیونکہ ہم کو جلدی روانہ ہونا ہے۔''

جب تک وہ کھانا باندھے، میں نے دو خط ایک محمد اللہ دوسرا خورشید کے نام لکھ کر روانہ کر دیے۔نواب صاحب نے بل ہوٹل کا ادا کیا اور ہم بالکل تیار ہو کر گاڑی کے قریب آ گئے۔ اس عرصہ میں وہ یہودی بھی آ گیا اور ہماری ہی گاڑی میں سامنے کی طرف بیٹھ گیا اور روانہ ہوئے۔ادھر کا راستہ بھی بہت خراب ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا حمام:

آدھا گھنٹہ چلنے کے بعد سنا کہ ''یہاں چار حمام ہیں جن میں قدرتی گرم پانی پہاڑ سے نکل کر آتا ہے۔جن کو گٹھیا اور جوڑوں کا درد ہوتا ہے، ان کو نہلایا جاتا ہے،جن کے بدن میں پھوڑا پھنسی ہو اس کو بھی نہلاتے ہیں تو بحکم خدا شفا ہوتی ہے۔ ہفتہ دو دو ہفتہ مریض یہاں آ کر رہا کرتے ہیں۔ یہ حمام حضرت سلیمان علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام خود یہاں حمام کیا کرتے تھے۔واللہ اعلم ۔ بہرحال میں اور نواب صاحب ان حماموں کے اندر گئے۔اندر بہت عمدہ صاف حوض پانی سے بھرا ہوا ہے۔ میں نے پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو دراصل پانی گرم ہے۔ سارا ہی حمام گرم ہے۔ ان چاروں حماموں کو دیکھ کر ایک پہاڑ کے قریب آئے۔ یہاں دیکھا کہ پہاڑ میں سے گرم گرم کھولتا ہوا پانی بہہ رہا ہے، بھاپ نکل رہی ہے اور یہی پانی اُن حماموں میں جا کر حوضوں میں بھر جاتا ہے۔ میں نے ذرا اوپر جا کر جہاں پانی بہت گرم نہیں ہے، ہاتھ دھوئے اور تھوڑا پانی پی لیا

کیونکہ پانی بہت ہی صاف وشفاف ہے۔مزہ پانی کا بالکل کھاری ایسا کہ جیسے خوب نمک گھول دیتے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ہم دونوں پھر گاڑی پر آ گئے۔ وہ یہودی بھی بیٹھ گیا اور روانہ ہوئے۔

مدینہ منوّرہ کی کشتی:

راستہ میں نواب صاحب نے کہا کہ ''اگر تم پکّا ارادہ کرلو کہ ریل جس پر ہم جانا چاہتے ہیں، مدینۂ طیبہ جاتی ہو تو چلو، پہلے حضرت سردار دوعالم سرور کائناتؐ کے در دولت پر حاضر ہو لیں۔ہم کو دس روز مدینۂ طیبہ میں ٹھہرنے کا موقع ملے گا یا اوّل حج کرلیں پھر مدینۂ طیبہ میں حاضر ہوں، جیسا تم کہو؟''

میں نے عرض کیا: ''بہت اچھا۔ اگر یہ ریل سیدھی مدینۂ طیبہ کو جاتی ہے تو بحکم خدا اوّل مدینۂ طیبہ ہی کو ضرور چلو۔ مدینۂ طیبہ سے حضرت سرور کائنات کی سفارش لے کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے گھر حاضر ہوں گے یہ اور بھی عمدہ بات ہوگی۔'' غرض ہم دونوں نے یہ ارادہ کر لیا۔اس وقت ایک بج گیا ہے۔ہم سب اسٹیشن پر سمق کے آ گئے۔ جو ریل حائفہ جانے والی تھی وہ تیار کھڑی تھی جس کو دیکھ کر نواب صاحب نے فرمایا کہ ''لو ریل دیکھ لو، یہاں ایسی ریل ہوتی ہے۔'' اب ہم سب اسٹیشن پر آ گئے۔ ویٹنگ روم میں ٹھہر کر کھانا کھایا۔ بعد فراغت طعام دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ مدینہ کی ریل کل صبح ۹ بجے روانہ ہوگی۔انشاء اللّٰہ۔

مسز سقراط سے ملاقات:

یہاں کے اسٹیشن ماسٹر کا نام سقراط ہے، مگر عیسائی ہے اور بہت ہی بھلا مانس ہے۔خود بچارا ہمارے پاس آیا اور کہا کہ ''ہماری میم صاحب آپ کی بی بی صاحب سے ملنا چاہتی ہیں۔'' نواب صاحب نے کہا کہ ''اچھا کیا مضائقہ ہے۔'' سقراط صاحب کو انگلش بالکل نہیں آتی، فرنچ وعربی جانتے ہیں۔ بہرحال مسز سقراط میرے پاس آئیں اور مجھ کو اپنے بنگلہ پر جو

یہاں سے قریب ہے، لے گئیں۔ بنگلہ خوب آراستہ ہے۔ ان کی ساس اور نند بھی مجھ سے ملیں۔مسز سقراط انگریزی جانتی ہیں، وہ مجھ سے انگریزی میں باتیں کرتی رہیں۔

مسز سقراط نے کہا کہ ''صرف ایک ماہ میری شادی کو گزرا ہے۔ یہاں میرا دل اکثر گھبراتا رہتا ہے۔آج تم کو دیکھ کر میرا دل بہت چاہا کہ تم سے ملوں اور باتیں کروں۔تم سے مل کر مجھ کو بہت خوشی ہوئی۔ میری ساس نند کو صرف عربی آتی ہے۔ انگلش صرف میں نے اپنے ہی گھر میں سیکھی ہے۔مصر کی رہنے والی ہوں، میرے ماں باپ بھی وہیں رہتے ہیں۔''

مسٹر سقراط ایسے ہیں جیسے میرے بھائی مرزا حیدر جیون بیگ۔ مزاج کے بہت خلیق ہیں۔نواب صاحب سے خوب فرنچ میں باتیں کر رہے ہیں۔نواب صاحب کو بھی مسٹر سقراط اوپر لے آئے۔ بہت خاطر تواضع کی۔ انگریزی سیب لا کر رکھے۔مسز سقراط نے خود کاٹ کر ہم کو کھلائے۔ پھر کافی پلائی۔ میں نے ایک ایک حیدرآبادی روپیہ ان چاروں کو دیا۔اس سکّہ کو ان سب نے بہت پسند کیا اور خوش ہو کر لے لیا۔ پھر ایک کمرہ اور بستر ہمارے رہنے کو دیا۔ پانچ بجے ہم ان سے رخصت ہو کر اس کمرے میں آئے۔ضروریات سے فارغ ہو کر میں بیٹھی تھی کہ مسز سقراط آئیں اور کہا کہ ''چلو میں تم کو یہاں کی کچھ سیر کروا دوں۔'' میں بہت خوشی سے ان کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ ذرا دور جا کر ہم کو سمندر کی وہی لیک ملی جس میں سے ہماری گاڑی گزر کر آئی تھی۔ جہاں سے ہماری گاڑی گزری تھی وہاں پانی کم تھا، مگر پھر بھی کسی قدر پانی گاڑی کے اندر تک آ گیا تھا لیکن اس مقام پر پانی بہت جوش کھا رہا ہے۔اس لیک پر لکڑی کا چھوٹا سا پل ٹہلنے اور لیک کی ہوا کھانے کے لیے بنا ہے۔ہم دونوں اس پر ٹہلنے لگیں۔ اس عرصہ میں ان کی نند بھی آ گئیں۔ ہم تینوں ٹہلتی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔اسی طرح مغرب کا وقت ہوگیا اور ہوا بہت سرد چلنے لگی۔ہم تینوں واپس اسٹیشن پر آ گئیں۔ یہاں مسز سقراط کی ساس ملیں وہ ہم سے عربی بولتی اور سکھاتی رہیں۔ پھر یہ سب اوپر چلی گئیں اور میں نے اپنے کمرہ میں آن کر امینہ بی کو حکم دیا کہ ''تم اس وقت مرغی کا سالن اپنے ہاتھ سے

پکاؤ۔ دو مرغیاں خرید لو، ایک کا ہمارے لیے تیار کرو۔ ایک کا سالن پکا کر مسز سقراط کو دیں گے۔'' امینہ بی نے دو مرغیاں وہاں سے خریدلیں اور سالن پکایا۔ میں نے ٹھیک ان کے ڈنر کے وقت ایک ڈش ان کے پاس سے منگوا کر اس میں نکال کر بھجوا دیا۔ ان سب نے ہندوستانی سالن بہت مزے سے کھایا۔ میں اور سرکار بھی کھانے سے فارغ ہوگئے۔ سرکار عالی تو نماز وظیفہ میں مشغول ہوگئے ۔ میں نے بھی نماز عشاء ادا کی۔ مسٹر سقراط نے آ کر کہا کہ ''آپ کو مسز سقراط بلاتی ہیں اور سالن کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔'' سرکار عالی تو نماز میں مشغول رہے، میں امینہ بی کو لے کر اوپر بنگلہ میں مسز سقراط کے پاس آئی۔ یہ چاروں میرے منتظر تھے۔ خوش ہوگئے۔ کچھ دیر بات چیت رہی۔ پھر ایک ایک گیت ان تینوں لیڈیز نے گایا۔ دو نے عربی میں، ایک نے انگلش میں۔ مجھ سے بھی فرمائش کی مگر میں نے معافی چاہی کیونکہ مسٹر سقراط یہاں موجود ہیں۔ امینہ بی سے کہا کہ ''تم ایک غزل خوش آوازی سے سنا دو۔'' امینہ بی نے بڑی خوشی سے ایک نعتیہ غزل سنائی۔ ان کی آواز کچھ بہت عمدہ نہیں ہے، مگر خیر اچھی ہے۔ بہر حال یہ لوگ خوش ہوگئے۔ نو بجے شب کے ان سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں آئی۔ کیونکہ آج دن میں، میں نے حماموں کا گرم پانی پیا تھا اس وجہ سے اس وقت مجھ کو ایک بہت بڑی اجابت ہوگئی۔ سردی اس وقت یہاں بہت ہے۔ اب ہم سو رہے۔ مگر پھر کوئی بارہ بجے ایک بڑی اجابت ہوئی اور پیٹ میں درد معلوم ہوا۔ میں نے نواب صاحب سے اس کا ذکر نہیں کیا اور سو رہی۔ تین بجے کے قریب پھر ایک اجابت ہوئی۔ حالانکہ تین اسہال ہوئے مگر میری طبیعت صاف اور مزاج درست ہے۔ بارے اب کوئی اسہال نہ ہوا اور صبح تک با آرام سوئی۔

۲۷ر نومبر ۱۹۰۹ء کو ہم صبح ہی اٹھے۔ نماز فجر ادا کی اور جلدی تیار ہوگئے، کیونکہ ریل نو بجے روانہ ہوگی۔ مجھ کو مسز سقراط نے پھر اوپر بلایا۔ سرکار عالی بھی اوپر آئے، مسز سقراط نے دونوں کو ناشتہ کرایا۔ اس عرصہ میں ریل آ گئی۔(۳۲) نواب صاحب جلدی کرنے لگے۔ مسٹر سقراط نے کہا کہ ''تم فکر نہ کرو میں ریل روک لوں گا۔''

یہاں ہمارا سامان بہت مختصر ہے، صرف ایک ایک ہینڈ بیگ اور ایک چھاگل ہے، باقی کل سامان حائفہ کے کمرہ میں جہاں سے ٹکٹ لیا تھا، وہیں صاحب کے سپرد ہے۔ ریل اسٹیشن پر آ گئی اور ہم دونوں مع امینہ بی ان سے رخصت ہو کر سوار ہو گئے۔ سرکار نے احتیاطاً ایک مرغی ذبح کر کے ہمراہ لے لی۔ اس وقت عربی حساب سے دن کے نو بجے ہیں۔ اس گاڑی میں غسل خانہ ندارد ہے۔ زنانہ و مردانہ سب ایک ہی درجہ میں بیٹھ گئے۔ اب ایک بجا ہے۔ ہماری ریل درہ [درعا] ایک آبادی ہے، اس کے اسٹیشن پر ٹھہر گئی۔ یہاں سے مدینۂ طیبہ جانے کے لیے ریل بدلنا ہوگی۔ اس لیے ہم درہ [درعا] پر اُتر گئے۔ یہاں سرکار نے ایک مرغی اور خرید لی۔ اب یہ دونوں مرغیاں امینہ بی کو پکانے کو دیں اور روٹی گرم گرم دوکان سے خرید لی۔ یہاں سنا کہ مدینہ شریف کو جو ریل سیدھی یہاں سے جائے گی، وہ تین بجے دن کے یہاں پہنچے گی۔ اس حساب سے ہم کو پورے تین گھنٹہ ٹھہرنا ہوگا۔ جب تک امینہ بی مرغ تیار کریں، سرکار عالی بازار دیکھنے چلے گئے، مگر میں اسٹیشن پر ہی رہی کیونکہ شب کے اسہال سے میرا جی کچھ تھک سا گیا ہے۔ ایک عرب قلی ہم کو مل گیا ہے، اس نے ہمارا کام کیا اور کر رہا ہے، مگر ایک حرکت اس نے عجیب کی۔ مرغی کا سالن بھونتے میں سے تھوڑا چکھ گیا۔ امینہ بی نے منع کیا تو کہا، ''**انا اسلام**'' (۳۳)۔ غرض اس عرصہ میں نواب صاحب شہر دیکھ کر واپس تشریف لے آئے۔ ایک دنبہ کے بالوں کا چغہ اور ایک بانات آٹھ گز اپنے لیے لائے، ایک بنیان ڈھائی مجیدی میں امینہ بی کے لیے لائے، کیونکہ اس کے پاس گرم کپڑا نہیں ہے اور یہاں سردی خوب پڑتی ہے۔ ہمارا کھانا بھی تیار ہو گیا۔ ایک صاف مقام پر بیٹھ کر کھانا کھایا، باقی کا کھانا امینہ بی اور اس قلی کو دے دیا۔ اب منتظر بیٹھے ہیں کہ ریل کب آتی ہے۔

مدینۂ منورہ کو روانگی:

اس وقت پانچ بجے ہیں۔ بجائے تین بجے کے پانچ بجے مدینہ شریف جانے والی ریل آئی ہے۔ (۳۴) **الحمدللہ** کہ ہم دونوں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اس ریل میں ایک ذرا سی

کوٹھری ملی ایسی کہ ایک آدمی آرام سے لیٹ سکتا ہے۔ بہرحال شکر ہے کہ ایسی جگہ خداوند کریم لے جارہا ہے اس راستہ کی تکلیف بھی عین راحت ہے۔ ہم کو تو **الحمد للّٰہ** کہ ہر مقام پر بہت آرام ملا ہے، اب بھی بطفیل رسول مقبولؐ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور ہوگا۔ ہر اسٹیشن پر جہاں ریل ٹھہرتی ہے، ترکوں کی آمدورفت شروع ہوجاتی ہے۔ یہ ترک لوگ اور میوہ فروش جہاں ریل ٹھہرتی ہے، بے تکلف ریل کے اندر آتے جاتے ہیں۔ یہاں سب ترکی بولتے ہیں۔ عربی بہت کم فرنچ بھی نہیں۔ اس ریل کے چلانے والے اور افسر سب ترک ہیں۔ انتظام پردے کا بہت خوب ہے۔ ہر وقت ترک سپاہی ریل میں بندوق اور کارتوس لیے ٹہلتے رہتے ہیں۔ ہر اسٹیشن پر یہی انتظام ہے۔ میری اس چھوٹی سی کوٹھری میں دروازہ بھی نہیں ہے۔ میری کوٹھری کے بالکل مقابل میں ایک اور ایسی ہی کوٹھری ہے مگر اس میں دو ترک ہیں۔ یہ بہت بھلے مانس ہیں۔ ہمارے ہمراہ بستر تو ہے ہی نہیں کیونکہ ہم نے تمام سامان حائفہ کے ویٹنگ روم میں رکھ دیا ہے۔ ارادہ تو یہ تھا کہ پھر حائفہ واپس آئیں گے، مگر بحکم خداوند عزّ وجل اور رسول مقبولؐ کے حکم سے یکا یک ادھر آنا ہوگیا۔ اس دنبے کے چغہ نے بہت آرام دیا۔ نیچے بچھا کر ہم دونوں بہت آرام سے بیٹھ گئے۔ بینچ نرم نرم رہا۔ امینہ بی کو اس کوٹھری کے باہر جہاں اور بہت سے مسافر ہیں، دونوں بیگ دے کر ایک طرف بٹھا دیا ہے۔ ہمارے ہمسفر ترک جو نہایت شریف اور نیک دل ہیں، انھوں نے ایک رضائی اپنے پاس سے ہماری کوٹھری کے دروازے پر جو بغیر پٹ کے تھا، لٹکا دی اور دونئی رضائیاں ہم کو دیں کہ ''تم اوڑھو'' خدا جانے ان کے پاس یہ رضائیاں اس قدر کہاں سے آ گئی تھیں۔ ہم نے معافی مانگی تو اور کئی رضائیاں نکال کر دکھائیں کہ ''دیکھو ابھی اور بہت ہیں۔ بہرحال ان رضائیوں کی بدولت بفضل خدا نہایت آرام سے شب گزری۔ ایسے ہی بیٹھے بیٹھے شب گزار دی۔

۲۸/نومبر **۱۹۰۹**ء کی صبح ہوگئی۔ ان ترکوں نے ہماری چھاگل میں خود پانی بھر کر لا دیا۔ اسٹیشن پر میں اور سرکار اتر کر غسل خانہ گئے۔ ریل یہاں ہر اسٹیشن پر بہت ٹھہرتی ہے۔ کوئی

مسافر چھوٹ جائے اور پکارے کہ ''روک لو'' تو روک بھی لیتے ہیں۔ ہم دونوں اسٹیشن پر پھرتے رہے۔ سامنے گرم گرم روٹیاں لگ رہی تھیں۔ ہم نے وضو کیا۔ اس عرصہ میں یہ ترک چائے اور گرم گرم روٹیاں لے آئے، ہم نے شکریہ ادا کیا اور اس کی قیمت ان کو دے دی۔ ان ترکوں نے سامنے والی کوٹھری بھی ہم کو خالی کر کے دے دی اور آپ دوسری طرف چلے گئے۔ اب ایک میں سرکار اور ایک میں میں ہوگئی۔ ہم دونوں کو آرام ہوگیا۔ سرکار حسب دستور راستہ میں مرغی خریدتے اور امینہ بی جہاں دیر تک ریل ٹھہرتی وہاں پکاتی اور ہم آرام سے کھانا کھاتے۔ راستہ میں دو بدمعاش ترک بھی مل گئے۔ ان دونوں نے ہمارے سرکار کی قمیص میں سونے کے بٹن لگے دیکھ لیے۔ بار بار سرکار کے قریب آتے اور بٹنوں کو غور سے دیکھتے۔ میں یہ طور دیکھ کر ڈر گئی۔ فوراً سرکار کی قمیص میں سے بٹن نکال کر رکھ لیے۔ شب کو اس بدمعاش ترک نے ہمارا بیگ امینہ بی کے سرہانے سے نکال کر کھول لیا، مگر امینہ بی کی فوراً آنکھ کھل گئی اور غل مچایا۔ بحکم خدا خیر گزری۔ وہ اوپر سے ہی پائجامہ نکال کر چلتی ریل میں بھاگ گیا۔ پھر وہ ترک ریل میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے بطفیل رسول مقبولؐ کے بچا لیا۔ میں اس شب جاگتی رہی کہ پھر نہ آجائے۔ ۲۹ر نومبر کا دن بھی اسی طرح گزرا، شام ہوگئی اور میں سو رہی۔

آج ۳۰ر نومبر ۱۹۰۹ء ہے ہم کو ریل میں سوار ہوئے چوتھا روز ہے۔ منگل کا دن ہے۔ خبر ہے کہ آج ہی ہم سب در دولت سرور کائنات حبیب رب پاک ذاتؐ پر پہنچ گئے۔ سامان سب یک جگہ کر لیا ہے۔ نواب صاحب نے اپنے بیگ میں سے ایک خاص عربی جوڑا جو حیدرآباد سے چلتے وقت اپنے بیگ میں رکھ لیا تھا اور ہر وقت اس لباس کو ساتھ رکھتے، نکال کر پہن لیا۔ یہ لباس کس قدر اچھا اور نورانی معلوم ہوتا ہے۔

حرم نبویؐ کی زیارت کے لیے بے قراری:

اب دل بہت بے قرار ہے۔ انتظار میں آنکھیں اور دل لگا ہوا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یا خدا ترا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنے حبیب پاکؐ کے در دولت پر ہم گنہگاروں کو لے آیا،

جس کے آستانہ مبارک کی زیارت کی آرزو میں یہ دلِ مشتاق بیتاب تھا۔ **الحمد للّٰہ** بطفیلِ رسول مقبولؐ و آل نبیؐ و اولاد علیؑ واصحاب پاک نبیؐ وامہات المومنین کے ہم دونوں کی آرزو پوری ہوئی۔ خداوندا کل مومنین ومومنات و عاشقان رسولؐ و اولاد رسولؐ کو بھی زیارت رسولؐ و آل رسولؐ کو حج کعبہ نصیب کر، سب کے طفیل اس خاک پائے عاشقاں و خاصان خدا درست کرنے والے اس سفرِ نامہ کو بھی نصیب ہو۔ آمین (۳۵)

خادمان رسولؐ دربار رسولؐ میں

آہا اب وہ زمین جس کو فردوس بریں کہنا زیبا ہے، نظر آنے لگی **اللھم صلّ علیٰ محمد و آل محمد**۔ اب ہم دونوں مشتاقان دیدار بے اختیار کھڑے ہوگئے اور نہایت بیتابی کے ساتھ دیکھنے لگے تا کہ وہ روضۂ انور نظر آ جائے۔ خوشی اور شوقِ دیدار روضۂ نبیؐ میں آنسو جاری ہوگئے۔ کھجوروں کے درخت بھی نظر آنے لگے۔ جوں جوں اسٹیشن اور اہل مدینہ نظر آتے جاتے ہیں ویسے ویسے دل کی بیتابی بڑھتی جاتی ہے۔ **الحمد للّٰہ** کہ اس وقت چار بجے ریل ٹھیک عصر کے وقت اسٹیشن مدینۂ پاک پر پہنچی اور ٹھہر گئی۔ یہاں تمام مسلمان اور اہل دین تھے۔ اُمّت رسولؐ اللہ سروں پر عمامے اور عباء مدنی زیب تن کیے کھڑے ہیں۔ آہا کیا ہی بھلا اور نورانی یہ لباس نظر آ رہا ہے۔ اسٹیشن پر بہت اہل مدینہ موجود ہیں، مگر چند صاحب ہمارے انتظار میں تشریف لائے ہیں۔ وہ آگے بڑھے اور نواب صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اتارا۔ سب نے یکے بعد دیگرے مصافحہ کیا۔ اس وقت نواب صاحب بھی مدنی لباس میں تھے۔ سب دوستوں اور مسلمانوں نے ہم کو مبارکباد دی کہ ''حاضری روضۂ اطہر مبارک ہو۔'' آج کا دن ہمارے لیے ہزار درجہ عید سے بہتر ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ''جلدی چلو تا کہ مجھ کو نماز عصر حرم شریف سردار دوعالمؐ کے دربار میں نصیب ہوجائے۔ سب نے ہمارا سامان ہاتھوں ہاتھ اتروا لیا اور ہم اسٹیشن سے باہر آ گئے۔ یہاں دو گاڑیاں کرایہ پر لیں، ایک میں میں اور امینہ بی بیٹھ گئیں، دوسری میں نواب سربلند جنگ بہادر اور وہ شرفاء مدینہ بیٹھ گئے۔ سرکار نے فرمایا کہ ''میں پیدل چلنا چاہتا ہوں۔'' ان سب نے کہا کہ ''آپ چلیں، ہم لوگ آپ کو بتلا دیں گے جہاں سے پیدل جانا چاہیے۔'' ہماری گاڑیاں شہر پناہ میں داخل ہوئیں۔ یہاں ٹھہر کر

ہم نے داخل مدینہ ہونے کی دعا پڑھی اور یہاں سے سب پیدل روانہ ہوئے۔ مجھ کو خیال ہوا کہ میں پہلے قیام گاہ پر جا کر غسل کرلوں۔ بعدۂ حرم شریف میں حاضر ہوکر قدمبوسی سرور کائناتؐ کی حاصل کروں اور سعادت دارین مجھ کو ملے۔ اس خیال سے میں تو گھر کی طرف اسی تصور میں روانہ ہوئی اور نواب صاحب بفضل خدا سیدھے حرم شریف میں واسطے حصول زیارت محمد مصطفیٰ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنّا میں روانہ ہوئے اور میں قیام گاہ پر آئی۔ اس مکان کی اجازت حیدرآباد ہی میں بندگانِ عالی حضور پُرنور سے حاصل کرلی تھی۔(۳۶) اہلِ مکان میرے انتظار میں تھے۔ میں پہنچی تو صاحب مکان کی بیوی مجھ سے بہت ہی خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ یہاں دو ایک بیبیاں اور بھی ہیں جو اس شہر کی رہنے والیاں ہیں۔ مگر عرصہ دس بارہ برس کا ہونے آیا کہ رسول اللہ صلعم کے قدموں ہی میں پڑی ہیں اور ان کی زندگی نہایت خوشی واطمینان سے گزرتی ہے۔

خدا کرے میں بھی اپنے پیارے حبیب کے در پر جا پڑوں اور اپنے پیارے نبیؐ کی چوکھٹ کو آنکھوں سے ملوں تاکہ اس دل بیقرار کو تسکین حاصل ہو۔[میرے] سرکار کو **الحمد لللّٰـہ** کہ یہ شرف حاضری حرم مبارک مجھ عاجز سے پہلے ہی حاصل ہوگیا۔ خداوندکریم ان کو یہ دولت وسعادت دارین مبارک فرمائے اور سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر، ان کی اولاد پر، ان کے بزرگوں پر اور ان کے طفیل سے مجھ عاجزہ کے اوپر نظر لطف وکرم ہمیشہ و ہر روز رہے۔ **آمین یاربّ العالمین**۔ الغرض میں ان سب بیبیوں سے ملی اور اس قیام گاہ پر آئی۔ یہاں سے سنا تھا کہ حرم شریف کے مینار مبارک نظر آتے ہیں۔ نہایت شوق سے میں اس بنگلہ کی ایک کھڑکی کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور اب مجھ کو مینار مبارک نظر آنے لگے۔ ان میناروں پر خوب روشنی ہورہی ہے۔ کہتے ہیں کہ آج محمل آئی ہے اور سلطان المعظم(۳۷) کی طرف سے مینار ہائے مبارک پر روشنی کروائی گئی ہے۔ میں نہایت شوق سے ان میناروں کو دیکھنے لگی۔ خوشی کے آنسو میری آنکھوں سے جاری ہوگئے۔ کچھ دیر تک میں اسی طرح مینار ہائے مبارک کو

حالت آرزو وشوق میں دیکھتی رہی۔ اس عرصہ میں بی بی صاحبِ خانہ نے مجھ کو پکارا کہ ''اب اُٹھیے، منہ ہاتھ دھوییٔے، وضو کیجیے۔ کھانا تیار ہے۔''

اس وقت جو میں نے گھڑی دیکھی تو شب کے ساڑھے آٹھ بج گئے ہیں۔ یہاں کے حساب سے ڈھائی بجے ہیں۔ میں اس کھڑکی کے پاس سے اُٹھی۔ منہ دھویا، دسترخوان بچھایا گیا، مگر میں نے سرکار کا انتظار کیا۔

اس اثنا میں سرکار واپس حرم شریف سے تشریف لائے اور کھانا لگا۔ میں اتر کر نیچے اپنے کمرے میں آئی۔ سرکار کے واسطے دسترخوان لگا کر کہا کہ ''مجھے اجازت دیجیے کہ میں بیگم صاحب خانہ کے ہمراہ کھاؤں۔''

سرکار نے بخوشی اجازت دی۔ میں اوپر آئی تو یہ سب بیبیاں میرے انتظار میں تھیں، میرے آتے ہی خوش ہوگئیں۔ بعد کھانے کے ان بیبیوں سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں آئی۔ کمرہ بالکل ترکی طریقہ سے سجا ہے۔ صوفے برابر برابر دیواروں سے لگے ہیں، گدّے بچھے ہیں۔ میں تھکی ہوئی ہوں۔ اس لیے ایک صوفے پر آرام سے لیٹ گئی۔ سرکار بھی لیٹ رہے۔ کیا اچھی آج کی شب ہے۔ زیارت حضور پُرنور ؐ کا شوق ہے۔ سوائے تصور رسول ؐ اللہ غیر کو ذرا دخل نہیں۔ خداوند کریم میرے ماں باپ، بھائی بہنوں کو، اولاد کو، دوست احباب کو اور سب مسلمان بھائیوں کو اور بہنوں کو یہ زیارت اپنے پیارے حبیب کے صدقے سے نصیب کرے۔ آمین ثم آمین۔

تمام رات میری عجیب حالت رہی، نہ نیند ہی تھی اور نہ بیداری ہی تھی۔ شب کے ۱۲ بجے نواب صاحب نے تہجد کے لیے وضو کیا، پھر حرم شریف میں حاضر ہوگئے۔ مگر میں اُسی تصور آقا میں پڑی رہی، یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔

دیارِ محبوب:

یکم دسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح کو اٹھی۔ ضروریات سے فارغ ہوئی۔ نواب صاحب بھی واپس

تشریف لائے، دونوں نے ناشتہ کیا۔ سرکار تو پھر روانہ حرم شریف ہوئے، میں اوپر ان بیبیوں کے پاس آئی اور ان سے ذکر کیا کہ آپ لوگ میرے ہمراہ چلیں تو میں شہر مدینہ دیکھ آؤں۔ اس شہر میں میرے رسولؐ اللہ چلے پھرے ہیں۔ یہ شہر اور اس کی گلیاں متبرک ہیں۔ ان کو کیا شرف حاصل ہے۔ دو بیبیوں نے کہا کہ چلیے ہم ضرور آپ کے ساتھ چلیں گے۔ تب میں اور یہ دونوں تیار ہوگئیں۔ میں نے اپنا مدنی برقعہ پہنا اور تینوں روانہ ہوئے۔ حرم شریف کے دروازے کے سامنے سے ہم گزرے۔ جیسے ہی حرم پاک کا دروازہ نظر آیا، میرے دل نے کہا کہ ''ٹھہر'' میں نہایت ادب سے ٹھہر گئی۔ قریب پندرہ منٹ کے کھڑی رہی۔ عجیب وغریب حالت میرے قلب کی ہے جو نہ لکھ سکتی ہوں نہ بیان کرسکتی ہوں۔ بارے مجھے ان دونوں بیبیوں نے ہوشیار کیا کہ ''چلو'' ان کے کہنے سے میں آگے چلی۔ یہ شہر میرے آقا کا نہایت سرسبز شاداب ہے اور بہت آباد ہے۔ عمدہ قسم کے پکے ہوئے کھانے فروخت ہوتے ہیں۔ عمدہ عمدہ کھانے دکانوں پر بک رہے ہیں۔ میوہ فروش، بزاز، موچی کاروبار میں مصروف ہیں۔ اناج وغلّہ کی دکانیں لگی ہیں۔ بہت سا حصّہ شہر کا قریب تین گھنٹہ تک پھر کر خوب دیکھا۔ کھانا یہاں ہمیشہ پکا پکایا ملتا ہے۔ بہت گھر ایسے ہیں جو صرف پکا پکایا کھانا منگا کر کھاتے ہیں۔ ہر قسم کی چٹنی اچار کے ساتھ ملتی ہے۔ گھر میں بالکل نہیں پکاتے۔ ہر ایک شے دستیاب ہوسکتی ہے۔ اہل مدینہ نہایت خوش اخلاق وخوش پوشاک ہیں۔ صاف ستھرا اور عمدہ لباس زیب بدن کیے رہتے ہیں۔ میوہ میں انار، کھجور، سیب نہایت اچھے اور کثرت سے ملتے ہیں۔ زیتون کا اچار نہایت اچھا ملتا ہے۔ میں ایک کپڑے کی دکان پر ٹھہری۔ کچھ چیزیں اس نیت سے خریدیں کہ حرم پاک میں داخل کر کے بچوں کے لیے لے جاؤں گی۔ عصر کا وقت تنگ تھا واپس آئی۔ اس عرصہ میں نواب صاحب بھی تشریف لائے اور فرمایا کہ تم تیار ہو؟ میں نے کہا ''جی ہاں نواب صاحب۔'' کل جمعرات ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ صبح ہی معلّم آئیں گے، حسب قاعدہ باب السلام سے اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔ پھر جس وقت چاہنا خود ہی حاضر ہوجایا کرنا۔ اس وقت معلّم

صاحب نے کہا ہے، میں نہیں آ سکتا کل صبح ہی آؤں گا۔ ہمارے معلّم صاحب نہایت خاندانی عبدالکریم صاحب برتنجی کے صاحبزادے ہیں۔ میں نے یہ سب سن کر کہا، اچھا جیسے آپ کی خوشی۔ یہ شب بھی اسی انتظار میں گزری۔

روضہ نبیؐ کی زیارت:

دو دسمبر ۱۹۰۹ء کو صبح ہی اٹھی۔ معلّم صاحب بھی آ گئے۔ میں نے ناشتہ و وضو کیا، دوسرا لباس بدلا اور برقعہ پہن کر کچھ روپیہ بیگ میں لے کر باہر نکلی۔ سرکار مجھ سے اوّل ہی حرم شریف چلے گئے۔ اب میں اور معلّم صاحب حرم شریف کو روانہ ہوئے۔ میرا دل اور آنکھیں بےقرار ہیں کہ اب سامنے سے وہ درنظر آئے گا جس کی آرزو میں مدّت سے یہ دل تڑپ رہا تھا۔ اسی خیال میں در دولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر آیا۔ باب السلام سے فاتحہ خواں وسلام کناں داخل ہوئے۔ آنسو میرے مسلسل جاری ہیں۔ کس قدر میرا دل اس وقت خوش ہے کہ حد بیان سے باہر ہے۔ کیسا خوشی کا وقت یہ میرے لیے ہے کہ اپنے شفیع المذنبین سردار دوعالم اپنے پیارے نبیؐ کے دربار میں حاضر ہوئی ہوں۔ سلام میرا پورا ہوا۔ اب میں اس مقام پر ہوں کہ جہاں رسول اکرمؐ نماز مبارک ادا فرمایا کرتے تھے۔ سب سے اوّل دو رکعت نماز ادا کی کہ میں کنیز طالب مدد و بخشش بھی یاوری بخت سے اس متبرک مقام پر حاضر ہوئی۔ پھر دو رکعت نماز داخلہ حرم پاک ادا کی۔ اب مجھ کو معلّم صاحب خاص در دولت و جائے مبارک کے قریب لے آئے اور میں خاص اپنے شفیق رسولؐ مقبول کی خدمت میں حاضر ہوں۔ گردن میری پاس ادب سے جھکی جاتی ہے، دل مارے خوشی کے پھولا نہیں سماتا۔ اپنا حال رو رو کر حضرت کو دکھاتی ہوں اور تمام حالِ دل عرض کر رہی ہوں۔ سب سے اوّل نہایت ادب سے اپنے پیارے والدین کی طرف سے دست بستہ آداب وشوق و آرزو قدم بوسی و زیارت روضۂ نبیؐ کا عرض کیا۔ پھر بچوں کی طرف سے نام بنام آداب و آرزو عرض کی۔ اپنے بھائی، بہنوئی، بہنوں و بھاوجوں کی طرف سے آداب و آرزوئے قدم بوسی و زیارت روضۂ نبیؐ عرض کیا۔ پھر اپنے تمام

دوستوں کی طرف سے آرزوئے دیدار روضۂ مبارک بیاں کی۔ مسز حیدری و مسز ممتاز صاحباں کی طرف سے بھی زیارت حرم کی تمنّا کا تبانہ [کذا] طور پر اظہار کیا اور ان سب کے لیے ایمان وخوشی کی دعا و مدد مانگی۔ خداوند عزوجل بطفیل اہل بیت نبیؑ وآل نبیؑ واولادِ علیؑ رسول مقبول کی ہیں گناہگار امتّی کی آرزوؤں اور دعاؤں کو قبول فرما۔ آمین ثم آمین یارب العالمین مجھ کنیز طالبِ دیدار کو سرفراز کر۔ میرے دل کو انوار الٰہی کی تجلّیوں سے معمور کردے آمین۔ میں نہایت آرزو سے حالت شوق وخوشی میں بیٹھی ہوں اور رو رو کر اپنا حال حضرت کو سُنا رہی ہوں۔ اپنا حال زار رسول کریم محمد مصطفیٰ ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم سے عرض کر رہی ہوں۔ دل یہاں سے اٹھنے کو مطلق نہیں چاہتا۔ بہت دیر کے بعد معلّم صاحب نے مجھ کو اٹھایا کہ چلو ابھی اور مقام ہیں، جہاں حاضر ہونا ضروری ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی درگاہ:

اس لفظ کو سن کر اٹھی اور ذرا دور ہٹ کر ٹھہری۔ اب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ و حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سلام ادا کیا۔ دونوں اصحاب کبار کے مزار شریف بالکل قریب حضرت سرور کائنات کے ہیں۔ جائے مبارک سے ذرا ہی سرک کر یہاں سلام ادا کیا جاتا ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہراؑ کے دربار میں:

یہاں سے ذرا دور میں ہٹی اور ٹھہری۔ اب میں بنت رسولؐ خاتون جنت سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کے ''مزار مبارک کے روبرو ہوں۔ کون فاطمۃ الزہراؑ'' جن کی شان میں سردار خلق کی مشہور حدیث ہے کہ جس نے فاطمہؓ پر غضب کیا، اُس نے مجھ پر غضب کیا۔ جس نے مجھ پر غضب کیا اس نے خدا پر غضب کیا۔ جس نے خدا پر غضب کیا ہو خواہ کیسے ہی اعمال کر چکا ہو یا آئندہ کرے اس کا حشر انصاف پسند مسلمان خود سمجھ لیں۔ دوسری حدیث

میں ہے ۔جس نے فاطمہؓ کو اذیت دی اُس نے مجھے اذیت دی۔ آہ رسول کریم کو اذیت دینے والا شخص روز قیامت کیا خاک شفاعت رسولؐ کا اُمیدوار ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائیو ہر مومن ومومنہ کو غضب فاطمہؓ اوراذیت دہندہ فاطمہؓ بننے سے۔(۳۸) جب حضرت سیدۃ النساء کے مزار مقدس پر میں حاضر ہوئی تو یہاں ایک عجیب قسم کا اثر میرے دل پر ہوا۔ میں دیر تک حاضر رہی اور نہایت شوق سے سلام ادا کیا اور التجا کی کہ یا بی بی مجھ کنیز کی سفارش اپنے بابا سے فرمایئے۔حضرت خاتون محشر کا بھی مزار شریف بالکل حضرت کے پہلو میں ہے۔ بعد ادائے سلام میرا دل ہرگز ہرگز نہ چاہتا تھا کہ یہاں سے ہٹوں کیونکہ حضرت خاتون علیہا السلام کی نظر توجہ سے مجھ کو بہت فیض حاصل ہوا۔ بہرکیف پھر روضۂ مبارک کی طرف منہ کرکے فاتحہ پڑھی۔

سیدنا حضرت امیر حمزہؓ کے مزار مبارک پر:

پھر حضرت سیدنا امیر حمزہ علیہ السلام کے مزار مقدس کی طرف منہ کرکے فاتحہ پڑھی۔ بعد ازاں باب جبرئیلؑ کی طرف حاضر ہوئی۔ سنا ہے کہ یہاں سے حضرت جبرئیلؑ رسول خداؐ کے پاس وحی خدا اور احکام الٰہی لایا کرتے تھے۔ یہاں حاضر ہوکر چہار ملائکہ کبار و جمیع ملائکہ کے لیے سلام پڑھا۔ بعدہٗ میں حرم شریف کے زنانہ مقام پر آئی۔ یہاں سب خواتین بعد ادائے سلام مبارک و زیارت مقدس بیٹھ کر درود کلام شریف و وظائف پڑھا کرتی ہیں۔ میں بھی بیٹھ گئی اور درود شریف میں مشغول ہوگئی۔ یہاں تک کہ بفضل خدا نماز ظہر وعصر، مغرب وعشاء اسی مبارک مقام پر ادا کی۔ الحمد للہ یہ نمازیں مجھ کو اور نواب صاحب کو جماعت کے ساتھ نصیب ہوئیں۔نو بجے شب کے ہم دونوں گھر واپس آئے، کھانا کھایا اور سو رہے۔

عاشقان رسولؐ اللہ کا ہجوم:

ایک بجے شب کے اٹھے۔ وضو کیا اور واسطے نماز تہجد کے پھر حرم پاک میں حاضر ہوئے۔ یہاں دیکھا کہ کثرت سے امّت رسولؐ اللہ نماز تہجد کے واسطے حاضر ہے۔ دربار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھرا ہوا ہے۔ فرزندان توحید کی یہ کثرت دلوں پر کچھ عجیب ہی کیفیت پیدا کرتی ہے۔ اللہ اللہ عاشقان زیارت روضۂ نبیؐ علاوہ پنج وقتہ نماز کے تہجد کے وقت بھی بے شمار مرد وزن حاضر آستانۂ حضور رہتے ہیں۔ ہم نے بھی سلام ادا کیا۔ نماز تہجد پڑھی اور وظیفہ و درود میں مشغول رہے یہاں تک کہ ہم دونوں نے نماز فجر شافعی وقت پر ادا کی۔ اس نماز میں یہ فائدہ ہے کہ بجائے دو سجدوں کے سوروں کے تین سجدے ملتے ہیں کیونکہ یہ لوگ سورہ سجدہ پڑھتے ہیں۔ پھر تا طلوع آفتاب ہم درود و وظائف میں مشغول رہے۔ اس وقت جو نظر اٹھا کر دیکھا تو عجیب دربار باوقار ہے کثرت سے مرد وزن ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔

آستانۂ مبارک سے جدائی:

۳؍دسمبر ۱۹۰۹ء۔ کی صبح کو بعد فراغت وظیفہ و نماز اشراق سلام ہر مقام پر باقاعدہ ادا کیا اور جائے قیام پر واپس آئے۔ وضو تازہ کیا اور ناشتہ کیا۔ یہاں سنا کہ آج جمعہ ہے، کل بروز ہفتہ قافلہ روانہ مکّہ معظّمہ ہوگا کیوں کہ ایّام حج قریب ہیں۔ دوسرے بدوؤں نے دق کر رکھا ہے اس لیے تین روز قبل قافلہ جا رہا ہے لہٰذا ہم کو بھی خواہ بسواری اونٹ یا بسواری ریل روانہ ہو جانا چاہیے۔ یہ بات سن کر میرا دل بے حد بے چین ہوگیا۔ قلب اس درجہ بے قرار ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ مجھ پر چند منٹ تک سکوت طاری رہا۔ آخر کار مدنی آقا کے حکم کے سامنے گردن جھکا دی مگر مجھ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انشاء اللّٰہ تعالیٰ بطفیل رسولؐ اللہ میں پھر اس آستانہ مبارک پر حاضر ہوں گی۔ اس سے ذرا تسکین تو ہوئی مگر بے چینی نہ گئی اور دل تڑپتا رہا۔ آج کا آدھا دن ہم نے تمام و کمال حرم شریف میں گزارا۔ عجب بات ہے کہ جب تک میں روضہ مبارک کے حضور حاضر رہتی ہوں، دل بے قرار کو نہایت سکون و آرام ملتا ہے۔ بجز یاد خدا و یاد رسولؐ کے کوئی خیال دل کے پاس چھو تک نہیں سکتا۔ نماز ظہر حرم شریف میں ادا کر کے ہم جنت البقیع کی زیارت کو چلے۔ آدھے گھنٹہ میں داخل جنت البقیع ہوئے، یہاں عصر کی نماز تک تمام زیارات سے فارغ ہوگئے۔ میں نے اپنا اور اپنے والدین کا نام تختی پر لکھا نیز اپنی ایک

سہیلی کا جو میرے پیر کے خاندان سے ہیں اورامت السلام بیگم نام ہے اورانھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کا نام بھی ایک تختی پر لکھ کر جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ اس کے بعد یہاں سے روانہ ہوئے۔ نواب صاحب نے بعد نماز مغرب حرم مبارک میں مولود شریف پڑھوانے کا انتظام کیا ہے اس لیے ہم سیدھے حرم پاک میں داخل ہوئے۔ یہاں سب سامان تیار تھا۔ بعد نماز مغرب مولود شریف شروع ہوا، ایک گھنٹہ کامل مولود مبارک رہا۔ بہت کثرت سے لوگ شریک مولود مبارک ہوئے۔ بعد ختم مولود سب نے نماز عشاء ادا کی۔ نماز عشاء کے بعد شیرینی ومٹھائی معلّم صاحب نے تقسیم کی۔ اللہ اکبر بطفیل رسولؐ خدا ایسی برکت اس مٹھائی میں ہوئی کہ میں بلا مبالغہ کہتی ہوں کہ تمام حرم شریف میں تقسیم ہوئی اور ہر ایک شخص نے بہت ہی خوش ہو کر یہ مٹھائی مانگ لی۔ مزا اس کا نہایت ہی اچھا ہے۔ یہ شیرینی میرے پیرومرشد حضرت مولانا الحاج مولوی محمد عبدالوہاب قدس اللہ سرہ کے داماد صاحب حضرت مولوی محمد عبدالباقی صاحب نے اپنے سامنے تیار کرائی ہے۔ جو چیز ایسے بزرگ کے اہتمام سے تیار ہو اور رسول اکرمؐ بہ ایں مہربانی وامت نوازی قبول فرمائیں کیوں نہ مزا اس کا اچھا وعمدہ ہوگا۔ اب ہم نے بعد فراغت سب امور کے حسب قاعدہ ہر مقام پر سلام ادا کیے اور گھر واپس آئے۔ کھانا کھایا اور سو رہے۔ حسبِ دستور شب کے ایک بجے اٹھے اور پھر راہی حرم شریف ہوئے۔ یہاں حاضر ہو کر دل کو ذرا تسکین ملی۔ بعد ادائے نماز تہجد، وظائف میں مشغول رہے یہاں تک کہ نماز فجر واشراق ادا کی اور سلام کے لیے حاضر ہوئے۔

آج ۴؍دسمبر ۱۹۰۹ء ہفتہ کی صبح ہے۔ بعد نماز فجر واشراق حسب قاعدہ سلام کے لیے حاضر ہیں۔ رقّت کا حال ناقابل بیان ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دل تڑپ کر سینے سے نکل پڑے گا۔ اللہ رے کشش ومحبت رسولؐ پر ہم گناہگاروں کا کیا منہ ہے جو عاشقان رسولؐ کا مقابلہ کریں۔ جناب رسول اکرمؐ کی کشش ومحبت اپنی گناہگار امّت کے ساتھ ہے، جو دل پہلو سے نکلا جاتا ہے اور دردِ جدائی سے بے طور تڑپ رہا ہے۔ اس وقت کا حال روضۂ اطہر سے جُدا

ہونے والا ہی جان سکتا ہے۔قلم میں یہ طاقت کہاں کہ لکھ سکے، نہ زبان میں طاقت گویائی کہ بیان کر سکے۔ روح کا یہ حال ہے کہ اسی آستانۂ مبارک پر نکلنے کو تیار ہے۔ میرا اور نواب صاحب کا دل کہہ رہا ہے کہ بار بار سلام پڑھو۔الغرض ہم دونوں نے کئی بار سلام پڑھا مگر اس دل کو سیری نہ ہوئی کیونکہ سیری ہوتی ہو نہیں سکتی۔بس دل یہ کہہ رہا ہے، ہائے کیسے آقا سے جدائی ہوتی ہے۔یہ وہ آقا ہے جو ہم گناہگاروں کا معاون اور مددگار ہے۔اسی سردار کے سہارے ہم سب زندہ ہیں، پل پل کا ہمارا خبر گیراں ہے۔اب ہم نے دُعا مانگی کہ یا رسولؐ اللہ یا ابن عبداللہ یا ہاشمی و مطلبی یا سردار مکّی و مدنی ہم دونوں حاضر ہیں۔اب حج و زیارتِ خانۂ کعبہ کی آرزو اس دل ناتواں میں رکھتے ہیں، آپ توجہ فرمایئے۔سفارش خداوند عزّ وجل سے کیجیے کہ ہم دونوں کی طفیل سے آپ کے اور آپ کی آل اولاد کے حج و زیارت قبول ہو۔ ہم اور ہمارا خاندان بخشا جائے۔تمام مسلمین پر آپ کی نظرِ شفقت رہے۔ یہ التجا کر کے بادلِ بریاں و چشم گریاں حرم شریف کو بار بار دیکھتے ہوئے رخصت ہوئے۔ ہائے کس قدر جلدی یہ روضۂ اطہر آنکھوں سے دُور ہوگیا۔ ہاں اے دل بیتاب آنکھوں سے ظاہر ہیں، آنکھوں سے بیشک دور ہوگیا۔مگر دل سے دل کی آنکھوں سے بالکل یہ روضۂ پرنور و طاہر سامنے ہی ہے۔بس اسی خیال میں ہم جائے قیام پر آئے۔سامان تیار تھا، میں اوپر آئی اور صاحب خانہ بی بی سے اور دیگر بیبیوں سے ملی۔اپنی حیثیت کے موافق نذر دی، ان بیبیوں نے قبول فرما کر ممنون ومشکور کیا، اور دعائے خیر میرے حق میں فرمائی۔اب میں نیچے اُتر آئی اور مکان سے باہر نکلی۔یہاں میرے پیرومرشد کے داماد حضرت مولانا عبدالباقی صاحب موجود ہیں۔ میں نے حضرت کی خدمت میں نذر گزاری، حضرت نے قبول فرما کر میری عزت افزائی کی اور براہ مہربانی اسٹیشن تک پہنچانے کو تشریف لے چلے، اگرچہ میں نے عذر بھی کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرمائیں مگر حضرت نے ارشاد کیا کہ نہیں میں ضرور چلوں گا۔اثناء راہ میں عبدالصمد کشمیری ملے۔ یہ حضرت سرورِ کائنات کے ملازمین میں سے ہیں اور بہت ہی باخدا آدمی ہیں۔میری خالہ صاحبہ مرحومہ

نوشابہ بیگم کے دینی بھائی ہیں۔ یہاں خالہ مرحومہ نے ایک مکان بنوایا تھا، یہ اس کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ راستہ میں سے اپنی خالہ مرحومہ کے مکان کو دیکھ لیں۔ ابھی وہ ناتمام ہے اور اس میں پانچ سو کے قریب میں نے بھی روپیہ لگایا ہے۔ میں نے ان کی خاطر سے منظور کیا اور مکان دیکھنے گئی۔ مکان بظاہر ڈھائی تین ہزار کی لاگت کا معلوم ہوتا ہے۔ ان صاحب کی بی بی اور بچّوں سے بھی ملی اور ان بزرگ کو بھی حسب حیثیت نذر دی۔ انھوں نے مشکل سے قبول کی۔ پھر یہ بھی ہمارے ہمراہ ہولیے۔ راستہ میں حالات خالہ مرحومہ بیان کرتے رہے، جن کو میں نے بغور تمام سُنا۔ یہ خالہ مرحومہ کے مکان پر وقف کا پتھر لگانا چاہتے ہیں خالہ مرحومہ کے نام سے تاکہ ثواب جاری رہے۔ میں نے جواب دیا، اچھا میں والد صاحب قبلہ سے پوچھ کر آپ کو لکھ دوں گی۔ جو ہدایت والد صاحب کر دیں وہ کیجیے۔ ان ہی باتوں میں اسٹیشن آ گیا۔ آج بہت بڑا قافلہ مدینۂ طیبہ سے مکّہ معظّمہ کی طرف بسواری اونٹ روانہ ہو رہا ہے۔ میرے خیال میں ایک ہزار اونٹ ہوں گے۔ شغدف عجب چیز ہے، میرا دل اس کو دیکھ کر ڈرتا ہے۔ میں نے اس کو دیکھ کر دُعا مانگی کہ یا اللہ بطفیل رسول مقبولؐ کے بجائے شغدف کے اونٹ گاڑیاں بن جائیں۔ یہ اچھا ہوا کہ رسولؐ کے صدقہ سے ہم دونوں ریل کے ہی راستہ سے روانہ ہوتے ہیں۔ اسٹیشن پر ریل ہم کو تیار ملی۔ اب میں نے سب کو سلام کیا۔ حضرت مولانا عبدالباقی صاحب قبلہ کے قریب آئی اور سلام کیا، حضرت نے میرے قریب آ کر ایک دُعا مجھ کو اپنی زبان مبارک سے پڑھائی اور فرمایا کہ اطمینان رکھنا، تم پھر عزت کے ساتھ حاضر آستانۂ مبارک حضور پُرنور ہوگی۔ حضرت کے اس کلام سے میرے دل کو ایک تسکین سی ہوگئی۔

مکّہ معظّمہ کو سلام کیا:

اور ریل میں سوار ہوگئی۔ سرکار بھی سب سے رخصت ہو کر ریل میں آ گئے، امینہ بھی سوار ہوگئی۔ سامان بھی رکھا گیا۔ یہ ریل بہ نسبت پہلے کے آرام کی ملی ہے۔ اس میں دو کوٹھریاں

بڑی بڑی ہیں جس میں دوطرف دو کوچ ہیں۔ درمیان میں راستہ ہے، اندر سے چاہیں تو دروازہ بند کر کے قفل لگالیں۔

میں نے ایک کوٹھری تو امینہ بی کو دے دی، دوسری میں ہم دونوں آ گئے۔ ریل روانہ ہوئی اور افسوس کہ دیکھتے ہی دیکھتے سرزمین مدینہ نظروں سے چھپ گئی۔ گو رسول اللہ کا دربار تمام وکمال وحرم شریف اور جائے مبارک کے سامنے کھڑا ہونا دل میں، آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ جسم کثیف جارہا ہے اور روح آنحضرتؐ کے دربار میں دست بستہ حاضر ہے، مگر دل کی اصلی تمنّا یہ ہے کہ جسم زار بھی وہیں پڑا رہے۔ اس دفعہ راستہ میں ہم کو بطفیل رسول اکرمؐ کوئی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ کچھ کوئلہ ایک انگیٹھی میں میں نے چپکے سے امینہ بی کے پاس رکھوا دیے ہیں تاکہ وقت ضرورت کھانا پکایا جاسکے۔ کچھ کھچڑی، آلو، کچھ گھی، نمک، مرچ رکھ لیا ہے۔ تھوڑا سا میٹھا مولود شریف کا بھی ہمراہ ہے، تھوڑا کھانا پکا پکایا بھی ساتھ لے لیا ہے۔ تمام درجہ خالی ملا ہے۔ ہر اسٹیشن پر حسبِ دستور عرب و ترک بلاتکلف اندر آتے جاتے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ دو اسٹیشن کے بعد اس مرتبہ بھی دو ترک سپاہی ایسے ملے ہیں کہ بے چارے ہمارا کام کرتے جاتے ہیں۔ کچھ تبرک بھی انھوں نے ہم کو مدینہ پاک کا دیا۔ ہم نے بھی ان کو مولود شریف کا میٹھا دیا۔ اپنا پتہ بھی ان ترکوں نے نواب صاحب کو لکھ دیا۔ یہ ترک عربی کچھ کچھ جانتے ہیں، باقی زبان ان کی خاص ترکی ہے۔ بہرحال امن سے آج کی شب گزر گئی۔

۵ر دسمبر ۱۹۰۹ء۔ آج کا دن بھی ریل میں آرام سے اسٹیشنوں کے دیکھنے میں گزرا۔ شام ہوگئی۔ ریل میں روشنی کا انتظام تو ہے مگر روشنی ندارد۔ سنا ہے کہ روشنی بدوؤں کے خوف سے نہیں کرتے کہ روشنی دیکھ کر تاک تاک کر بندوقیں ریل پر ماریں گے۔ ہم اندھیرے میں ہی آرام سے سو رہے۔

۶ر دسمبر ۱۹۰۹ء۔ آج صبح کو ہم اُٹھے۔ حسبِ معمول نماز و وظائف میں مشغول رہے۔ اس ریل میں غسل خانہ بھی لگا ہوا ملا، مگر نہایت میلا اور بدبودار ہے۔ نل میں پانی ندارد ہے۔

افسوس کہ اس طرف کی ریلوں میں صفائی کا انتظام بالکل نہیں ہے۔ امید ہے آئندہ چل کر سب ہوجاوے گا۔ پہلے اور دوسرے درجہ کا نام ہی نام ہے۔ سب درجے ایک سے ہیں، البتہ بعض فرسٹ کلاس میں گدّے لگے ہوئے ہیں۔ تیسرا درجہ ندارد ہے۔ کرایہ بیس پچیس روپیہ تک ہے۔ ریل پہاڑوں میں سے خوب چکّر کھاتی ہوئی جاتی ہے۔ نہایت اونچے پہاڑ راستے میں ملتے جاتے ہیں۔ الغرض شب ہوگئی اور سو رہے۔

۷/دسمبر ۱۹۰۹ء۔ آج چوتھا روز مدینہ چھوڑے ہوگیا۔ صبح ہی ہم دونوں اُٹھے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ آج ۳ بجے دن کے دمشق پر ہم کو اُترنا ہے۔

دمشق کی سیر:

میں نے یہ سن کر امینہ بی کو حکم دیا کہ سامان درست کرلو، آج اترنا ہے۔ یہ دونوں ترک بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمارے سامان کی حفاظت کرتے ہیں۔ بعد تین بجے کے ہماری ریل دمشق کے اسٹیشن پر ٹھہر گئی۔ اس راستہ میں ہم کو بڑے بڑے اسٹیشن ملے۔ اسٹیشنوں پر غسل خانے آرام کے ملے۔ پانی کے نل جابجا لگے ہیں۔ دمشق کا اسٹیشن بھی اچھا رونق دار اور بڑا ہے۔ ہم ریل سے اُترے۔ کوک نوکر بدستور تیار ملا، مگر ایک عرب ہوٹل والا ملا۔ اس نے بہت تعریف کی اور کہا کہ آپ ہمارے ہوٹل میں چلیں۔ آپ مسلمان ہیں اور ہم بھی مسلمان ہیں، آپ ضرور میرے یہاں چلیں۔ نواب صاحب نے اس کے اصرار پر ہوٹل کا نام پوچھا۔ اس نے کس قدر پیارا نام بتایا۔ کہنے لگا، ''مدینۂ منورہ میرے ہوٹل کا نام ہے۔'' میں نے یہ سنتے ہی نواب صاحب سے کہا کہ آپ اسی ہوٹل میں چلیں، مجھے اس نام کا ہوٹل پسند ہے۔ نواب صاحب بھی یہ نام سن کر خوش ہوئے۔ صاحب ہوٹل نے ہمارا سامان اٹھا کر ایک عمدہ فٹن میں رکھا۔ ہم ہوٹل میں آئے، کرایہ فی کس دس آنے روز معلوم ہوا۔ مجھ کو حیرت ہوئی کہ اس قدر سستا۔ میں نے اس عرصہ میں جرمن و انگریزی ہوٹل دیکھے ہیں کرایہ دس دس روپے آٹھ آٹھ روپے دیے ہیں۔ آج یہ پہلا ہوٹل مسلمان ملا ہے۔ ہم اندر آئے۔ زینہ سنگ مرمر کا تھا۔

سیڑھیوں پر فرش دیکھ کر خوش ہوئی کہ ہوٹل تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جب اوپر پہنچے تو ایک کمرہ ملا جس میں چھ پلنگ لگے ہیں، مگر بستر میلا، کمرے کے کونوں میں جالے لگے ہوئے ہیں۔ عمارت نہایت عالی شان عمدہ ہے، مگر سامان کچھ نہیں۔ میز نہایت میلی، آئینہ ٹوٹا ہوا۔ انگریزی ہوٹل میں، میں نے دیکھا کہ کمبل کے نیچے ایک چادر لگا دیتے ہیں تاکہ کمبل کو کسی کا پسینہ نہ لگے۔ ایک مسافر اوڑھ لے تو دوسرے کے لیے فوراً وہ چادر بدل دیتے ہیں اور کمبل محفوظ رہتا ہے، پسینہ کی بو سے خراب نہیں ہونے پاتا۔ یہاں بجائے کمبل کے لحاف ہیں، وہ بھی اتنے میلے کہ پسینہ کی بو آتی ہے۔ افسوس ان لوگوں کو کب صفائی آئے گی۔ ان کے لحافوں کے نیچے چادر نہیں لگائی جاتی۔ کمرے بہت خوبصورت ہیں۔ فرش نہایت عمدہ سنگ سیاہ و سنگ مرمر کا ہے۔ افسوس صفائی نہیں۔ اکثر انگریزی ہوٹل میں جب چاہو پانی گرم و سرد ملتا ہے۔ یہاں گرم پانی ندارد صرف ایک تولیہ ملا وہ بھی میلا بدبودار۔ (۳۹) میں نے سرکار سے کہا کہ خیر اب تو آ گئی، ایک شب یہاں رہوں گی۔ صرف اس خیال سے نام نہایت مبارک ہے اور اہل دین کا یہ ہوٹل ہے ورنہ میں تو ایک منٹ یہاں نہ ٹھہرتی، ایک کمرہ اور لیا اور امینہ بی سے کہا کہ تم اس میں سو رہو۔ اب میں نے غسل خانہ دیکھا تو نہایت غلیظ، ایسی بدبو کہ دماغ سڑ گیا۔ ایک کھڈی بنی ہوئی ہے۔ پانی سب بہہ رہا ہے۔ ٹین کا ایک میلا لوٹا اور ایک ٹپ پانی سے بھرا رکھا ہے، اس ٹپ میں ٹونٹی لگی ہے۔ اگرچہ غسل خانہ میں بھی فرش سنگ مرمر کا ہے لیکن افسوس اس کو بھی بے حد میلا کر رکھا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھ سے تو اس کھڈی پر نہیں جایا جاتا۔ نواب صاحب نے ایک پِس پاٹ میرے لیے خرید کر منگوایا۔ غسل خانہ اس قدر چھوٹا ہے کہ دروازہ بند کرنا مشکل ہے۔ صاحب ہوٹل نے کہا کہ ۱۰ ر شب کے ٹھہرنے کے لیے مقرر ہیں۔ کھانا، چائے، کافی ہمارے یہاں نہیں مل سکتا۔

میں نے ان سب چیزوں کو دیکھ کر سرکار سے کہا کہ اس وقت ابھی چار بجے ہیں، غسل خانہ صاف نہیں ہے اور میں نہا کر چلنا چاہتی ہوں۔ یہاں سنا ہے کہ سید الشہداؑ مظلوم کربلا،

مقتول ظلم و جفا نواسہ رسول محمد مصطفیٰ ؐ امام حسین علیہ السلام کا سر انور دمشق میں دفن ہے نیز دیگر پیغمبروں کے مزارات اور بہت سے بزرگوں کے مزار بھی ہیں۔ یہ سُن کر میرا دل بہت خوش ہوا کہ کیسی کیسی زیارتیں ہم دونوں کو نصیب ہو رہی ہیں۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ اچھا میں پوچھتا ہوں کہ یہاں نہانے کا مقام کس جگہ ہے۔ مالک ہوٹل سے سرکار نے دریافت کیا، اس نے جواب دیا کہ ''**مافی حمام الی هوٹل لاکن حمام فی البلد**۔''(۴۰) میں نے یہ سن کر کہا کہ کیسی مشکل ہے کہ حمام بجائے گھر میں ہونے کے شہر میں ہے۔ میں اب کیسے غسل کروں اور جلدی سے تیار ہوں۔ ریل میں تمام چھینٹیں وغیرہ پڑی ہیں۔ وقت عصر آ گیا ہے اور ٹھہرنا صرف ایک ہی شب ہے۔

تب سرکار نے کہا کہ ''یہاں کا قاعدہ ایسا ہی ہے، حمام زنانہ و مردانہ شہر میں ہوتے ہیں اور سب وہیں جا کر زن و مرد غسل کرتے ہیں۔ کیا غریب کیا امیر سب کا دستور یہی یہ ہے۔ حمام آرام دہ نہایت عمدہ ہوتے ہیں۔ نہانے والے موجود رہتے ہیں۔''

میں نے کہا کہ اگر یہی دستور ہے تو اچھا مجھ کو حمام لے چلو۔ میں جلدی سے نہا کر زیارت کو چلتی ہوں۔ یہ کہہ کر میں نے ایک جوڑا کپڑا، صابن بیسن، کنگھی وغیرہ چھوٹے بیگ میں رکھ لیا۔ امینہ بی کو ہوٹل میں سامان کے پاس چھوڑا۔ سرکار نے بھی کپڑے لے لیے کہ میں بھی حمام کر لوں گا۔

ایک حمام میں سب ننگے:

ہم دونوں ہوٹل سے روانہ ہوئے یہاں سے قریب ہی ہم کو دو حمام ملے ایک مردانہ دوسرا زنانہ۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے ایک عورت نکلی۔ مجھ کو دیکھ کر کہا کہ ''**مرحبا تفضل تفضل**۔''(۴۱) یہ سن کر میں اندر گئی۔ سرکار نے کہا جلدی فراغت ہو آنا، میں بھی جلد ہی نہا کر نکل آؤں گا اور تمھارا انتظار کروں گا۔ میں اچھا کہہ کر اندر گئی۔ دیکھا تو یہاں تیس چالیس بیبیاں جمع ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کمروں میں فرش ہو رہا ہے، قالین بچھے ہیں۔ بیچ

انگنائی میں آئینہ دار چھت پڑی ہوئی ہے تا کہ روشنی تو آئے مگر ہوا نہ آئے۔ انگنائی کے بیچ میں ایک حوض پانی سے بھرا ہوا ہے۔ گوری گوری سُرخ وسفید بیبیاں نہا کر کپڑے بدل رہی ہیں۔ بعض کپڑے اتار کر اندر حمام میں نہانے کو جا رہی ہیں۔ دمشق کے تمام مرد وزن کو میں نے گورا گورا دیکھا سوائے حبشی لوگوں کے۔ میں ٹھہری کہ یہ تو بڑی مشکل ہوئی، جب سب نہا لیں تو نہانا شروع کروں۔ میں اسی خیال میں کھڑی تھی۔ ایک بی بی میرے پاس آئی اور بیگ ہاتھ سے لے لیا اور کپڑے اتارنے لگیں۔ میں نے کہا، ''**اصبر اصبر**'' اس نے کہا ''**لا اجر**'' اور خدا جانے کیا بولتی رہی عربی میں۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ نہیں مانتی تو خاموش ہوگئی۔ اس نے سب کپڑے میرے اُتار ڈالے، میں نے ایک تولیا لپیٹ لیا۔ یہ میرا ہاتھ پکڑ کر لے چلی۔ جب میں نے کمرے میں قدم رکھا تو اوہو پاؤں جل گئے۔ اوپر روشن دان بنے ہیں، گرم دھواں سب باہر نکل جاتا ہے۔ میں نے کہا، ''اری ظالم ٹھہر میرے پاؤں جلے جاتے ہیں'' مگر وہ گھسیٹ رہی ہے کہ ''آؤ اندر چلو۔'' غرضکہ تین درجہ گزر کر چوتھے درجہ میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ یہاں سب بیبیاں بالکل برہنہ پانی کے نلوں کے پاس بیٹھی نہا رہی ہیں۔ ایک نل سے گرم ایک سے سرد پانی نکلتا ہے۔ نلوں کے پاس چھوٹے چھوٹے حوض بنے ہیں، ایک ساتھ دونوں نل چھوڑ دو تو پانی سمو جاتا ہے۔ اس عورت نے مجھ کو مل مل کر نہلانا شروع کیا، بلکہ دو چار جو نہا رہی تھیں اپنا نہانا چھوڑ کر مجھ کو لپٹ گئیں۔ ملنا شروع کیا اور عربی میں پوچھا کہ ''تم کون ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟'' میں نے کہا، ''**انا هندی. الهند حمام البيت البلد مافی حمام لاكن نهاانا شوفته حمام فی البلد البيت مافی انا تعجب۔**''(۴۲)

بڑی مشکل سے دو چار باتوں کا جواب میں نے دیا مگر ان سب بیبیوں نے مجھ کو اس طرح نہلایا کہ عمر بھر تو نہائی نہ ہوں گی۔ میں تو جلدی کرتی ہوں اور وہ سب پانی ڈالے جاتی ہیں۔ مشکل سے پیچھا چھٹا اور میں نے وہی گیلا تولیہ باندھ لیا تا کہ برہنہ باہر نہ جاؤں۔ مگر یہ سب کہتی ہیں کہ ''**یا اختی كلهم حرمه ها۔**'' میں نے کہا ''**نعم لاكن انا بغيت**

رومال ۔'' جب میں چلنے لگی تو پھر مجھ کو پکڑ لیا اور کہا ''مابروح مابروح حبس حبس شوی شوی'' میں نے کہا، ''ما اصبرانا عجلت انا الجوز الباب فی ۔'' تب انھوں نے مشکل سے مجھے چھوڑا۔ اب میں باہر نکلی مگر یا تو اندر جاتے وقت اوّل درجہ میں پاؤں جلنے لگے تھے یا نکلتے وقت اوّل درجہ سے ہی سردی لگنے لگی۔ میں جلدی سے بھاگ کر باہر نکل آئی اور تخت پر بیٹھ گئی۔ ایک بی بی پاس آ کر میرے بال پونچھنے لگی اور پوچھا ''انت الھندی طیب'' میں نے کہا، ''کثیر طیب ۔''(۴۲) غرض اب میں تیار ہوگئی اور ایک شلنگ اس بی بی کو دیا۔ سلام کر کے اپنا بیگ لے کر میں باہر آئی۔ یہاں سرکار میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ اوّل ہم ہوٹل آئے۔ بیگ ایینہ بی کو دے دیے اور فوراً یہاں سے چلے۔

مسجد اموی:

اوّل مسجد اموی جو مشہور مسجد ہے، وہاں چلے۔ ہم جلدی جلدی اس طرف جاتے ہیں تاکہ وقت پر پہنچ جائیں اور نماز مغرب میں شریک ہوسکیں۔ راستے میں دمشق کے بازار دیکھے۔ یہاں کے بازار چھت دار ہیں تاکہ لوگ بارش اور دھوپ سے محفوظ رہیں۔ اکثر بازار کھلے ہوئے بھی ہیں۔ اکثر مقام پر پانی کی نہر رواں ہے۔ اہل دمشق سب سُرخ و سفید ہیں۔ لباس عورتوں کا بالکل یورپین ہے، بال بھی مثل یورپین لیڈیز کے بنے ہوئے ہیں البتہ ٹوپی نہیں ہوتی۔ یہ بیبیاں کیا امیر کیا غریب جب واک کے لیے یا شاپنگ کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہیں تو ایک سادا اسکرٹ پہنتی ہیں۔ سر کے اوپر ایک ویسی ہی شال جیسی اسکرٹ کا رنگ ہوتا ہے، ڈال لیتی ہیں جو ہاتھوں تک آ جاتی ہے۔ چہرے پر نقاب، ہاتھوں میں دستانے، چھتری لگائی اور باہر نکل آئیں۔ اکثر بوڑھی خواتین سر پر قصابہ باندھ لیتی ہیں۔ مگر لباس وہی یا تو مثل ڈریسنگ گون کے یا وہی اسکرٹ بلاؤز مثل یورپین لیڈیز کے پہنتی ہیں۔ بچوں کو وہی فراک، بعض رومال بھی کانوں تک باندھ لیتے ہیں۔ یہاں رواج ہے کہ تمام مسلمان خواتین بے تکلف سیر کو جاسکتی ہیں۔ یہ بہت بڑا آرام ہے۔ خدا ہند کی قید بے جا سے خواتین کو بچائے۔

ایک بات مجھ کو اور پسند آئی کہ جب خواتین باہر نکلتی ہیں تو مرد دور ہو کر راستہ چلتے ہیں، عورتوں کا ادب کرتے ہیں۔ برخلاف ہند کے کہ عورتوں کی کوئی عزت مردوں کے آگے نہیں۔ افسوس ہے اہل ہند پر۔

جوڑی لگی ہوئی گاڑیاں بہت سستی کرایہ پر ملتی ہیں اور ہر وقت مل سکتی ہیں۔ فٹن وغیرہ سب طرح کی سواریاں آسانی سے مل سکتی ہیں۔ ہمارے ہند میں تو یکّہ تانگہ عام لوگوں کے لیے ملتے ہیں، یہاں عمدہ عمدہ گاڑیاں عام طور پر چلتی ہیں۔ ہم سب دیکھتے بھالتے مسجد اموی کے دروازہ پر آن پہنچے۔ ابھی نماز مغرب میں دس منٹ ہوں گے جو ہم داخل مسجد اموی ہوئے۔ میں نے اس مسجد کو نیچے اوپر سے خوب دیکھا۔ میں اس مسجد کی تعریف بیان نہیں کر سکتی۔ بہت ہی بلند اور بہت ہی بڑی نہایت خوبصورت ہے۔ فرش مسجد نہایت عمدہ قالین کا ہے۔ روشنی کا سامان شیشہ آلات سے نہایت آراستہ ہے۔ درودیوار تمام سنگ مرمر کے ہیں۔ مسجد کا صحن بہت بڑا میدان ہے جس میں تمام سنگ مرمر کا فرش ہے۔ اب مسجد کے تمام جھاڑ روشن ہو گئے۔ خوبصورت دیوار گیریاں بھی روشن کر دی گئیں۔

مسجد اموی میں نماز:

رئیس ممبر [منبر] پر چڑھا۔ مغرب کی اذان نہایت خوش الحانی سے شروع ہوئی۔ ہم نے اوّل دو رکعت نماز داخلہ مسجد ادا کی۔ اب جماعت کھڑی ہوگئی۔ تکبیر کی آواز کان میں آئی۔ غالبًا ہر کونے پر ایک ایک مؤذن تکبیر کہتا ہے، اسی وجہ سے قریب و بعید تکبیر کی آواز، وقت رکوع و سجود برابر سُنائی دیتی ہے، کیونکہ میں آخر میں ہوں اور آواز تکبیر برابر سُنائی دے رہی ہے۔ **الحمدللّٰہ** کہ نماز مغرب ادا ہوگئی۔ اب میں نے نگاہ اٹھا کر جو دیکھا تو کیا دیکھتی ہوں کہ چار معلّم چار طرف بیٹھ گئے۔ ایک طرف حنفی، ایک طرف شافعی، ایک طرف مالکی، ایک طرف حنبلی اور وعظ و درس تمام لوگوں کو دینے لگے۔ **ماشاء اللّٰہ** کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کس قدر دین اسلام کی روشنی اس طرف پھیلی ہوئی ہے۔ ہر وقت برابر ہر کام شرع شریف کے

موافق نہایت پابندی سے ادا کیا جاتا ہے۔ درحقیقت اسلامیت ان ہی اطراف میں ختم ہے۔ ہم نے کچھ دیر درس و وعظ سنا، مگر افسوس یہ وعظ و درس عربی و ترکی زبان میں تھا، جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے مزار پر:

تھوڑی دیر میں ہم دونوں حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السّلام پیغمبر کے مزار شریف کے پاس آئے۔ یہ مزار مبارک مسجد کے بڑے کمرے کے درمیان میں ہے۔ چاروں طرف نہایت خوبصورت کٹہرا سونے چاندی کے کام کا بنا ہے جو چمک رہا ہے۔ مرقد مبارک نہایت بڑا اور اونچا ہے۔ ہم پردہ اُٹھا کر چوکھٹ پر کھڑے ہوگئے اور فاتحہ پڑھی، سلام ادا کیا۔

حضرت ہود علیہ السّلام کا مزار:

اس کے بعد حضرت ہود پیغمبر علیہ السّلام کے مقام پر آئے۔ یہاں صرف سبز پتھر کا نشان دیوار میں لگا دیا ہے۔ نیچے سنا ہے کہ مزار مبارک ہے۔ یہاں بھی سلام و فاتحہ ادا کی۔

حضرت خضر علیہ السّلام کا مزار مبارک:

اب ہم یہاں سے مشرف ہوکر حضرت خضر علیہ السّلام کے مقام پر حاضر ہوئے۔ یہاں بھی ایسا ہی نشان دیوار میں لگا ہے۔ ہم دونوں نے سلام بنام حضرت خضر علیہ السّلام ادا کیا۔

شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کے سر مبارک کا مزار:

اب ہم دونوں یہاں سے سب دیکھ کر اور **الحمد للّٰہ** کہ زیارات سے مشرف ہوکر شہید ستم، مظلوم و صابر سبطِ اصغر رسول کریم اپنے پیارے جناب امام حسین علیہ السّلام کی خدمت میں چلے۔ یہاں سُنا ہے کہ میرے پیارے امامؑ کا سر مبارک دفن ہے۔ بارے ہم دونوں یہاں حاضر ہوئے، نہایت ادب سے کھڑے ہوگئے۔ یہاں پہنچتے ہی ایک عجیب کیفیت و اثر قلب پر ہوا، جو ناقابل بیان ہے۔ نواب صاحب نے کہا کہ دیکھو کیسا اثر قلب پر ہو رہا ہے۔

میں نے کہا کہ ہاں اور آنسو ہم دونوں کے جاری ہوگئے۔ دل ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ یہاں سے ہٹیں۔ ایک گھنٹہ کامل ہوگیا، مگر ہم دونوں یہاں حاضر ہیں، دل اُٹھنے کو ہرگز نہیں چاہتا۔ جب عشاء کی اذان کان میں آئی تب ہم دونوں کا دل ہوشیار ہوا۔ مکرّر فاتحہ و سلام ادا کیا اور رخصت ہوئے۔ اللہ اللہ اہل بیت نبیؐ کی توجہ و تصرف امتِ عاصی پر جس کا دل اس مزے سے واقف ہو چکا ہو، بس وہی اس کا لُطف سمجھ سکتا ہے۔ میں اپنے قلب کے تسکین و آرام پانے و متاثر ہونے کا حال بیان نہیں کرسکتی۔ اب ہم مسجد کے دالان میں آئے اور جماعت کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔ **سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ** کہ نماز عشاء ادا ہوئی اور جلسہ برخاست ہونا شروع ہوا۔ ہم دونوں بھی مسجد سے باہر نکلے اور آہستہ آہستہ بازار کی سیر کرتے آرام سے ہوٹل میں آئے۔ یہاں کھانا ہوٹل والے نے خرید رکھا تھا۔ کھانا کھایا، کافی پی۔ کافی یہاں نہایت مزیدار ہوتی ہے۔ بعد کافی پینے کے آرام سے سو رہے۔

۸ر دسمبر ۱۹۰۹ء۔ آج صبح کو ہم لوگ اٹھے، **الحمد للّٰہ** کہ نماز فجر ادا ہوئی۔ کچھ ناشتہ کیا۔ میرا دل چاہا کہ ایک بار اور حمام میں جا کر نہاؤں۔ اوّل تو بدن کو آرام ملا تھا، دوسرے یہ بھی ہمارے سفر کی یادگار ہے۔ یہ خیال کر کے میں نے سرکار سے کہا تو انھوں نے صاحب ہوٹل سے پوچھا کہ کیا صبح کو حمام تیار ہوتا ہے، ہم پھر حمام جانا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا "**لا بعد ظهر رفتانی** ۔" (۴۳) ہم کو ۱۲ بجے کی گاڑی سے جانا تھا تب میں نے کہا کہ اچھا جانے دو، مگر تھوڑی دیر بعد مالک ہوٹل آیا اور کہا کہ "ایک حمام ہے جو آدھے گھنٹہ کے بعد کھلے گا۔ میری بی بی ابھی آتی ہے، آپ کی بی بی کے ہمراہ جاوے گی اور حمام بتا دے گی۔" تب میں نے اپنا بیگ لیا اور کپڑے وغیرہ رکھ لیے۔ تیار ہو کر بیٹھ گئی، عربن بی بی کے آتے ہی روانہ ہوجاؤں۔ اسی انتظار میں عربن بی بی بہت خوبصورت ترکی اسکرٹ پہنے، نقاب چہرے پر ڈالے آگئیں اور کہا، "**بسم اللّٰہ تفضل امشی** ۔" میں اس کے ہمراہ ہو لی۔ سرکار انتظام ریل کے لیے باہر سدھارے۔ یہ بی بی مجھ کو اپنے گھر میں لے گئی، اس کا گھر مجھ کو بہت پسند

آیا کیونکہ ہوٹل سے زیادہ گھر اور فرش صاف ہے۔ پانی کی نہر نہایت صفائی کے ساتھ ایک طرف جاری ہے۔ مکان دومنزلہ ہے۔ نیچے کی منزل دیکھتے ہوئے اوپر کی منزل پر آئی۔ یہاں ایک بڑا کمرہ دیکھا، فرش وغیرہ سب عمدہ قالین کا ہے۔ صوفے کرسیاں عمدہ رکھی ہیں۔ مالک ہوٹل کی امّاں ایک تخت پر بہت اچھا نرم نرم گدّہ بچھائے بیٹھی ہے۔ یہ بے چاری بی بی بہت ضعیف ہے۔ مجھ کو دیکھ کر بڑی مشکل سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور ''**تفضل تفضل** '' کہا۔ میں نے اس بی بی کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا اور کہا کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ اب صاحب ہوٹل کی بہن اور بچّی بھی آئی۔ یہ سب خواتین بالکل انگریزی لباس میں ہیں۔ بچّی فراک پہنے ہے۔ یہ لوگ بہت خوبصورت ہیں، رنگ ان سب کا نہایت سُرخ وسفید ہے۔ مجھ کو دمشق کے مکانوں کی قطع پسند نہ آئی۔ اوّل تو کئی کئی منزلہ ہوتے ہیں، دوسرے اکثر اندھیرے کمرے تاہم یہ کمرہ تو روشن ہے۔ بنچیں دیوار سے لگا کر خوب نرم گدّے دار بچھائی ہیں جن کے اردگرد سب بیٹھ جاتے ہیں۔ میں بھی صاحب ہوٹل کی ماں کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ سب بیبیاں عربی بولتی ہیں۔ افسوس کہ میں مشکل سے سمجھ سکتی ہوں۔ ان خواتین نے بہت خاطر کی، کافی پلائی۔ یہاں بلا دودھ کے کافی پیتے ہیں مگر نہایت بامزہ ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے پیالوں میں پی جاتی ہے جن کو یہاں فنجان کہتے ہیں۔ ۲۰ منٹ کے بعد مالک ہوٹل کی بی بی اُٹھی، نقاب چہرہ پر ڈال لی اور کہا ''**تعل یا ستّی نحنوی نحنوی حمام لازم** '' میں نے کہا ''**نعم** '' اوران سب سے مل کر ہاتھ چوم کر رخصت ہوئی۔ یہاں کا قاعدہ ہے کہ وقت رخصت ہاتھ ملاتے اور چومتے ہیں۔ میں اور یہ بی بی کوئی دس ہی منٹ میں حمام پہنچ گئے۔ بدستور سابق میں اندر گئی۔ آرام سے نہا دھو فارغ ہو کر کپڑہ وغیرہ پہن کر باہر آئی۔ ایک بشلک (۴۴) حمام والے کو دیا اور ۸ مالک ہوٹل کی بی بی کو۔ یہ خوش ہوگئی۔ راستہ میں سرکار ملے۔ دونوں ہوٹل آئے۔ سامان اور امینہ بی کو ہمراہ لیا، مالک ہوٹل کو جو دینا تھا دے دیا۔ مالک ہوٹل کی بی بی پھر آئی اور مجھ سے کہا چلو میں تم کو کچھ سیر یہاں کی کرادوں۔ میں نے سرکار سے کہا، ابھی تو تھوڑا وقت ہے آپ حکم

دیں تو میں اس بی بی کے ہمراہ یہاں کچھ دیکھ آؤں۔ سرکار نے اجازت دی۔ میں اس بی بی کے ہمراہ روانہ ہوئی۔ یہ مجھ کو ایک دکان میں لائی، دکاندار انگریز معلوم ہوا۔ میں نے پوچھا یو اسپیک انگلش؟ اس نے کہا، یس۔ یہاں گرم دستانے اور تین فراک جو خوبصورت معلوم ہوئے، خرید لیے اور جلدی سے ہوٹل واپس آئی۔

بیروت کو:

ہوٹل آئی تو سرکار میرے انتظار میں تھے۔ دونوں ہوٹل سے باہر نکلے۔ یہاں ایک عمدہ فٹن تیار ملی۔ دونوں سوار ہوکر اسٹیشن کو چل دیے۔ یہاں پہنچے تو ریل تیار ملی، فوراً ہی آرام سے بیٹھ گئے۔ امینہ بی کو دوسری طرف بٹھا دیا۔ یہ درجہ جس میں میں اور سرکار بیٹھے ہیں، نہایت آرام کا ہے۔ مخملی گدّے لگے ہوئے ہیں، گدّوں کے دونوں طرف بنچیں ہیں۔ صاف خوب ہے، مگر عجب ریل ہے کہ غسل خانہ ندارد ہے مگر فسٹ کلاس ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ سفر پندرہ گھنٹہ کا ہے۔ بیروت میں انشاء اللہ تعالیٰ اُترنا ہوگا۔

الحمد للہ ریل روانہ ہوئی۔ راستہ میں کوسوں تک نہر برابر برابر چلی جارہی ہے جو دمشق میں بھی تھی۔ باغات، درخت، چھوٹی چھوٹی آبادیاں ملتی جاتی ہیں، اوپر کی طرف پہاڑ نہایت اونچے اونچے اور خوب بلند نظر آتے ہیں، غرض کہ خوب سیر ہو رہی ہے۔ اب شام ہوگئی، چاندنی رات افسوس کہ نہیں ہے جو راستہ کی سیر ہوتی۔ سُنا ہے کہ شب کے ۱۱ بجے بیروت اُتریں گے۔ بیروت اب قریب آتا جاتا ہے، بیروت سے چند اسٹیشن پہلے دو صاحب ہمارے درجہ میں آئے۔ میں تو آرام سے ایک طرف لیٹ گئی، سرکار بیٹھے رہے۔ ان دونوں میں سے ایک تو اُتر گیا، ایک بیٹھا رہا، سرکار سے باتیں کرنے لگا۔ ان صاحب کے ہاتھ میں بہت سی ڈالیاں گل نرگس کی تھیں۔ انھوں نے چند ڈالیاں پھولوں کی سرکار کو بھی دیں۔ ایک اسٹیشن کے بعد یہ صاحب بھی اُتر گئے، پھر ہم آرام سے بیٹھے رہے۔ اتنے میں چلتی ریل میں گارڈ آیا اور ٹکٹ لے لیا۔ یہاں کا یہی قاعدہ ہے کہ ایک اسٹیشن قبل مسافروں سے ٹکٹ لے لیا جاتا ہے،

جس سے معلوم ہوا کہ اب ایک ہی اسٹیشن باقی ہے۔ دو ہی گھنٹہ میں بیروت آ گیا۔ یہ اسٹیشن آبادی میں ہے۔

بیروت میں:

ٹرین ٹھہری۔ ہم دونوں اُترے۔ سامان اتارا۔ یہاں پر قلی بُری طرح چپٹ کر جان کھاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے، میں سامان اٹھاؤں گا، دوسرا الگ بکے جاتا ہے۔ بڑی دقّت سے دو قلیوں کو منتخب کیا اور سامان اٹھوایا۔ ہوٹل یہاں کثرت سے ہیں اور قریب قریب ہیں۔ اس وقت شب کے ۱۲ بج گئے ہیں، دل چاہتا ہے جلدی ہوٹل میں چل کر سو رہیں۔ چند ہوٹل والے جو یہاں کے دستور کے موافق ہر ریل کے آنے پر اسٹیشن پر موجود ہوتے ہیں، آئے اور کہا، ہمارے یہاں چلو، ہمارے یہاں چلو۔ ہر ایک اپنے اپنے ہوٹل کی تعریف کرتا ہے، ناک میں دم کر دیا ہے۔ سرکار نے کہا، ہم کوک کمپنی کے آدمی کو تلاش کرتے ہیں، مگر یہ لوگ سنتے ہی نہیں۔ میں نے کہا کہ ایک شب تو ٹھہرنا ہی ہے اور وہ بھی آدھی رہ گئی ہے۔ چلو بھی ان میں سے کسی کے ہوٹل میں ٹھہر جاؤ۔ یہ سن کر سرکار نے کہا اچھا اور جو سب سے قریب کا ہوٹل تھا، اس میں آئے۔ اس کا نام ''کوکب الصباح'' ہے۔ یہ بھی ایک مسلمان کا ہی ہے۔ ہوٹل میں آ کر دیکھا تو وہی دمشق کے ہوٹل کی شان ہے، سنگ مرمر اور سامان سب کچھ ہے مگر میلا کچیلا۔ خیر الحمد للّٰہ کہ شب گزر گئی۔

۹ر دسمبر ۱۹۰۹ء ۔ آج صبح حسبِ دستور اٹھے۔ فریضۂ صبح سے فارغ ہو کر لباس درست کر کے تیار ہو گئے۔ نواب صاحب چائے پی کر جہاز کے بندوبست کو سدھارے، میں بھی بعد روانگی سرکار، نقاب پہن کر ہوٹل کے باہر آئی۔ اِدھر اُدھر سڑک پر واک کرنے لگی اور شہر کی عمارتوں کو دیکھتی رہی۔ دور اس خیال سے نہیں گئی کہ راستہ نہ بھول جاؤں۔ یہاں بھی ٹریموے چلتی ہے۔ میں سیر کر رہی تھی کہ سرکار تشریف لائے اور فرمایا کہ میں امینہ بی کو مع سامان کے جہاز پر پہنچا دیتا ہوں، جہاز ہو گیا ہے۔ تم ابھی ہوٹل میں ٹھہرو۔ میں نے کہا، بہت اچھا۔ سرکار

ایمنہ بی کو مع سامان اپنے ہمراہ جہاز پر لے گئے۔ میں ہوٹل کے اندر چلی آئی اور مالک ہوٹل سے زبان عربی کی مشق کرتی رہی۔ بقدر ضرورت اب عربی بول سکتی ہوں۔ اتنے میں ایک موتی فروش بھی آ گیا اور مجھ کو موتی دکھائے۔ میں نے چند دانے موتی پسند کیے، مگر یہ بہت گراں فروش ہے، جس کو میں نے ناپسند کیا اور موتی واپس کر دیے۔ میں زبان عربی کی پریکٹس مالک ہوٹل سے کرتی رہی۔ سرکار عالی واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ چلو تم کو بیروت کا شہر ٹریم میں بیٹھ کر دکھلائیں۔ جہاز کی روانگی میں ابھی عرصہ ہے۔ میں نے کہا، بہت خوشی سے میں بیروت کی سیر کرنے کو تیار ہوں۔ ہم ہوٹل والے سے رخصت ہو کر ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ تھوڑی دور تک تو واک کرتے چلے پھر ایک مقام پر ٹھہر کر ٹریموے میں سوار ہو گئے اور دو گھنٹہ خوب اِدھر اُدھر چلتے پھرتے رہے۔ ٹریموے میں کئی میموں سے ملاقات ہوئی۔ یہودی بھی ملے مگر یہ سب عربی و فرنچ بولتے ہیں۔ صرف ایک امریکن لیڈی ملی جس کو انگلش بھی آتی ہے۔ اس امریکن بی بی سے میری باتیں ہوتی رہیں۔ اس نے اپنا پتہ مجھ کو دیا اور میرا پتہ خود لیا۔

پھر جہاز پر:

دو گھنٹہ سیر کر کے ہم دونوں ٹریموے سے اُترے اور سیدھے جہاز کے اسٹیشن پر آئے۔ کشتی کے ذریعہ جہاز پر سوار ہو گئے۔ یہ جہاز بھی جرمن ہی ہے۔(۴۵) خدا معلوم یہ جرمن جہاز اس قدر میلے کیوں ہوتے ہیں۔ مجھ کو تو اس جرمن کمپنی کے جہاز سے نفرت ہو گئی ہے۔

یہ جہاز اگرچہ پہلے جرمن جہاز سے بڑا ہے مگر وہی میلا کچیلا۔ گھوڑے، گائیں، مرغیاں بھی لا کر جہاز پر چڑھا رہے ہیں۔ ان جانوروں کی بدبو تمام میں پھیل رہی ہے۔ میں تو اپنی کیابن میں آ گئی۔ یہاں چار پلنگ کی کیابن ہے اور اچھی ہے۔ میں آ کر ٹھہری ہی تھی کہ چار میمیں اور اس کیابن میں آ گئیں۔ تین تو اسی جگہ ٹھہریں، چوتھی دوسری طرف چلی گئی۔ میں اور تینوں میمیں اپنا اپنا سامان درست کر کے آرام سے بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے

کہ کون بات کرنے میں سبقت کرتی ہے۔آخرکار میں نے ہی پہل کی اور پوچھا کہ آپ کہاں سے آئی ہیں؟ کدھر جارہی ہیں؟ یہ سوال میں نے انگریزی میں کیا۔جس کا جواب کسی نے بھی ان تین میں سے نہیں دیا۔ میرا منہ دیکھ کر ہنس دیں۔ان کے ہنسی کے طرز اور بشرے سے میں سمجھ گئی کہ ان کی سمجھ میں میری زبان نہیں آتی۔تب میں نے ایک لفظ عربی میں کہا۔ان میں سے ایک نے خوش ہوکر جواب دیا کہ''**انا عرف عربی ما عرف انگلش، ما عرف فرنچ۔**''(۴۶) جب میری اوراس کی باتیں ہوئیں تو معلوم ہوا کہ دوسری عورت کو صرف فرنچ آتی ہے اور تیسری کو روسی زبان۔ ہم چاروں کو بہت ہنسی آئی کہ عجیب بات ہے، چار بیبیاں چار قوم کی ایک جگہ موجود ہیں اور کوئی ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھ سکتی سوائے اس کے کہ ایک دوسرے کا منہ تکتی ہیں۔البتہ جس کو عربی آتی ہے وہ اور میں کچھ کچھ باتیں کر لیتے ہیں کچھ اشارے سے سمجھ لیتے ہیں۔وہ دونوں روسی اور فرنچ سوا دیکھنے اور ہنسنے کے بالکل خاموش بیٹھی ہیں۔ ان تینوں کا لباس بالکل انگلش ڈریس کے موافق ہے۔تمیز وطریقہ بالکل جاہلانہ، بداخلاق، بے مروّت، بدمزاج ہیں البتہ یہ ایک بی بی جس کو عربی آتی ہے کچھ درست ہے۔۸ بجے کھانے کا بگل ہوا۔ ہم سب کھانے پر آئے۔ بعد فراغت میں اپنے کیابن میں آ گئی اور آرام سے سو رہی۔

جافہ میں:

۱۰/دسمبر کی صبح کو ہمارا جہاز جافہ پہنچا۔ میں اٹھی، منہ ہاتھ دھو کر کپڑے وغیرہ پہن کر تیار ہوگئی۔نواب صاحب نے تشریف لا کر فرمایا کہ آؤ ناشتہ کرواور سیر دیکھو۔ جہاز جافہ پر ٹھہر گیا ہے۔

میں نے کہا اچھا۔ ہم دونوں میز پر آئے۔ چائے وغیرہ پی اوراوپر ڈک پر گئے۔ یہاں میں نے گھوڑوں کو اور گاوؤں کو جہاز پر سے اتارتے دیکھا۔گاوؤں کے آگے پاؤں باندھ کر نیچے کشتی میں اتار دیتے ہیں اور گھوڑوں کو کمر میں رسّی باندھ کر اتارتے ہیں۔ یہاں سمندر میں

سنا ہے کہ تلاطم بہ نسبت اور مقام کے زیادہ رہتا ہے۔ حالاں کہ آج کل سمندر پرُسکون ہے مگر اس وقت بھی کشتیاں بہت ہل جل رہی ہیں اور جھکولے کھا رہی ہیں۔ میری کیابن میں سے دو میمیں اُتر گئیں مگر ساتھ ہی دو اور آ گئیں۔ یہ دونوں بھی روسی ہیں، مگر عربن میم موجود ہے۔ یہاں جہاز صرف ایک گھنٹہ ٹھہر کر روانہ ہوا۔ تمام دن میں کبھی اپنی ڈائری لکھتی، کبھی ڈک پر، کبھی کیابن میں آتی جاتی رہی۔ دن تمام ہوا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ ڈنر کا بل ہوا۔ ہم دونوں اور سب مسافر میز پر آئے۔ کھانا اس جہاز کا مجھ کو پسند نہیں ہے، مشکل سے کھایا۔ بعد ختم کیابن میں آ کر آرام کیا۔ سرکار نے بھی اپنی کیابن میں آرام فرمایا۔

گیارہ دسمبر کی صبح کو حسبِ دستور اٹھی۔ نواب صاحب کے ہمراہ میز پر گئی، ناشتہ کیا۔ اس جہاز پر صرف توس اور چائے ملتی ہے۔ مکھن جام میوہ وغیرہ ندارد۔ کھانا بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتا۔ جہاز بہت میلا ہے۔ الغرض میں ڈک پر جا کر ٹہلنے لگی۔ یہ عربن میم بھی اکثر کیابن میں ہی رہتی ہے۔ اس جہاز میں جی نہیں لگا۔ دن تمام ہوا، شب کو بعد ڈنر میں اپنی کیابن میں اور سرکار عالی اپنے مقام پر آرام سے سو رہے۔ ناظرین کو یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ ''سرکار عالی'' میں اپنے شوہر نواب سر بلند جنگ بہادر کو کہتی ہوں۔ غرضکہ یہ شب بھی گزر گئی۔

پورٹ سعید پر:

۱۲/دسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح ہوئی۔ جہاز پورٹ سعید پر ٹھہرا ہے۔ صبح ۵ بجے سے پورٹ سعید آ گیا ہے۔ میں چھ بجے اٹھی اور بہت خوش ہوئی کہ اب اس جہاز سے نجات مل جائے گی۔ جلدی جلدی منہ ہاتھ دھو کر تیار ہو گئی۔ سرکار بھی تشریف لائے۔ ہم دونوں نے اپنا سب سامان درست کیا۔ ناشتہ سے فراغت کے بعد عربن میم بھی میرے ہی ہمراہ کشتی میں اُتری۔ **الحمد للّٰہ** کہ خدا نے اس میلے جہاز سے نجات دی۔ امینہ بی مغلانی بھی ہمراہ ہے۔ نام اس جہاز کا میں بھولتی ہوں، سرکار کی ڈائری میں لکھا ہے۔ ہم دونوں پورٹ سعید کے اسٹیشن پر آئے، یہاں سب سامان رکھا گیا۔ سرکار جب سب کام سے فارغ ہو گئے تو امینہ بی کو مع سامان کے

ریل پر پہنچا دینے کے لیے قلی کو سمجھا دیا۔ بعد ازاں ہم پورٹ سعید کو دیکھنے کے لیے گئے۔ تھوڑی دیر شہر بھی دیکھا کیوں کہ وقت روانگی ریل کا ۱۲ بجے دن کے ہے اس لیے جلد واپس اسٹیشن ہونا ہے۔ تھوڑی دیر گھوم کر ایک اشٹران ہوٹل میں گئے۔ خوب کھانا یہاں کھایا۔ بعد ختم برکفاسٹ جلدی سے ریلوے اسٹیشن پر آ گئے۔ سرکار ٹکٹ وغیرہ لینے گئے۔ میں نے امینہ بی کو مع سامان کے ریل میں سوار کرا دیا خود بھی اپنے درجہ میں سوار ہوگئی۔ اتنے میں سرکار بھی آ گئے۔ ریل بھی فوراً روانہ ہوگئی۔ سرکار نے فرمایا کہ یہ ریل بدلنا پڑے گی اور سوئز جانا ہوگا۔ اسمٰعیلیا اسٹیشن پر بدلنا ہوگا۔ بعد دو یا تین اسٹیشن کے اسمٰعیلیا اسٹیشن آ گیا۔ ہم دونوں اترے، سرکار سامان اتارتے رہے۔ میں آگے بڑھ گئی اور امینہ بی کو اُتروایا۔ سامنے ہی دوسری ریل تیار کھڑی تھی۔ میں نے اوّل امینہ بی کو اور سامان کو درجہ میں چڑھا دیا۔ پھر میں اور سرکار دونوں اپنے درجہ میں آ کر بیٹھ گئے۔ اس طرف اس قدر گرد اور ریت اُڑتی ہے کہ تمام بنچیں گرد و غبار سے بھری ہوئی ہیں۔

سوئز اسٹیشن:

ساڑھے چار بجے ہم لوگ سوئز اسٹیشن پر پہنچے۔ الحمد للّٰہ کہ ہم دونوں اترے۔ یہ شہر بہت چھوٹا سا ہے۔ یہاں بھی ہوٹل وغیرہ ہیں، مگر دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ جہاز کا اسٹیشن یہاں سے دُور ہے۔ سرکار نے فرمایا کہ کو جہاز کے قریب ٹھہرنا چاہیے کیوں کہ حالات دریافت کرنے ہیں۔ ایک فٹن بہت عمدہ جوڑی لگی ہوئی کرایہ پر لی، سامان دوسری گاڑی پر بار کیا۔ امینہ بی کو بھی اسی میں بٹھا کر روانہ کیا۔ فٹن میں ہم دونوں روانہ ہوئے۔ راستہ میں سیر کرتے سوئز کنال دیکھتے ہوئے کوئی ۲۰ منٹ میں جہاز کے اسٹیشن (۴۷) کے قریب یہاں ایک ہوٹل جو اسٹیشن کے پاس ہی تھا۔ یہ ہوٹل بظاہر تو چھوٹا معلوم ہوا لیکن اندر سے بہت خوبصورت و آراستہ، الکٹرک لائٹ اور بہت صاف و آرام کا ہے۔ ہم نے دو کمرے لیے، ایک میں سامان اور امینہ بی کو ٹھہرایا دوسرا اپنے لیے۔ شب کو ہاتھ منہ دھو کر ڈرس کر کے تیار ہوگئے۔ ڈنر

کابل ہوا، دونوں میز پر آئے کھانا بہت اچھا ملا۔ بعد فراغت کمرے میں آ کر آرام سے سو رہے۔ بفضل خدا شب بسر ہوگئی۔

۱۳ر دسمبر کی صبح کو اٹھے۔ بعد نماز فجر ناشتہ کیا۔ سرکار بندوبست کے لیے باہر گئے۔ میں نے چند خطوط حیدرآباد، لکھنؤ حضرت پیرومرشد ووالد وغیرہ کو اس عرصہ میں لکھ ڈالے۔ سرکار بھی بندوبست کر کے واپس آ گئے۔ پھر ہم دونوں نے برکفاسٹ کھایا۔ کھانا عمدہ تھا۔ کھانے کے بعد جہاز پر چلے۔ سمندر کے کنارے سے آہستہ آہستہ ٹہلتے اسٹیشن پر آئے۔ سرکار نے مجھ کو اسٹیشن پر ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ اس کے قریب اور کئی کمرے پڑے ہیں۔ باہر اور بہت سے حاجی ٹھہرے ہیں۔ یہاں پاس پورٹ وغیرہ دکھایا۔ ڈاکٹر نے آ کر نبض دیکھی۔ ترک یہاں بہت نظر آتے ہیں، پولیس بھی سب ترکی ہیں۔ میں ایک کرسی پر بیٹھی سب دیکھا کی۔ اپنا بیگ اور چھتری پاس رکھ لی۔ میرے کمرے کے سامنے بالکل قریب کوئی ۵ قدم پر جہاز مثل ریل کے پلیٹ فارم کے کنارے لگا کھڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سمندر اس مقام پر زیادہ گہرا ہے اور زمین اونچی ہے۔ جو جہاز کنارے سے آ لگا ہے سیڑھی بھی جہاز سے پلیٹ فارم پر لگی ہے، لوگ برابر جہاز پر چڑھتے اترتے ہیں۔ گاڑیاں، بگھیاں، اونٹ بہت چڑھائے جا رہے ہیں، سنا ہے کہ گزشتہ کل خدیو مصر جدّہ روانہ ہوگئے ہیں، اب سب سامان ان کے لیے جا رہا ہے۔ (۴۸) پھریرے بھی اسٹیشن پر لٹک رہے ہیں۔ بہت احتیاط اور عمدگی سے گاڑیاں چڑھائی جا رہی ہیں۔ سنتے ہیں تین بجے جہاز چھوٹ جائے گا۔

قریب ایک گھنٹہ کے سرکار کو یہاں انتظام میں لگا، اب وہ بھی فارغ ہوگئے۔

تُرکی جہاز پر:

ہم دونوں مع سامان کے جہاز پر آ گئے۔ جہاز کا نام ''خدیوتیل بوٹ'' ہے، یہ جہاز ترکی ہے۔ (۴۹) مسلمان اور انگریز دونوں اس پر ملازم ہیں۔ بہت صاف ہے، ہم فسٹ کلاس میں ہیں۔ ہماری کلاس میں زنانہ انتظام بھی بہت اچھا ہے۔ زنانہ انتظام میں نے اسی جہاز پر دیکھا

ہے۔ یہ بھی ایک اسلام کی شان ہے اگر چہ پی۔اینڈ۔او کے جہاز کی برابری تو نہیں کرسکتا تاہم بہت ہی آرام کا اور صاف ہے۔ آسٹرین کمپنی کے جہازوں کی غلاظت سے تو بس خدا ہی بچاوے۔ ہم دونوں نے اپنا سامان سب درست کر لیا۔ سرکار سامنے ایک دوسری کیابن میں رہے، میں زنانی طرف کی کیابن میں ٹھہری۔ میری کیابن میں چھ پلنگ ہیں، غسل خانہ بہت قریب اور بہت عمدہ ہے۔ امینہ بی کو قریب سامنے ایک مقام پر ٹھہرایا۔ وہاں سرکار کی کیابن میں تین پلنگ ہیں۔ میرے مقابلہ میں ہی سرکار کی کیابن ہے۔ میں نے اوّل سی باتھ لیا۔ اس وقت ڈھائی بجے ہیں دن کے۔ جہاز ابھی ٹھہرا ہوا ہے۔ ڈرس وغیرہ کر کے تیار ہوگئی۔ سرکار بھی تیار ہوگئے۔ دونوں ڈک پر آئے۔ یہاں قنات کی چھت گیری لگی ہوئی ہے۔ بہت کثرت سے مسافر بھرے ہوئے ہیں، جو ڈک پر ہی بستر جمائے ہیں۔ یہ سب حج کو جا رہے ہیں۔ جہاز روانہ ہوا۔ اس وقت بجائے تین کے ساڑھے تین بجے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد مسافروں نے وضو کیا۔ یہاں اذان شریف کی آواز بھی سننے میں آئی۔ آہا کیا اسلامی برکت ہے۔ ہم دونوں بھی آواز سنتے ہی نیچے اُتر آئے اور وضو کیا۔ سرکار نے باہر اور میں نے کیابن میں نماز عصر ادا کی، بعد میں ڈائری لکھنے بیٹھ گئی۔ اسی اثنا میں مغرب کی اذان ہوگئی۔ نماز ادا کی، نماز کے بعد ذرا چلنے پھرنے لگی کیوں کہ ہمارے فسٹ کلاس میں سوائے ہم دونوں کے اور کوئی دوسرا مسافر نہیں۔ تمام فسٹ کلاس خالی ہے۔ میں آرام سے چلتی پھرتی ہوں۔ اب ڈنر کی میز تیار ہوگئی۔ کھانا میرے سامنے لگا۔ سنا کہ سیکنڈ کلاس میں کل سات آدمی ہیں۔ تھرڈ کلاس والے بے چارے صد رحمت ان پر بہت ہیں۔ ہم دونوں نے نماز عشاء ادا کی۔ بعد فراغت میز پر آئی۔ کھانا عمدہ نفیس ملا، خوب کھایا۔ ہمارے ساتھ کپتان نے بھی جو ایک بوڑھا تجربہ کار اور مسلمان آدمی ہے کھانا میز پر کھایا۔ خوب مذہبی باتیں کیں، آیات کلام شریف بھی سناتے رہے۔ بعد فراغت طعام آرام کیا۔

کوہ طور سینا کے قریب قیام:

۱۴ردسمبر کی صبح کو اٹھی۔ نماز فجر ادا کی۔ امینہ بی بے چاری کو آج بہت چکّر آ رہا ہے۔ ذرا دیر بعد ہمارا جہاز طور سینا پر ٹھہر گیا۔ سُنا ہے کہ یہ کوہ طور سینا صحیح ہے۔ نظرت میں جو سنا تھا، وہ صرف نام رکھا ہوا ہے۔ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السّلام اسی سمندر سے اپنی قوم کے بارہ قبیلوں کو لے کر اُتر گئے تھے۔ فرعون یہاں ہی غرق ہوا۔ اسی سمندر میں سے ایک راہ دریائے نیل کو جاتی ہے۔ ہم دونوں نے حضرت موسیٰؑ پیغمبر کے لیے فاتحہ پڑھی۔ یہاں جہاز بہت کم ٹھہرا۔ میوہ بھی سنا ہے یہاں بہت پیدا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السّلام اُترے تھے، اس کی ایک طرف کو غرب، دوسری طرف کو زعفران کہتے ہیں۔ اب شام ہوگئی۔ بعد نماز عشاء سو رہی۔ ۱۵ردسمبر کی صبح کو ہمارا جہاز للوجہ نام مقام پر ٹھہرا ہے۔ یہاں دیکھا کہ سلطان خدیو مصر کا سامان اونٹ گاڑیاں وغیرہ سب اُتر رہا ہے۔ موٹر کار بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد واپسی مکّہ معظّمہ خدیو مصر اسی مقام سے مدینۂ طیبہ جائیں گے۔ بہت سامان ہمراہ ہے۔ میں تیار ہو کر میز پر آئی۔ نواب صاحب بھی تشریف لائے۔ ناشتہ کے بعد ہم دونوں ڈک پر آئے۔ سرکار ٹہلتے رہے۔ میں ایک طرف کو آگے بڑھی تو چند مصری عورتوں کو دیکھا کہ تیسرے درجہ میں بیٹھی ہیں۔ ہماری ڈک کے اور ان کی ڈک کے درمیان دروازہ ہے، میں قریب دروازہ کے گئی۔ دروازہ کھول کر ان کو اپنی طرف بلایا تا کہ عربی میں کچھ بات کروں۔ یہ غریب شریف بیبیاں قریب دروازہ کے آ کر بیٹھ گئیں اور عربی میں باتیں کرنے لگیں۔ عربی زبان اب میری سمجھ میں ذرا زیادہ آنے لگی ہے۔ ان کے برقعہ ولباس وغیرہ کو میں نے خوب دیکھا۔ یہ سب بھی حج کے لیے مکّہ معظّمہ جا رہی ہیں۔ زیادہ کچھ حال ان کا معلوم نہ کر سکی، عربی زبان پوری طرح سے مجھ کو نہیں آتی۔ ان بیبیوں سے رخصت ہو کر سمندر کا تماشہ دیکھنے لگی۔ یہاں لال وسنہری مچھلیاں بہت ہیں۔ لوگ پکڑ پکڑ کر لاتے اور فروخت کرتے ہیں۔ تمام مسافر خرید کر پکاتے ہیں۔ خدا اہل اسلام پر رحم فرمائے اور رسول پاکؐ مدد کریں۔ جہاں یہ بے چارے

رہتے ہیں کثرت سے کوڑا، میل پھیلاتے ہیں۔ مسافروں نے تمام میلا کر رکھا ہے۔ اس جہاز کے ملازم سست و بے قاعدہ ہیں۔ ہمارا ویٹر وقت پر جوتا و کیابن صاف نہیں کرتا۔ ملازم بدمزاج بھی ہیں۔ تمام دن میں نے یہ تماشہ دیکھا۔ بآلاخر دن تمام ہوا۔ وقت پر ڈنر ہوا۔ بعد فراغت ڈنر کے میں کیابن میں آئی اور اپنی ڈائری میں تمام دن کا حال لکھا اور آرام سے سو رہی۔

ہم دونوں اپنے وقت پر اُٹھے وضو کیا۔ نماز فجر ادا کی، کپڑے پہن کر میز پر آئے۔ بعد فراغت ڈک پر گئے۔ دیکھا کہ آج تمام جہاز دھویا جا رہا ہے۔ آج ۱۶/دسمبر ۱۹۰۹ء ہے۔ کہتے ہیں کہ آج دن کے پانچ بجے رافع آئے گا، یہاں سے سب احرام باندھیں گے۔ کپتان نے کہا کہ جب رافع آئے گا میں بگل بجا دوں گا۔ تم سب تیار ہو جانا۔ میں حسبِ عادت ڈک پر کٹہرے کے پاس کھڑی یہ باتیں سُن رہی تھی کہ میری ساڑھی ایک لوہے کی سلاخ میں جو وہاں لگی تھی اور بڑھتی گھٹتی تھی، لپٹ کر سلاخ کے ساتھ چلی۔ اب جو میں نے دیکھا تو اس کے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ اندر چلی۔ میں نے اس کو اپنی طرف گھسیٹنا شروع کیا مگر وہ نہ نکلی۔ سرکار دور کھڑے تھے، وہیں بیٹھ گئی اس انتظار میں کہ ابینہ بی آوے تو قینچی منگوا کر ساڑھی کتر ڈالوں، مگر خدا کی قدرت کہ وہ سلاخ پھر اوپر کو کھسکی اور میری ساڑھی بہت میلی ہو کر آسانی سے نکل آئی۔ تب میں نیچے اتر آئی اور اس کو بدل ڈالا۔ دو بجے دن کے اسٹورڈ نے آ کر کیابن صاف کی۔ اس جہاز کے نوکر کچھ الّو ہیں۔ قالین ٹیڑھا بچھا دیا ہے۔ میں نے سیدھا کرنے کو کہا تو آپ جواب دیتے ہیں ''نور مائنڈ۔'' (۵۰) مجھ کو ہنسی آ گئی۔ ساڑھے تین بجے ہم دونوں نہا کر نئے کپڑے پہن کر احرام باندھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ عصر کی اذان شروع ہو گئی۔ سرکار تو مردانہ میں نماز کو سدھارے، میں نے کیابن میں ادا کی۔ بعد نماز عصر بگل ہوا، رافع آ گیا۔ ہم سب نے احرام باندھ لیا ہے۔ اسی عرصہ میں شام ہو گئی۔ وقت پر ڈنر ہوا، بعد فراغت آرام سے سو رہے۔

عرب کی مقدّس سرزمین

۱۷ردسمبر کو صبح ہی ہمارا جہاز جدّہ شریف پہنچ گیا۔ ہم دونوں حسبِ قاعدہ اٹھے، وضو کیا، نماز فجر ادا کی، تیار ہو کر باہر نکلے تو دیکھا کہ جہاز ٹھہرا ہوا ہے۔ بارش خوب ہو رہی ہے۔ سامان وغیرہ سب باندھ لیا ہے، اُترنے کو تیار ہیں مگر کوئی کشتی بارش ہونے کی وجہ سے مسافروں کو لینے کے لیے نہیں آئی۔ صرف ایک کشتی پر آتے جاتے ہیں۔ بعد تین گھنٹے کے جب بارش تھم گئی تب کشتیاں آنی شروع ہوئیں۔ مسافر اترنے لگے۔ یہ بہت بڑی بڑی کشتیاں ہیں۔ ایک ایک کشتی میں پچاس پچاس مسافر سوار ہو کر روانہ ہو رہے ہیں۔ ہم دونوں ٹھہرے رہے۔ جب مسافر اتر چکے تب آخری کشتی میں جو ذرا خالی تھی اگرچہ اس میں ۲۰ مسافر بیٹھ گئے ہیں، ہم دونوں اُترے۔ ان کشتیوں کا نام ''بگلہ'' ہے، ان میں ایک بڑا پھریرا لگا ہوتا ہے، ہوا سے چلتی ہیں۔ ہوا کے رُخ پر اس بڑے پھریرے کو بدلتے رہتے ہیں۔ ہوا اس وقت بند ہے اس لیے کشتی آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ بارش بند ہے۔ تین گھنٹہ میں مع الخیر کنارے پر پہنچے۔ شہر جدّہ میں اترے۔ شکر خداوند عزّ وجل کا ادا کیا۔ اسباب وغیرہ لے کر محمود اصفی کے گھر پر آئے۔ ان کو ہمارے نواب صاحب جانتے ہیں۔ یہ صاحب ہمیشہ مسافروں کو ٹھہرایا کرتے ہیں۔ جس کمرے میں ہم ٹھہرے ہیں یہ خاصہ اچھا ہے۔ قالین وغیرہ کا فرش بھی موجود ہے۔ کھانا بھی اس نے اچھا کھلایا۔ یہ شب یہاں آرام سے گزر گئی۔

اونٹ کی سواری:

۱۸ردسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح کو ہم دونوں اٹھے۔ **الحمد للّٰہ** کہ نماز فجر ادا کی۔ اونٹوں وغیرہ

کا انتظام پہلے سے ہی کروا لیا تھا۔ نماز کے بعد ناشتہ کیا۔ اونٹ مع شغدف کے تیار موجود ہیں مگر آج آسمان ابر آلود ہو رہا ہے۔ اس وقت ساڑھے آٹھ بج گئے ہیں۔ محمود اصفی نے آ کر کہا کہ ''میری بی بی وغیرہ بھی ملنا چاہتی ہیں۔'' میں نے بہت خوشی سے منظور کیا۔ دوسری طرف ذرا اوپر زینہ کے چڑھ کر ان سے ملاقات کرنے آئی، یہ تین بیبیاں ہیں، ایک صاحب خانہ کی بی بی، ایک بہو، ایک بیٹی۔ عربی بولتی ہیں، بہت محبت سے پیش آئیں۔ میں نے مشکل سے ان کی زبان سمجھ کر کچھ جواب دیا اور حتی الامکان خوشی وممنونی ظاہر کر کے واپس آئی۔ ہم دونوں اور میری مغلانی امینہ بی سامان وغیرہ لے کر مکان کے باہر آئے۔ شغدف کو دیکھا کہ اونٹ پر لدا ہے۔ اونٹ کی گردن سے سیڑھی لگا کر شغدف میں چڑھنا پڑے گا۔ یہ سُن کر میرا دل ڈر گیا کہ ''کیوں کر چڑھوں، کہیں سیڑھی پھسل نہ جائے۔''

نواب صاحب نے دو عرب ملازم بھی یہاں رکھ لیے ہیں۔ ان سے اقرار ہو گیا ہے کہ تمام زمانۂ حج تک فی کس دو اشرفی تم کو دیں گے۔ یہ دونوں بہت خوش اور راضی ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام عبدالرحمٰن ہے، یہ ذرا اُردو بھی بول سکتا ہے، دوسرے کا نام سیدی ہے۔

سیڑھی شغدف سے لگا کر ہمارے ملازم اور ایک بدّو کھڑے ہو گئے۔ اللہ کا نام لے کر میں چڑھ گئی، سرکار بھی چڑھ آئے۔ امینہ بی کو محمود اصفی کے پاس چھوڑ دیا کہ کل دوسرے قافلہ کے ہمراہ جو سامان باقی ہے اس کو اور امینہ بی کو آرام سے روانہ کر دینا۔ بسم اللہ کر کے ہمارا اونٹ روانہ ہوا، قافلہ سے جا ملا۔ اونٹ بہت آہستہ چلتے ہیں خواہ بوجھ ہو یا نہ ہو۔ سلسلہ وار ایک اونٹ کی رسّی دوسرے اونٹ کی رسّی سے بندھی ہوئی ہے، آگے پیچھے چلے جاتے ہیں۔ یہ قافلہ بہت بڑا قریب پانسو اونٹ کے ہے۔ جیسے ہمارا قافلہ روانہ ہوا ویسے ہی یک دم بارش نے آن دبایا۔ موم جامہ جو شغدف پر لگایا ہوا تھا، ہوا اس قدر چلی کہ اُڑ گیا۔ دریاں جو دھوپ کے سایہ کے لیے باندھی تھیں وہ بھیگ کر پانی اندر ٹپکنے لگا۔ پھر کیا تھا تمام پانی اندر تھا اور ہم سر سے پاؤں تک بھیگ گئے تھے۔ بستر بھی تمام بالکل تر ہو گیا تھا۔ سرد ہوا تیر کی طرح بدن

میں گھس رہی ہے۔ خیال آیا کہ باران رحمت آ رہا ہے، چلو یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ بدّ و اس قدر خوش نظر آتے ہیں کہ کیا کہوں۔ بے حد خوش ہو ہو کر کہتے ہیں کہ ''بڑا ہی مبارک قافلہ ہے کہ ۷ برس کے بعد بارش یہاں ہوئی ہے۔ ہم مارے سردی کے دانت کٹ کٹانے لگے۔ کیوں کہ اللہ میاں کا فضل وکرم شامل حال ہے، کچھ پروانہیں۔ راستہ میں کہیں درخت تک کا سایہ نہیں، نہ کوئی مقام ایسا کہ قیام کریں۔ قافلہ برابر رواں ہے۔ ہر دو طرف پہاڑ سلسلہ وار چلے جاتے ہیں۔ اگر کہیں کہ ''بھائی ذرا اونٹ روک لو'' تو بدّ و کہتا ہے کہ ''کیا قافلہ سے جدا ہو جاویں تا کہ کوئی تنہا دیکھ کر آ کر لوٹ لے۔''

''اچھا بھائی چلے چلو۔'' کامل دو گھنٹہ بارش رہی اور قافلہ برابر رواں رہا۔ اب شکر **الحمد للّٰہ** کہ پانی رُکا، دھوپ نکل آئی مگر ہوا برابر چل رہی ہے۔ اس ہوا نے البتہ اتنا کام ضرور کیا کہ سارے کپڑے میرے بدن پر سوکھ گئے۔ سر کھول نہ سکی کیوں کہ احرام بندھا تھا۔ سرکار نے اپنا اوپر کا احرام کا تو ال جو بالکل بھیگ گیا تھا عبدالرحمٰن ملازم کو دیا کہ دوسرے اونٹ پر جو سامان کا ہے، ڈال کر سکھالے، مگر میرے سارے کپڑے میرے بدن پر سوکھ گئے۔ فضل خدا ایسا ہوا کہ بعد بارش بند ہو جانے اور کپڑے خشک ہو جانے کے ہمارا مزاج درست رہا، ذرا تکان نہ ہوا بلکہ بھوک اب لگ آئی۔ نیچے کا بستر بھی نکال کر سامان کے اونٹ پر ڈلوا کر سکھوا لیا۔ سامنے چند پھوس کی دکانیں نظر آئیں۔ سُنا کہ یہاں کافی یعنی قہوہ بکتا ہے۔ ہمارا ملازم جلدی دوڑا گیا اور دو پیالیاں قہوے کی لے آیا کہ ''یہ دو پیالیاں ایک ایک ہلل قیمت کی ہیں'' خود بھی تھوڑا اس میں سے پی لیا۔ میں نے کہا، یہ کیا، تم نے جھوٹا کیوں کیا تو کہا کہ ''**انا اسلام انت اسلام سوا سوا**'' (۵۱الف) سرکار نے تو پی لیا مگر میں نے نہیں پیا۔ یہ پیالیاں قہوہ کی بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی ہیں۔ دو دو کوس پر یہ جھونپڑیاں جہاں قہوہ ملتا ہے راستہ میں ملا کرتی ہیں۔ یہاں میں نے شغدف رکوایا، ہم دونوں نے اتر کر وضو تازہ کیا۔ اس عرصہ میں قافلہ سامنے جاتا رہا کیوں کہ پانسو اونٹ ہے۔ ہم بھی سوار ہو گئے اب اوسان بجا ہیں، کھانا ہمراہ

ہے۔ ٹفن باسکٹ منگوا کر کھولا اور دونوں نے کھایا جو بچا بدّو ملازموں کو دے دیا۔ وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اب ذرا بدن میں گرمی آ گئی اور وقت عصر بھی ہو گیا۔ شغدف میں ہی نماز عصر بھی ہم نے ادا کی۔ کھانا پا کر جمّال اور دونوں ملازم ایسے خوش ہوئے کہ ہمارا اونٹ بھگا کر درمیان میں قافلہ کے لے جا کر باندھا اور بہت اہتمام سے ''ہٹو بچو'' کرتے جاتے ہیں، ہم سے کہتے جاتے ہیں ''بے فکر رہو، آرام سے بیٹھے رہو، ہم ساتھ ہیں۔'' بندوق کندھے سے لگا لی ہے، کارتوس دونوں کی کمر سے بندھے ہیں۔ اونٹ پر سامان کے باری باری سے بیٹھ بیٹھ جاتے ہیں۔ الغرض شب کے ۷ بجے منزل پر پہنچے۔ یہ چھوٹی سی بستی ہے اس کا نام ''بحرہ'' ہے۔ ہر طرف جھونپڑیاں مسافروں کے لیے موجود ہیں، دکانوں پر لمپ کی روشنی ہو رہی ہے، کھانا مٹھائی وغیرہ بک رہے ہیں، چارپائیاں پڑی ہوئی ہیں، لوگ کافی پی رہے ہیں۔ تربوز بھی دکانوں پر موجود ہیں۔ یہ سیر دیکھتے ہوئے ایک میدان میں داخل ہوئے۔ یہاں ہمارے اونٹ کو قافلہ سے علیٰحدہ کر لیا اور ایک جھونپڑی کے دروازے پر پہنچے۔ یہ رات چاندنی ہے، چاند کی روشنی چاروں طرف ہو رہی ہے، قافلہ نظر آ رہا ہے۔ ہم شغدف سے اُترے، میں ذرا تھک سی گئی ہوں۔ جھونپڑی کے اندر آ ئی۔ بستر ابھی پورا سوکھا نہ تھا، بہرحال زمین پر بچھا کر سوکھا سوکھا دیکھ کر میں تو لیٹ گئی۔ اس عرصہ میں نواب صاحب بھی آ گئے۔ ذرا دیر بعد جمّال بدّو اندر آیا اور کہا ''یا شیخ بخشش۔'' سرکار نے کہا ''اچھا مکّہ چل کر لینا'' عبدالرحمٰن نے سمجھایا کہ ''یا جمّال آپ کو بخشش مکّہ معظّمہ میں ملے گی خوش رہو۔'' تب وہ باہر چلا گیا، مگر ذرا دیر بعد پھر آیا کہ ''قہوہ پیو۔'' ہم اٹھے اور قہوہ پیا مگر سونٹ ملی ہونے کے باعث ہم کو پسند نہ آیا۔ جمّال نے پھر کہا کہ ''ہم نے سُنا تھا کہ آپ نواب اور بیگم ہیں۔ ہم خوش تھے کہ بخشش بہت ملے گی۔'' میں نے جواب دیا کہ ''**لا انا خانم انا ما بیگم**۔'' (۵۲) بعد میں، میں نے عبدالرحمٰن سے سمجھوایا کہ بھائی ان سے کہہ دو کہ ''نواب اور بیگم کے ٹھاٹھ کچھ اور ہی ہوا کرتے ہیں، ہم دونوں رسول مقبولؐ کے در کے لونڈی وغلام، دربار میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے واسطے بخشش کے

حاضر ہوئے ہیں۔ ہم نہ نواب نہ بیگم'' تب وہ خاموش ہوگیا۔ مگر عبدالرحمٰن نے نواب صاحب سے کہا کہ ''یا شیخ آپ خاندانی امیر نظر آتے ہیں، میری عقل میں یہ ہی آتا ہے۔'' نواب صاحب ہنسے مگر میں نے جواب دیا کہ ''عبدالرحمٰن یہ تیری محبت کا خیال ہے، ورنہ ہم ادنیٰ کنیز و غلام رسول مقبولؐ کے ہیں۔'' بہرحال عبدالرحمٰن بھی خاموش ہوگیا۔ اگر بدّوؤں کو معلوم ہوجائے کہ یہ مالدار ہیں اور روپیہ چھپاتے ہیں تو لوٹ لیتے ہیں مگر ہمارے نواب صاحب نے ایسا عمدہ انتظام کیا ہے کہ وقت پر ہم کو روپیہ برابر ملتا جاتا ہے۔ (۵۳) ہمراہ ایک پیسہ ضرورت سے زیادہ نہیں رکھا۔ مجھ کو بدوؤں سے ایسا خوف تھا کہ میں نواب صاحب کو ان سے زیادہ نہ بولنے دیتی تھی، خود ہی بول چال لیا کرتی تھی۔ کیوں کہ یہ عرب عورت کا بہت خیال کرتے ہیں اور مرد سے لڑ لیتے ہیں۔ اب ذرا دیر کے لیے سو رہے کہ عبدالرحمٰن آیا اور کہا ''یا شیخ یا شیخ اٹھو'' ہم نے پوچھا ''کیا ہے۔'' ''ہماری دو دو اشرفیاں ٹھہری ہیں نا'' ہم نے کہا، ''ہاں'' پھر باہر چلا گیا۔ میں نے کہا، خوب یہ اس کو اس وقت کیا یاد آیا؟ صبح کے ۴ بجے ہم دونوں اٹھے، وضو کیا، نماز فجر ادا کی۔ حسبِ عادت نواب صاحب کو میری زبان سے نکل گیا کہ ''سرکار شغدف لگوائیے۔'' بس یہ کہنا تھا کہ عبدالرحمٰن سرکار ہی پکارنے لگا۔ الحمدللہ کہ بعد ناشتہ ہم سوار ہو گئے۔ سرکار تو آرام سے شغدف میں لیٹ جاتے ہیں لیکن میں ڈر کے مارے بیٹھی رہتی ہوں۔

سرزمین حرم:

۱۹/دسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح کو قافلہ پھر مکّہ کی طرف روانہ ہوا۔ ظہر کے وقت ہمارے ملازم عربوں نے اونٹ قافلہ سے کھول لیا۔ ہم دونوں اُترے، وضو کیا، نماز ظہر ادا کر کے پھر سوار ہوئے۔ اونٹ بھگا کر قافلہ سے ملا لیا۔ اب عبدالرحمٰن نے کہا کہ ''سرکار زمین حرم شروع ہوگئی ہے، اب آپ دونوں لبیک پڑھتے چلو'' بموجب ہدایت عبدالرحمٰن ہم لبیک پڑھتے چلے۔ عصر کے وقت ہمارا قافلہ داخل شہر مکّہ معظّمہ ہوا۔ اہل مکّہ تو دیدار خانۂ خدا سے سیر ہیں مگر ہم تشنہ دیداروں کے دل سے پوچھنا چاہیے کہ اس وقت کیا شوق اور بے قراری ہے۔ دل یہی

چاہتا ہے کہ بس اب سیدھے حرم کو چلو اور خانۂ خداوندعزّ وجل کو دیکھو اور آنکھوں سے لگاؤ، جس کے لیے یہ مسافت برداشت کر کے خدائے پاک کے فضل وکرم سے آئے ہو۔

میرے اللہ کا گھر:

ہم دونوں خوشی خوشی اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔(۵۴) فوراً وضو تازہ کیا، سامان ملازموں کے حوالہ کیا اور جلدی سے ایک عجب شوق میں حرم پاک کی طرف روانہ ہوئے۔ میں اپنے قلب کی حالت بیان نہیں کر سکتی، لبیک برابر زبان پر جاری ہے اور آنسو آنکھوں سے بہہ رہے ہیں۔ سامنے سے باب حرم پاک نظر آیا۔ کیا شان جبروت میں بیان کروں۔ بہت جلدی بصد شوق قدم بڑھایا اور درِحرم کو چوما۔ سامنے حرم پاک نظر آ گیا۔ باب اسلام سے سر سجدہ کی خاطر جھکنے لگا۔ کیسا دل ربا میرے اللہ کا گھر ہے اللہ اکبر اللہ اکبر۔ کیا شانِ خدا ہے جس نے ہم دونوں کو ایسا سرفراز کیا۔ اپنا پاک متبرک گھر ان آنکھوں سے دکھایا۔ میں بے اختیار سجدہ میں گر پڑی۔ حالت خوشی وشوق بیان نہیں کر سکتی۔ تمام اہل اسلام، اپنے پیارے والدین، دوست احباب، اپنی اولاد کے لیے خوب دُعا مانگی۔ دل ہرگز نہ چاہتا تھا کہ سر سجدے سے اٹھاؤں۔ عجب طرح کا آرام وچین، سکون واطمینان قلب حاصل ہے اور خوشی ہو رہی ہے کہ ایسا لطف کبھی نہ ملا تھا۔ بہ ہزار مشکل سجدہ سے سر اٹھا، آنکھ کھول جلوۂ احدی کو دیکھا۔ یہ گھر کیا ہے کہ ایک نور ہے **العظمت للہ۔**

خانۂ کعبہ کا طواف:

اب میرے معلّم نے کہا کہ ''چلیے طواف کیجیے''، میں ایک عالم شوق میں پھر اُٹھی۔ والدین کا نام ہر دُعا میں جو کہ معلّم پڑھاتا ہے، آتا جاتا ہے۔ روحی فداک یا رسول اللہ یہ سب آپ کی بدولت، آپ کی سفارش سے جو ہم اپنے ساتھ لائے ہیں، نصیب ہو رہا ہے۔ ہم دونوں نے طواف خانہ جلّ علیٰ کا شروع کر دیا۔ آہا یہ وہ مقام ہے کہ آسمان جھکتا ہے۔ یہ وہ

مقدس سرزمین ہے جس نے روحی فداک سرور دوعالمؐ کے قدم چومے ہیں۔ بڑے بڑے اولیاء انبیاء یہاں چلے پھرے ہیں۔ مجھ کو اس وقت ازحد خوشی ہے۔ زبان پر یہ کلمہ جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ تو قبول فرمالے۔ تیرے حکم سے ہم دونوں حاضر ہوئے ہیں۔ تو نے ہر طرح سے سرفرازا ہے، تو خالق اکبر ہے۔ تیرے ہی دستِ قدرت میں سب شے ہے۔ ہم تیرے ہر وقت محتاج ہیں۔ جو دل تو نے پہلو میں دیا ہے وہ تیرے سامنے موجود ہے۔ بُرے ہیں یا بھلے ہیں تیرے بندے ہیں۔ الٰہی تو بخش دے از طفیل روحی فداک رسول مقبولؐ کے۔ دل ہرگز نہیں مانتا کہ یہاں سے ذرا بھی دور جاؤں، بہرحال اب وقت مغرب ختم ہوا، عشاء کا وقت آیا اور اللہ اکبر کی آواز سنائی دی، نماز کے لیے سب کھڑے ہوگئے۔

خوشی کے آنسو:

حرم پاک کے قریب ایک جگہ ہے اس کو حطیم کہتے ہیں۔(۵۵) اس مقام پر ہم نے نماز شروع کر دی۔ بعد فراغت خوب دل لگا کر نگاہ اونچی کر کے اس پاک گھر کو دیکھا، پھر حالت امید میں پردہ اٹھا کر اوڑھ لیا اور دیوار خانۂ کعبہ سے چمٹ کر بیٹھ گئی۔ اب میرے رونے کی حد نہیں ہے، خوشی وشوق اور محبت کے آنسو چشم تر سے مسلسل رواں ہیں۔ کچھ دیر بعد پھر اُٹھی۔ نگاہ جو اونچی کی تو دیکھا کہ چاند نکل آیا ہے۔ اس پاک گھر کے صدقے قربان ہو رہا ہے، بوسہ کی خاطر جھکا جاتا ہے۔ اس چاندنی میں نظارہ اور بھی پُرلطف معلوم ہوتا ہے۔

صفا ومروہ:

معلّم نے پھر آواز دی کہ ''چلیے صفا ومروہ دوڑیے۔'' اب ہم اس مقام مقدّس پر بھی آئے مگر یہاں بازار لگا ہوا ہے۔ یہ مقام حرم پاک کے دروازے سے باہر ہے۔ ایک مقام پر ایک نشان لگا دیا ہے، اس نشان سے دوسرے ایسے ہی نشان تک درمیان میں دُعا پڑھتے ہوئے ذرا تیز تیز چلتے ہیں۔ اس کو صفا ومروہ دوڑنا کہتے ہیں۔ نشانوں کے درمیان ایک آدھ میل کا

فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔(۵۶) ہر دوطرف دکانیں لگی ہیں۔ سات بار دوڑا جاتا ہے۔ یہ رُکن بھی بہت ہی اچھی طرح سے خدائے پاک نے ادا کروادیا۔ اب پھر ہم دوبارہ حرم پاک کے اندر حاضر ہوئے۔ کچھ نوافل ادا کیے، چاہِ زم زم کے پاس آ کر آبِ زم زم پیا۔ پھر میں نے خوب چاروں طرف دیکھا، دل باغ باغ ہوا جاتا ہے۔ حرم شریف سے رخصت ہوکر باہر آئے۔ معلّم نے احرام کھلوایا۔ شب کے دس بجے جائے قیام پر آئے، آتے ہی کھانا منگوا کر کھایا اور سو رہے۔

پھر خانۂ کعبہ میں:

۲۰/دسمبر ۱۹۰۹ء کو چار بجے صبح کے آنکھ کھلی۔ ہم دونوں حالت خوشی ومسرت میں اٹھے۔ وضو کر کے کعبہ شریف کی طرف روانہ ہوئے، باب اسلام سے داخل ہوئے۔ میں حطیم میں آ کر بیٹھ گئی۔ نواب صاحب بہادر جماعت میں شامل ہوگئے۔ یہ وقت نماز شافعی کا ہے۔ ہم نے اسی وقت نماز فجر ادا کی اور طواف شروع کیا۔ حجر اسود کو بوسہ دور سے لیا، کیوں کہ اس وقت خلقت کی کثرت ہے، حجرِ اسود تک پہنچنا خصوصاً ہم جیسے ناتوانوں کا بہت مشکل امر ہے، مگر ذاتِ باری تعالیٰ سے امید قوی ہے کہ وہ کسی دن ضرور قریب سے بوسہ حجرِ اسود کا عنایت کرے گا۔ اب روز روشن ہونے لگا، حنفی مذہب کی اذان کان میں آئی۔ اذان کی آواز سے خدائے تعالیٰ کی عظمت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ نماز کا وقت ہو چکا۔ ہم دونوں نے پھر طواف کیا اور صفا ومروہ کے مقام پر آ کر صفا ومروہ دوڑے۔ یہاں سے واپس جائے قیام پر گئے۔ یہاں آن کر ناشتہ کیا، وضو کیا اور حرم پاک کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں سنا کہ آج ہی ''مِنا'' کی طرف روانگی ہوگی کیوں کہ ۸/ذی الحجہ ہے۔ اونٹ معہ شغدف کے تیار ہے۔ محمود احمد سربلند جنگ بہادر کے بھانجے بھی ہمارے ہی ہمراہ بمبئی سے دوسرے جہاز میں روانہ ہوئے تھے۔ وہ ہم سے دو روز قبل سیدھے جدّہ ہوتے ہوئے مکّہ معظّمہ پہنچ گئے تھے اور اب ہمارے ہی ساتھ مقیم ہیں۔

مِنا [منیٰ] کی طرف روانگی:

ہم تینوں باہر آئے، قافلہ تیار پایا۔ مِنا جانے کے لیے خدا بخش انّا حلیم اللہ کی (۵۷)، امینہ بی مغلانی، محمود علی ملازم اور ہمارے دو ملازم سامان ضروری لے کر باہر آ گئے۔ ملازموں کو ایک اونٹ اور ایک گدھا دیا۔ خدا بخش نے پیدل چلنا پسند کیا۔ سرکار نے بھی ایک عمدہ سا گدھا لیا۔ میں اور محمود احمد شغدف میں سوار ہوئے اور بفضل خدا سب ''مِنا'' کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں سیر کرتے کراتے ٹھیک ظہر کے وقت مِنا میں داخل ہوئے۔ نواب صاحب وضو کر کے سیدھے یہاں کی بڑی مسجد میں حاضر ہوئے، میں بھی ان کے ہمراہ تھی۔ خدیومصر بھی حج کے لیے تشریف لائے ہیں۔ ان کے باعث بہت گڑ بڑ ہے اور زیادہ انتظام ہو رہا ہے۔ عام لوگوں کو مشکل سے مسجد کے اندر جانے دیتے ہیں۔ مصری پہرا کھڑا ہے مگر **الحمد للّٰہ** کہ ہم سب مسجد میں داخل ہو گئے۔ اتفاق سے ہم کو خدیومصر کے قریب جگہ ملی۔ نماز ظہر باجماعت ادا کی۔ بعد نماز میں نے چاروں طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس مسجد میں صرف ایک میں عورت ہوں اور سب مرد ہیں۔ نواب صاحب نے بعد نماز مجھ کو میرے خیمہ میں پہنچا دیا اور کہا کہ ''شاید اس مسجد میں مستورات نہیں آتی ہیں نماز میں سوائے تمھارے اور کوئی بی بی نہ تھی۔'' میں نے کہا، ''بہت اچھا، اب عصر، مغرب اور عشاء میں خیمہ میں ادا کروں گی۔ آپ مسجد میں جائیے، میرا خیمہ بہت آرام کا ہے۔'' نواب صاحب نماز عصر کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔ یہاں یہ انتظام بہت اچھا ہے کہ ہر نماز کے وقت خدیو کی طرف سے بندوقیں داغی جاتی ہیں۔ میں نے نماز عصر خیمہ میں ادا کی۔ بعد نماز کے خیمہ سے باہر آ کر جو نگاہ کی تو دیکھا کہ کوسوں تک ہزاروں خیمے استادہ ہیں۔ ہر طرف کثرت سے آبادی نظر آ رہی ہے، گویا بڑا شہر بسا ہوا ہے۔ تمام دنیا کی چیزیں، ہر قسم کی عمدہ عمدہ خوردنی اشیاء بک رہی ہیں۔ الغرض ہر شئے میں ایک شانِ باری نظر آتی ہے۔ عرصہ تک یہ سماں دیکھتی اور خوش ہوتی رہی۔ کچھ دیر بعد خیمہ کے اندر چلی آئی اور یادِ خدا میں مصروف ہوئی۔ ناظرین میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ قبول

کرے۔ میری توبہ اور مشاغل کو مقبولیت حاصل ہو اور خدا میرے حال پر رحم کرے اور عاقبت بخیر کرے۔ آج نویں شب ماہ حال کی ہے اور صبح ہی عرفات شریف جانا ہے۔ سُنا جاتا ہے کہ قاعدہ تو یہی ہے کہ جب مِنا میں پانچ نمازیں پوری ہو جائیں تو نماز فجر پڑھ کر جبلِ عرفات کی طرف روانہ ہوں مگر اژدہام خلائق اس کثرت سے ہے کہ ایک وقت میں قافلہ کی روانگی مشکل ہے۔ اس وجہ سے بہت سے لوگ شب کے ۱۲ بجے سے ہی روانہ ہونا شروع کر دیتے ہیں۔ نواب صاحب نے مجھ سے کہا کہ ''تم بھی محمود احمد کو لے کر مع ساز و سامان شب کے ۲ بجے ہی جبل عرفات کو روانہ ہو جاؤ۔ صبح کی نماز کا انتظار نہ کرو، لوگ کثرت سے ہیں، دیر نہ ہو جائے۔ ایسے وقت پر پہنچ جانا کہ خطبہ وہاں سُن لیا جائے۔'' میں نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔ مگر میں ساڑھے ۳ بجے روانہ ہونا چاہتی ہوں کیوں کہ نماز شافعی کا وقت چار بجے ہو جاتا ہے اور یقین ہے، ہمارا اونٹ آدھے گھنٹہ تک تو ضرور سرحد مِنا میں رہے گا۔ پس میں اونٹ پر ہی نماز فجر ادا کرلوں گی تاکہ میری پانچوں نمازیں سرحد مِنا میں پوری ہو جائیں۔ لہٰذا ہم دونوں اس پر راضی ہو گئے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ''میں تین بجے مسجد میں جاؤں گا اور وہاں سے سیدھا جبل عرفات شریف کو روانہ ہو جاؤں گا۔ تم فکر نہ کرنا ایک عرب ملازم میرے ہمراہ رہے گا۔ وقت پر انشاء اللہ تعالیٰ تمھارے پاس پہنچ جاؤں گا۔''

جبلِ عرفات کی طرف روانگی:

الغرض یہ شب تین بجے تک بہت ہی عمدہ خیال و حالت میں ذکرِ خدا وعزّ وجل میں بسر ہوئی۔ اب قافلہ روانہ ہوا۔ ہم سب بھی تیار ہو کر ٹھیک ساڑھے تین بجے شب کے چلنے لگے۔ شغدف میں میں اور محمود احمد بیٹھے۔ چاند اس وقت ڈھلنے پر آ گیا ہے۔ انتظار ہے کہ چار بج جائیں تو نماز فجر ادا کرلیں۔ ایسا نہ ہو کہ سرحد مِنا نکل جائے۔ یہ لو چار بج گئے۔ میں نے اور محمود احمد نے نماز فجر خانہ کعبہ کا تصور کر کے ادا کرلی۔ شکر ہے کہ سرحد مِنا میں پانچوں نمازیں ادا ہو گئیں۔ خدا نے یہ سعادت بھی بطفیل رسولؐ مقبول نصیب کر دی ہے۔ خانۂ خدا دیکھ لیا ہے

اور یہ آسانی ہوگئی ہے کہ اگر کسی وقت سفر میں قبلہ کا رُخ نہ معلوم ہوسکے تو تصور اس پاک مقدس گھر کا کرلیا اور نماز ادا کرلی۔ گویا کہ قبلہ آنکھ بند کرتے ہی نظر آنے لگتا ہے۔ خداوند پاک سب اہل اسلام اور محبان رسولؐ اور اہلِ بیت رسول اطہار کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بعد نماز فجر کے جو غور کیا تو دیکھا کہ آسمان ابر آلود ہے اور بجلی چمک رہی ہے۔ یہ دیکھتے ہی میں ڈر گئی، کیوں کہ اُس روز کا بھیگنا مجھ کو خوب یاد تھا۔ دعا مانگی کہ یا اللہ اس وقت تو پانی نہ برسانا، میں اس کا مزہ بہت اٹھا چکی ہوں۔ آج کل موسم سرما ہے۔ یہ دُعا مانگ کر شغدف کے اندر چھتری لگالی کہ ایسا نہ ہو پانی برسنے لگے۔ محمود احمد کو میری اس حرکت پر خوب ہنسی آئی۔ کہنے لگے کہ ''ممانی جان یہ شغدف میں چھتری کیسی لگائی؟ اس پر تو چھت ہے۔'' میں نے کہا، ''بس جناب رہنے دیجیے، اس چھت دار شغدف میں ہم بھیگنے کا خوب مزہ اٹھا چکے ہیں۔ مثل ہے کہ'' دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے۔''

ہم تو پانی برسنے کی فکر و تشویش میں تھے کہ یکا یک بندوقوں کے چھٹنے کی آواز دنادن آنے لگی۔ سنا کہ کچھ لوگ خوشی کے فیر کرتے جاتے ہیں مگر ہمارے ملازم عبدالرحمٰن نے دیکھا کہ چند بدّو اندھیرے میں ستانے کو آگئے ہیں۔ اُن کے ڈرانے کے لیے یہ بھی فیر کرتا چلا۔ میں ڈر گئی کہ یہ بدّو کیوں آگئے، کیا لٹیرے آگئے ہیں؟ اتنے میں غل سنا کہ بدّو کسی مسافر کی پوٹلی کاٹ کر لے گئے۔ اسی غل و شور میں دن نکل آیا اور ہمارا قافلہ بخیر وخوبی سرحدِ حج پہنچ گیا۔ ہمارا خیمہ وہاں نصب ہوا جہاں ہمارے نظام عالی جاہ کے شہر کا قافلہ اُترا کرتا ہے اور زرد جھنڈا لہرانے لگا۔ میں اُتر کر خیمہ کا انتظام کر کے فراغت سے بیٹھی ہی تھی کہ نواب صاحب بھی الحمد للہ مع الخیر تشریف لے آئے۔ آتے ہی غسل کیا۔ میں نے بھی ارادہ کیا کہ غسل کر لوں مگر کوئی ایسا موقع نہ تھا جہاں میں غسل کرسکوں۔ یہاں حکم ہے کہ کھانا قبل از زوال کھا لینا چاہیے۔ ہم دونوں نے اور محمود احمد و ملازمین نے اور سب نے کھانے سے فارغ ہوکر وضو کیا اور تسبیح و تحلیل میں مشغول ہوگئے۔

عرفہ کا روز:

آج ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۹ء مطابق ۹ر ذی الحجہ عرفہ کا روز ہے۔ نواب صاحب، محمود احمد اور مرد ملازم خطبہ کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہوگئے، صرف ایک عرب ملازم میرے پاس ٹھہر گیا۔ معلوم ہوا کہ عورتیں مسجد میں نہیں جاتیں۔ سامنے جبل عرفات پر ایک خاص مقام ہے صرف وہاں تک مستورات جاتی ہیں اور نماز وغیرہ پڑھتی ہیں۔ میں بھی بفضل خدا معلّم کے ہمراہ اس متبرک و مبارک مقام پر حاضر ہوئی۔ اللہ اکبر یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت آدمؑ وحضرت حوّاؑ دونوں ایک مدّت کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے۔ خدائے پاک نے ایک زمانہ کے بعد ان دونوں کو آپس میں ملایا تھا۔ جب سے ہی اس مقام کا نام جبلِ عرفات ہوا کیوں کہ ''عرف'' کے معنی ملاقات کرنے کے ہیں۔ یہ مقام بہت ہی مقبولیت اور اجابت دعا کا ہے۔ اس جگہ دُعا فوراً قبول ہوتی ہے۔ میں نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اپنے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے دُعا مانگی۔ ایک گھنٹہ تک حالتِ خوشی میں یہاں حاضر رہی۔ توبہ استغفار کرتی رہی۔ بعد میں بادل ناخواستہ اس مبارک مقام سے واپس ہوئی۔ دل ہرگز نہ چاہتا تھا کہ یہاں سے بھی اٹھوں۔ خداوند پاک بطفیل رسول اکرمؐ و اہلِ بیت اطہار مجھ کو نواب صاحب اور میرے والدین کو میری اولاد وجمیع اقربا واحباب کو نیز کل مومنین ومومنات کو بخش دے اور صراط مستقیم نصیب آمین ثم آمین۔ راستہ میں دیکھا کہ ایک شہر کا شہر آباد نظر آتا ہے۔ تمام بندگانِ خدا دل وجان سے پاک پروردگار کی حمد وثنا میں مشغول ہیں۔ جو کم نصیب ہیں وہ اپنے کھانے پکانے، لڑائی جھگڑے میں مصروف ہیں۔ احسن یہی ہے کہ قبل زوال کھانا کھا لینا چاہیے، مزدلفہ پہنچنے تک ہرگز کوئی چیز نہ کھانا چاہیے۔ بہرحال میں واپس خیمہ میں آئی۔ معلّم نے کہا کہ ''مغرب سے قبل یہاں سے چل دینا چاہیے۔ مزدلفہ ایک مقام ہے، نماز مغرب وعشاء ملا کر وہاں پڑھنا ہوگا اور شب وہیں گزرے گی۔'' میں نے کہا، ''بہت اچھا۔'' ۳ بجے دن کے سرکار نے کہلا بھیجا کہ ''تم اپنے وقت پر قافلہ کے ساتھ روانہ ہو جانا، میں بھی یہاں سے گدھے پر

روانہ ہو کر مزدلفہ کی مسجد میں پہنچوں گا۔ تم قافلہ کے ہمراہ اتر کر خیمہ نصب کرا کر عرب ملازم کو مسجد میں بھیج دینا، میں اُس کے ہمراہ تمھارے پاس آ جاؤں گا ورنہ مجھ کو تلاش کرنا ہوگا کہ تم کس مقام پر ٹھہری ہو۔''

میں نے کہلا بھیجا کہ ''بہت مناسب ہے۔'' اب میں نے نماز ظہر وعصر ملا کر ادا کی۔ بعد نماز دل میں آیا کہ اٹھو، خدا کے بندوں کو دیکھو کہ اس وقت کیا کرتے ہیں۔ ایک طرف خیمہ کے کھڑے ہو کر نظر اٹھا کر جو دیکھتی ہوں تو فوراً خیال آیا کہ ''اس ربّ بے نیاز کو تیری کیا پروا ہے جس کے کروڑہا بندے عبادت میں سربسجود ہیں۔ ایسی عبادت تجھ ادنیٰ سے ناممکن ہے۔ تیرا کیا حشر ہوگا۔ تو ناتواں نیک بندوں کی برابری کب کر سکتی ہے۔ اس خیال کے آتے ہی میرے آنسو رواں ہوگئے۔ اس قدر روئی کہ میری حالت غیر ہوگئی اور دُعا مانگی کہ اے ربّ بے نیاز بطفیل رسول اکرمؐ بحرمت جبل عرفات اور اپنے نیک بندوں کے مجھ گناہگار کو بخش دے۔

مزدلفہ کی طرف روانگی:

اب جو جو دن گھٹتا جاتا ہے اور وقت گزرتا جاتا ہے، مجھ کو خیال ہوتا ہے کہ ایسا متبرک دن اور اس قدر جلدی گزر رہا ہے۔ آہ جو شئے کہ دنیا میں آئی ہے وہ جائے گی۔ یہ دن بھی ختم ہوا۔ مغرب سے پہلے قافلہ کھڑا ہوگیا۔ میں بھی تیار ہوئی اور خیمہ وغیرہ اٹھایا گیا۔ شغدف آیا میں سوار ہوگئی۔ محمود احمد میرے ہمراہ ہی آ کر سوار ہوگئے۔ یا اللہ میں اس شغدف سے بہت تنگ ہوں، کوئی سواری ایسی نکال کہ آنے جانے میں آسانی ہو۔ یہ دعا کی اور مغرب سے ذرا قبل قافلہ کے ہمراہ روانہ ہوگئی۔ راستہ میں کئی مسافروں کے اونٹ گر پڑے، شغدف بھی گرے مگر سب بچ گئے۔ کسی کے چوٹ چھینٹ نہیں لگی۔ عشاء کے وقت ہمارا قافلہ مزدلفہ پہنچا۔ چاند سامنے سے نکلا ہوا ہے۔ سب اترے، اپنے اپنے شغدف اتارے۔ آہاہا! کیسا سہانا پن یہاں برس رہا ہے۔ نواب صاحب عرفات سے سیدھے خدیو مصر وغیرہ کے ہمراہ مسجد

مزدلفہ میں آ گئے۔ میں نے دیکھا کہ یہاں خیمہ نہیں لگایا گیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں شغدف میں رات بسر کرنی ہوتی ہے۔ سب کے خیمہ مِنا میں پہنچا دیے جاتے ہیں تا کہ کل صبح مِنا میں تیار ملیں۔ خیر میں نے بعد قیام کے عرب ملازم عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ ''مسجد مزدلفہ میں جاؤ، نواب صاحب کو ہمراہ لے آ ؤ۔ احتیاطاً کھانا ہمراہ لیتے جاؤ، اگر سرکار دیر میں آئیں تو کھانا وہیں کھلا دینا۔'' اس کے بعد میں نے، محمود احمد اور سب ملازموں نے کھانا کھایا۔ بعد فراغت وضو کر کے اپنے شغدف کے پیچھے جانماز بچھا کر نماز پڑھی اور اپنا حالِ زار اپنے رحم کرنے والے پروردگار عالم سے عرض کیا۔ اس وقت میرا دل یہاں بے حد لگا ہے۔ شکر ہے میرے دل میں ہر مقام بزرگ پر اپنے ماں باپ کو نہیں بھلایا۔ اوّل ان کے لیے بعد کو اور سب کے لیے دعا کرتی ہوں۔ اسی عرصہ میں نواب صاحب تشریف لائے اور معلّم صاحب سے دریافت کیا کہ ''حضرت میرا خیمہ کہاں ہے؟'' معلوم ہوا کہ یہاں کے قاعدے کے موافق خیمہ روانہ کر دیا گیا ہے۔

کیوں کہ اس وقت میدان میں خاصی سردی ہے، اس لیے نواب صاحب نے معلّم سے کہا کہ ''جناب اگر کوئی خیمہ بچ رہا ہو تو لگوا دیجیے کیوں کہ سردی زیادہ ہے ورنہ خیر۔'' تب معلّم صاحب نے تلاش کروایا تو معلوم ہوا کہ ایک خیمہ بھولے سے بچ رہا ہے۔ یہ بھی خدا کی شان ہے کہ حسب خواہش خیمہ عطا کر دیا۔ خیمہ لگایا گیا، ہم دونوں خیمہ کے اندر توبہ استغفار تسبیح و تحلیل میں مصروف رہے۔ نصف شب کے بعد سو رہے۔

الحمد للہ کہ ۲۳ر دسمبر کی صبح کو ہم بخیریت اٹھے۔ نماز فجر ادا کی اور تیار ہو کر باہر نکلے۔ دیکھا کہ قافلہ تیار ہے اور لوگ کنکریاں چن رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مزدلفہ سے کنکریاں لے جا کر مِنا میں شیطان کو مارا کرتے ہیں۔ میں نے اور نواب صاحب نے بھی کنکریاں چُن لیں اور روانہ ہوئے۔ خدیو مصر کا باڈی گارڈ اور فوج سب ہمراہ ہے، بڑا جلوس ساتھ ہے۔ عبدالرحمٰن ملازم میرا اونٹ قافلہ سے علیحدہ کر کے جلوس کے ہمراہ لے چلا تا کہ میں جلوس دیکھتی

چلوں۔ میرے ہمراہ محمود احمد بھی اونٹ پر ہیں۔نواب صاحب گدھے پر سوار ہیں۔ بندوقوں کے فیر ہو رہے ہیں کیوں کہ آج عیدالضحیٰ کا دن ہے۔تمام بندگان خدا احرام باندھے ہیں۔ فوج بھی احرام باندھے کیا بھلی معلوم ہوتی ہے۔

مِنا [منیٰ] میں داخلہ:

ہم سب آٹھ بجے دن کے بہت ہی خوشی کی حالت میں حمد وثنا الٰہی کرتے لبیک پکارتے ہوئے داخل مِنا ہوئے۔میں خیمہ میں آئی۔معلوم ہوا کہ بعد قربانی کے صرف بڑے شیطان کو ہی ےکنکریاں مار کر احرام کو کھول ڈالیں گے اور ۱۲/ تاریخ تک یہاں ہی قیام رہے گا۔ ہر روز تینوں شیطانوں کو کنکریاں مارنی ہوں گی۔۱۲/ تاریخ کو کنکریاں مار کر مکّہ معظّمہ روانہ ہوں گے۔ پھر حرم پاک میں طواف کیا جائے گا اور صفا و مروہ دوڑیں گے۔ساتھ ہی یہ بھی سنا کہ ''اگر آج کوئی بعد قربانی کے مکّہ معظّمہ جا کر حرم شریف کا طواف کرے اور صفا و مروہ دوڑے تو ثواب کثیر ملتا ہے مگر بعد طواف ایسی جلدی واپس آوے کہ نماز مغرب مِنا میں ہی ادا کرے کیوں کہ حسب قاعدہ مِنا میں تین روز رہنا ضروری ارکان حج سے ہے۔

خانۂ کعبہ کی کشش:

میں نے اپنے اللہ سے عرض کی کہ اے خداوندا تو مجھ کو اس وقت اتنی ہمت دے کہ میں ایسا ہی کروں۔ یہ نیت کر کے میں نے نواب صاحب سے عرض کیا کہ ''اگر آپ اجازت دیں تو میں بعد ختم قربانی اور شیطان کو کنکریاں مار کر سیدھی خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر طواف کروں اور صفا و مروہ دوڑ کر نماز مغرب تک مِنا میں حاضر ہو جاؤں۔'' سرکار نے جواب دیا کہ'' اونٹ تو سب بدّ و لے گئے، اب ۱۳ کو لاویں گے۔تم کیسے جاؤ گی؟ البتہ میرا گدھا موجود ہے۔'' یہ سن کر میں بہت خوش ہوگئی اور کہا کہ ''بہت اچھا اگر آپ حکم دیں تو میں گدھے پر ہی چلی جاؤں گی۔عبدالرحمٰن میرے ساتھ چلے گا۔ اگر چاہیں تو محمود احمد بھی چلیں۔'' سرکار نے اجازت

دے دی۔ میں یہاں کے کاموں سے فارغ ہو کر ۱۲ بجے دن کے حرم شریف کی طرف روانہ ہوئی۔عبدالرحمٰن ومحمود احمد پیدل میرے ہمراہ چلے۔گدھا خوب چلتا ہے۔ہم تینوں ایک گھنٹہ میں داخل حرم پاک ہوئے، نماز ظہر فوراً ادا کی، طواف اس پاک گھر کا کیا، صفا و مروہ دوڑے۔ بعد فراغت دیکھا کہ خدیو مصر بھی آج ہی مع جلوس داخل حرم شریف ہوئے۔ میں ایک طرف حرم شریف کے ٹھہری اور دل میں کہا کہ اے غفور الرحیم، میں تو اس خیال سے بیتاب ہو کر بھاگی آئی کہ طواف کے ہر پھیرے میں حجر اسود کا بوسہ لوں گی، کیوں کہ آج سب لوگ مِنا میں ہیں، میدان مجھ کو خالی ملے گا، مگر واہ ری تیری شان کہ سیکڑوں تیرے بندے کہیں اور سے اتنے آ گئے ہیں کہ آج بھی بوسہ دور ہی سے نصیب ہوا۔آج تو عید کا دن ہے آج تو میرے لب حجرِ اسود سے لگ جائیں۔آ گے تیری مرضی:

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے (۵۸)

ایک غیبی فرشتہ:

مجھ عاجز ناتواں کے دل میں یہ خیال آیا کہ اے اللہ اس وقت تو طرّہ یہ ہوا کہ خدیو مصر بھی آ گئے۔اب تو بوسہ کا اطمینان سے ملنا اور بھی دشوار ہوا۔فوراً ہی دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔یکایک ایک سدّی حبشی قوم کا آدمی عمامہ باندھے میرے پاس آیا اور کیا خوب سوال کیا کہ ''یاستی انت بغیت بوسہ؟'' یک دم میری زبان سے نکلا کہ ''نعم یا سیدی۔''(۵۹) اتنا کہتے ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور اس کثیر اژدہام میں بچا کر لے چلا۔اس آسانی سے کہ گویا میں سیدھی گھسی چلی جا رہی ہوں۔ایک دم میرا سر پکڑ کر حجر اسود پر جھکا دیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے مجھ کو گھیرے کھڑا رہا کہ میں دَب نہ جاؤں۔ میں نے متواتر کئی بوسہ لیے۔ بعد کو اس نے مجھ کو گھسیٹ لیا اور باہر نکال لایا اور کہا کہ ''میرے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔'' زبان اس کی عربی ہے مگر میں سمجھ رہی ہوں۔ایک مقام پر قریب خطیب کے لے جا کر مجھ سے کہا کہ ''ہاتھ

اٹھاؤ'' اور خوب دعا میرے اور میرے والدین کے لیے مانگی۔ بعد اس کے ایک سیاہ کپڑا خانہ کعبہ کا اور عقیق البحر کی تسبیح عنایت کی۔ میں نے دو روپے نذر کیے تو نہ لیے اور بہت خوشی سے میری پشت پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ ''سخن روح منا نہا لما۔'' اب جاؤ یہاں سے۔ بس میں پھر بہت خوش خوش باہر حرم شریف کے آئی اور اپنے ملازم سے کہا کہ ''محمود احمد کو بلاؤ اور چلو تاکہ وقت پر مِنا واپس پہنچ جائیں۔ اب تو اور اچھا ہوا کہ خدیو مصر کا جلوس ہمراہ ہوگا، راستہ تنہا نہ رہے گا۔'' عبدالرحمٰن نے نہایت عاجزی سے کہا کہ ''آپ ذرا دیر کے لیے میرے مکان پر ہوتی چلیں تو میں آپ کو ناشتہ کروا دوں۔'' میں نے جواب دیا کہ بھائی دیر ہو جائے گی۔ اس نے کہا کہ ''نہیں آپ وقت پر پہنچ جائیں گی۔'' غرض کہ اس کے اصرار سے میں نے دعوت قبول کر لی اور اس کے ہمراہ اس کے گھر آئی تو دیکھا کہ اس کی بی بی میرے لینے کو کھڑی ہے۔ بہت خوشی سے مجھ کو اپنے مکان میں اوپر کوٹھے کے لے گئی۔ یہاں چند بیبیاں اور بھی ہیں۔ میری زبان کوئی نہیں سمجھتا۔ عبدالرحمٰن سمجھاتا جاتا ہے، کچھ میں بھی بول لیتی ہوں۔ انھوں نے بہت عمدہ چائے مجھ کو پلائی اور میوہ کھلایا۔ ان سے رخصت ہو کر میں باہر آئی۔ محمود احمد بھی سامنے سے چلے آ رہے تھے، بولے کہ ''میں بھی فارغ ہو گیا اب جلدی چلو۔''

میں گدھے پر سوار ہوئی اور چلی۔ اس عرصہ میں خدیو مصر بھی فارغ ہو کر گویا میرے ہمراہ ہی روانہ ہوئے۔ بہت کثرت سے آدمیوں کی بھیڑ ہو گئی مگر جس طرف سے خدیو مصر جا رہے ہیں، اس سڑک پر اژدہام کم ہے۔ میں نے بھی اپنے گدھے کو اسی طرف کر لیا، جس طرف خدیو مصر اور شریف مکّہ دونوں گھوڑوں پر جا رہے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ ساتھ جا رہی ہوں۔ اب قریب سے میں نے خدیو مصر کو دیکھا۔ یہ بہت بڈھے نہیں، اچھے خاصے جوان آدمی ہیں۔ بہت آہستہ آہستہ پورا اسٹاف جا رہا ہے۔ میں سیر دیکھتی جا رہی ہوں۔ میرے ایک طرف محمود احمد اور دوسری جانب عبدالرحمٰن چل رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن نے اپنا قصّہ شروع کر دیا کہ ''میں راجہ نانپاڑہ کے پاس جب کہ وہ مکّہ معظّمہ میں تھے، ۸ ماہ رہا اور پھر لکھنؤ میں

بھائی ابّا جان قبلہ کا نام لیا کہ ان کی طرف سے گواہی میں گیا تھا۔ میں خاموش یہ قصّہ سنتی رہی، مگر یہ راز نہ کھلنے دیا کہ مجھ کو بھی اس قصّہ سے کچھ مناسبت ہے۔ کیوں کہ میں سُن چکی ہوں کہ اگر ان بدوؤں کو معلوم ہو جائے کہ کوئی امیر یا نواب ہے تو لوٹ لیتے ہیں یہاں تک کہ بیگم بھوپال لٹتے لٹتے بچی تھیں، جب حج کے لیے تشریف لائی تھیں۔ خدیو مصر بہت ہوشیاری سے گاہے موٹر، گاہے فوج کے ہمراہ سفر کر رہے ہیں۔ یہاں یہ ہے کہ خوب مال و دولت راہ خدا پر دو، مگر نواب یا بیگم نہ بنو ورنہ لٹ جاتے ہیں۔ غرضکہ میں خاموش اس کا قصّہ سنتی ہوئی مِنا میں پہنچ گئی۔ ٹھیک نماز کے وقت خیمہ میں داخل ہوئی۔ سنا کہ نواب صاحب نماز کے لیے مسجد سدھارے۔ میں نے خیمہ میں نماز مغرب ادا کی، شکر صد ہزار شکر خدا پاک کا ادا کیا اور اب میں تھک کر لیٹ گئی۔ ٹانگوں اور پشت کو خوب تیل ملوا لیا کیوں کہ میرا بدن دکھ رہا ہے۔ بعد ازاں نماز عشاء ادا کی۔ اتنے میں نواب صاحب بھی معہ محمود احمد کے خیمہ میں آئے۔ سب نے کھانا کھایا۔ محمود احمد نے بہت عمدہ چائے بنائی۔ بعد فراغت طعام وسب کام کے سو رہے۔

شیطان پر کنکریوں کی بارش:

۲۴ر دسمبر کی صبح ہوئی۔ حسب دستور اٹھے، نماز فجر ادا کی، ناشتہ کیا، نماز ظہر بھی اوّل وقت ادا کی اور پھر شیطانوں کو کنکریاں مارنے چلے۔ اوہو لاکھوں آدمی بھرے ہوئے ہیں جو شیطان پر کنکریاں برسا رہے ہیں۔ ہمارے دو ملازم عبدالرحمٰن وسیدی لوگوں کو ہٹاتے ہوئے آہستہ آہستہ بھیڑ میں سے قریب شیطان کے لے گئے۔ میں نے اچھی طرح سے فی شیطان سات سات کنکریاں خوب تاک تاک کر ان شیطانوں کو ماریں اور واپس خیمہ میں آئی۔ **الحمدللہ** کہ یہ سارا دن ذکر خدا میں گزرا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ''آج میں بھی مکہ معظّمہ جا کر طواف کعبہ وصفا ومروہ وغیرہ ادا کر آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ سدھارے اور ٹھیک مغرب کے وقت واپس آئے۔ اب شب ہوگئی اور بعد فراغت طعام ونماز عشاء سب سو رہے۔

مکہ معظّمہ میں:

آج ۲۵ر دسمبر ہے۔ قافلہ بعد کنکریاں مارنے اور نماز ظہر ادا کرنے کے کیوں کہ کنکریاں شیطانوں کو بعد نماز ظہر مارا کرتے ہیں، مکہ معظّمہ کی طرف روانہ ہوگا۔ ہم سب نے ناشتہ کر لیا۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ میں مسجد جاتا ہوں، تم انتظار میرا نہ کرنا۔ نماز ظہر کے بعد اوّل وقت کنکریاں مار کر شغدف میں محمود احمد کو ہمراہ لے کر روانہ ہو جانا۔ میں بھی گدھے پر آ جاؤں گا۔ میں نے کہا ''بہت اچھا'' غرض بعد نماز ظہر کنکریاں مار کر ہم روانہ ہوئے۔ یہ قافلہ بہت بڑا ہے۔ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے عصر کے وقت داخل مکہ معظّمہ ہوئے۔ گھر کے دروازے تک پہنچنا مشکل ہے اس لیے میں دور ہی سے اتر کر گھر میں داخل ہوئی۔ نواب صاحب بھی آ گئے۔ ذرا دم لیا، وضو کیا، کچھ ناشتہ وغیرہ کیا پھر حرم شریف میں آئی۔ طواف کیا، صفا و مروہ دوڑے۔ نماز مغرب و عشاء یہاں ہی ادا کی۔ اس کے بعد گھر واپس آئی، سب نے کھانا کھایا۔ محمود احمد نے چائے بنا کر پلائی۔ آرام سے سو رہے۔

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح کو اٹھے۔ نماز فجر ادا کر کے ناشتہ کیا۔ نواب صاحب تو باہر سدھارے، میں نے بھی مکہ معظّمہ کے شہر کو دیکھنے کا ارادہ کیا۔ معلّم صاحب کی بی بی کو ہمراہ لیا اور شہر میں کئی دکانیں وغیرہ دیکھیں، کچھ سامان بھی خریدا۔ کھانے کے وقت واپس آئی۔ کھانا کھایا، پھر ہم سب نے وضو کیا اور نماز ظہر کے لیے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ بعد نماز ظہر گھر واپس آئے۔ نماز عصر گھر پر ہی پڑھی۔ نماز مغرب کے لیے پھر حرم شریف گئی۔ مغرب و عشاء حرم شریف میں پڑھی، طواف کیا۔ جائے قیام پر واپس آ کر کھانا کھایا اور سو رہے۔ ایک بجے ہم دونوں حرم شریف میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ ہزارہا بندگانِ خدا طواف میں مشغول ہیں۔ حجرِ اسود کا بوسہ میں نے اشاروں ہی سے ادا کیا۔ بعد نماز صبح گھر آئی اور سو رہی۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۹ء کو ۸ بجے صبح کے اٹھی۔ منہ دھویا، وضو کیا، کھانا کھایا۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ''آج عمرہ بجا لانے کو چلو۔ عمرے کے لیے یہاں سے دور ایک مسجد ہے، وہاں جانا

ہوگا۔ اُس مسجد میں جا کر احرام باندھ کر آویں گے اور پھر طواف کر کے صفا و مروہ دوڑ کر احرام کھولیں گے۔'' میں نے کہا کہ اچھا چلو، مگر میں گدھے پر چلوں گی، اونٹ سے میں ڈرتی ہوں۔نواب صاحب نے دو گدھے منگائے۔ بعد فراغت طعام ہم دونوں تیار ہو کر باہر نکلے۔ اس وقت دن کے ۹ بجے ہیں۔ دو گدھے موجود ہیں مگر اب جو غور کر کے میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان دونوں گدھوں میں لگام مثل سابق کے گدھے کے نہیں ہے، صرف گردن میں رسّی بندھی ہے۔ اس طرح مجھ کو سواری کرتے ڈر لگا کہ گر نہ پڑوں۔ میں نے انکار کر دیا کہ ''یا تو لگام والا گدھا لاؤ ورنہ میں پیدل چلوں گی۔'' ہمارے معلّم صاحب سراج نے کہا کہ ''آپ گاڑی لے لیں۔'' گاڑی کا نام سُن کر میں بہت خوش ہوئی۔ پوچھا کہ ''کیا یہاں گاڑی بھی چلتی ہے، اگر ایسا ہے تو ضرور میں گاڑی لوں گی۔'' یہ کہہ کر میں معہ نواب صاحب چند قدم پیدل چلی تھی کہ سامنے سے سراج صاحب ایک گاڑی لے کر آ گئے۔ یہ کچھ عجیب طرح کی دوپہیے کی گاڑی مثل صندوق کے ہے، کرایہ اس کا چھ روپیہ ہے۔ ہم دونوں سوار ہو کر چلے۔ معلّم صاحب کے ایک وکیل جو بجائے ان کے تعلیم کیا کرتے ہیں، ہمارے ہمراہ اندر بیٹھ گئے۔ خدا بخش ہمارا ملازم پیدل چلا۔ میں نے گاڑی چلانے والے سے کہا کہ بھائی ذرا ذرا دیر کے بعد تم ہمارے ملازم کو بھی بٹھا لیا کرو اور خود اُتر کر لگام تھام کر چلا کرو۔ پھر تم ذرا دیر بعد بیٹھ جایا کرو، خدا بخش اتر جایا کرے گا۔ اسی طرح باری باری چلا کرو۔'' گاڑی چوں کہ مجھ کو بودی معلوم ہوتی ہے اس لیے میں نے ایسا انتظام کیا۔ دوسرے یہ بھی دیکھا کہ خود گاڑی والا اتر کر گھوڑے کی لگام تھام کر چل رہا ہے، گاہے بیٹھ جاتا ہے۔ گاڑی بان نے میرا کہا مان لیا۔ مگر یہ کچھ اس قسم سے گاڑی چلاتا ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا یعنی خاصی اچھی سیدھی صاف سڑک بنی ہوئی ہے اور یہ ہے کہ اونچی نیچی سڑک پر پتھروں پر پہاڑوں پر چڑھائے دیتا ہے، گڈھا آئے، آندھی آئے، پانی آئے، چلائے جاتا ہے۔ کوچ بکس گاڑی میں ندارد ہے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر گاہے خدا بخش گاہے کوچبان بیٹھ کر باری باری سے چلا رہے ہیں اور گھوڑا

بچارا چھوٹا سا لگا ہوا ہے۔ ایک تو گاڑی میں جتا ہے، دوسرے سوار اوپر بیٹھا ہے، تیسرے مارتا جاتا ہے، چوتھے اونچا نیچا مقام نہیں دیکھتا۔ دھکے خوب لگنے لگے ہیں۔ گھبرائی کہ الٰہی یہ کیسے چلاتا ہے۔ اگر گاڑی الٹ گئی تو ایک چھوٹا سا دروازہ ہے، اتر بھی نہیں سکتے۔ بہرحال اسی حالت خوف وبیم میں منزل مقصود پر **الحمدللہ** کہ پہنچ گئے۔ مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ بہت لوگ آج عمرہ کرنے کو آئے ہیں۔ ایک پانی کی بڑی سی باؤلی مسجد کے سامنے بنی ہے، سیڑھیاں بنی ہیں، سب وضو کر رہے ہیں۔ ہم دونوں نے بھی وضو کیا اور نماز نفل دو رکعت ادا کی۔ احرام باندھا اور فوراً ہی باری باری سے سب لوگ روانہ ہونے شروع ہوئے۔ ہم بھی اسی گاڑی میں جس کو یہاں عربیہ کہتے ہیں، روانہ ہوگئے۔ اب کی مرتبہ گاڑی بان نے اور بھی زور زور سے ہنکانا شروع کیا۔ منع کرو تو سنتا نہیں، طرّہ یہ ہوا کہ خدا بخش کو اوّل گھوڑے پر بٹھایا، بعد اس کے خود بھی اُچک کر خدا بخش کے پیچھے بیٹھ گیا۔ اب گھوڑے پر بھی دو دو سواریاں ہوگئیں اور بھگانے لگا۔ ابھی پاؤ راستہ بھی ختم نہ ہوا تھا کہ گاڑی یکا یک گری اور پہیا ٹوٹ گیا۔ **الحمد للہ** کہ چوٹ ہم سب میں مع گھوڑے کے کسی کو بھی نہ آئی۔ اب حیران کہ اتنی دور کیوں کر جائیں۔ دھوپ اس روز بہت تھی۔ گاڑی والے نے کہا، ''میں ابھی جاتا ہوں اور دوسری گاڑی لاتا ہوں، تم سب ٹھہرو۔'' یہ کہہ کر وہ ٹٹّو پر چڑھ کر بھاگا۔ ہم سب ٹھہرے رہے۔ آخر میں نے سرکار سے کہا کہ ''میں تو چلتی ہوں، جب تک دوسری گاڑی آئے کچھ تو راستہ ختم ہو جائے گا۔'' یہ کہہ کر میں روانہ ہوئی۔ میرے ہمراہ نواب صاحب، معلّم صاحب اور خدا بخش بھی روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک قہوہ خانہ آیا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ''دھوپ تیز ہے، احرام بندھا ہے، ننگے سر مجھ سے تو چلا نہیں جاتا۔ صرف ایک چھتری ہمراہ ہے تم لگاؤ کہ میں لگاؤں۔ جب گاڑی آ جائے گی تب چلوں گا یا کوئی گدھا لے لوں گا۔'' میں نے کہا، ''اچھا آپ گدھے پر آ جایئے گا میں پیدل ہی جانا پسند کرتی ہوں، اس لیے کہ ان گدھوں پر لگام نہیں ہوتی۔'' یہ کہہ کر میں روانہ ہوئی۔ خدا بخش میرے ہمراہ ہولیا۔ دھوپ کی وجہ سے چھتری میں

نے لگالی اور آہستہ آہستہ اس متبرک مقام کے ہر دوسمت کو دیکھتی اور خوش ہوتی چلی۔ ہر شے کو یہاں دیکھنے سے ایک قسم کا چین اور فرحت قلب عطا ہوتی جاتی ہے۔ بہت ہی آرام اور لطف آتا ہے۔ خدا کی شان کہ مجھ کو تکان بھی برائے نام ہوتا ہے۔ جہاں حرم پاک میں داخل ہوئی اور اس پاک گھر کا پردہ پکڑا اور سب تکان وفکر جاتی رہی۔ الٰہی یہ سب مقامات کلہم مسلمین کو، میری آل اولاد کو اور میرے والدین کو جلدی دکھا۔ آمین ثم آمین اور مجھ کو طفیل حرمین شریفین کے بخش دے۔ یہ دُعا کرتی اطمینان سے چلی جا رہی ہوں۔ راستہ میں کئی گدھے ملے مگر وہ کرایہ پر چلنے کے نہیں تھے۔ بڑی دور نکل آنے کے بعد ایک عرب ''مرکب مرکب'' (۶۰) پکارتا چلا جاتا تھا، یہ سُن کر میں نے اُن کو روکا اور کہا، ''**انا الجوز فی القھوہ خانہ حادا بغیت مرکب انت روح من ھنا بعدین جیب حادا. حادا قھوہ خانہ قریب المسجد عمرہ**۔'' بڑی مشکل سے عربی زبان میں جو کہ ان ہی عربوں سے اس سفر میں یاد کر لی تھی، اس کو اپنا مطلب سمجھایا۔ اس نے سمجھنے کے بعد سوال کیا ''**انت رو سوا سوا انت شوف انا انت روح من مرکب**'' میں نے کہا تھا کہ میرے صاحب قہوہ خانہ میں ٹھہرے ہیں جو کہ مسجد عمرہ کے قریب ہے اور وہ مرکب چاہتے ہیں۔ تم جاؤ اور ان کو لے آؤ۔ اس نے کہا کہ ''اچھا تم میرے ساتھ گدھے پر چلو اور ان کو بتلا دو۔'' میں نے جواب دیا کہ ''**لا انـــا اصبرھنا انت جیب کوم**'' یعنی نہیں میں یہاں ٹھہرتی ہوں، جب تک تم واپس آؤ گے۔ وہ فوراً روانہ ہوا۔ میں سامنے ایک قہوہ خانہ نظر آیا اس میں جا بیٹھی اور دو ہلل دے کر کافی پی۔ اتنے میں کیا دیکھتی ہوں کہ نواب صاحب بھی پیدل ہی چلے آ رہے ہیں، مرکب ان کو نہیں ملا۔ ہم ذرا دیر ٹھہرے کہ دم لے کر روانہ ہوں گے کہ گاڑی والا دوسری گاڑی لے کر سامنے سے آتا نظر آیا۔ میں نے کہا، ''میں اس گاڑی سے باز آئی، اب میں حرم شریف کے قریب آ گئی ہوں'' مگر نواب صاحب نے اصرار کیا کہ ''نہیں بیٹھ جاؤ یہ خوش ہو جاوے گا۔'' لاچار پھر ویسے ہی بیٹھ گئی اور اس عرب نے پھر اسی طرح بھگانا شروع کیا۔ خیر **الحمد للّٰہ** کہ بخیر وخوبی منزل

مقصود پر پہنچ گئے اور سلامت اُتر آئے۔ ہم دونوں حرم پاک میں داخل ہوئے۔ اوّل دو رکعت داخلۂ حرم شریف کی ادا کی، پھر طواف کیا۔ بعد طواف سرکار نے کہا کہ ''مجھے تو بھوک لگی ہے، میں اس وقت گھر جا کر کھانا کھا کے صفا و مروہ دوڑوں گا، پھر احرام کھولوں گا۔ تم بھی چلو۔ صرف ناشتہ پر ڈھائی بج گئے ہیں۔'' میں نے کہا ''آپ گھر جا کر کھانا کھایئے، میں صفا و مروہ دوڑ کر احرام کھول کر اطمینان سے آتی ہوں تا کہ آرام سے کھانا کھاؤں۔'' الغرض نواب صاحب تو جائے قیام پر تشریف لے گئے، میں صفا و مروہ پر آئی اور یہ رُکن بھی ادا کیا۔ اس کے بعد گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ راہ میں تربوز نظر آئے، ایک تربوز خرید کر ہمراہ لیا۔ گھر آن کے معلوم ہوا کہ نواب صاحب کھانا کھا کر ابھی ابھی صفا اور مروہ کے لیے چلے گئے۔

معلّم صاحب کا وکیل ایک لڑکا سا آیا۔ اس نے میرا احرام کھولا، بال کترے، دُعا پڑھی اور چلا گیا۔ میں نے اطمینان سے منہ ہاتھ دھویا، تربوز کھایا۔ دل خوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد کھانا کھا کر قدرے آرام کیا۔ اب عصر کا وقت آ گیا۔ اُٹھ کر وضو کیا۔ معلوم ہوا کہ ''حرم پاک میں نمازِ عصر ہو چکی ہے۔'' یہ سُن کر میں نے نماز مکان پر ہی ادا کی۔ ذرا دیر بعد حرم شریف کی طرف روانہ ہوئی۔ داخل ہوئی تھی کہ اذان کی آواز کان میں آئی، اللہ اکبر۔ آہا کیا سہانی، دل کو آرام دینے والی دلکش آواز ہے۔ فوراً ہی نماز شروع ہو گئی۔ میں یہاں عشاء کی نماز تک ٹھہری۔ طواف ادا کیا اور دونوں اپنے مقام پر واپس آئے۔ کھانا کھا کر سو رہے۔ شب کے دو بجے پھر حاضر حرم پاک ہوئے۔ اللہ اللہ اس وقت بھی سیکڑوں آدمی مشغول طواف ہیں، گویا دن رات برابر طواف جاری ہے۔ عجب بات ہے، کیا یہ لوگ شب کو سوتے نہ ہوں گے۔ ہر وقت حرم پاک بھرا ہوا ہے۔ عجب خدا کی شان ہے۔ ہم دونوں نے بھی طواف کیا اور حطیم میں مشغولِ ذکرِ خدا رہے، میں نے پردہ خانۂ خدا کا اپنے سر پر ڈال لیا اور اُس پاک پروردگار کے سامنے سجدے میں پڑی ہوں۔ اپنا حال زار درگاہِ خدا میں عرض کر رہی ہوں۔ عجب تسکین اور چین اور خوشی قلب کو ہو رہی ہے جس کا حال میں کیا بیان کروں۔ اسی حالت میں وقت نماز

شافعی کا ہوگیا۔ اللہ اکبر کی آواز کان میں آ گئی۔ ہم دونوں نے بھی شافعی وقت پر نماز فجر ادا کی اور سورج نکلنے کے بعد تک میں پردہ پکڑے بیٹھی رہی۔ پھر ہم گھر واپس آئے اور ذرا دیر آرام کیا۔

سردارِ دو عالمؐ کی عبادت گاہ کی زیارت:

آج ۲۸ ردسمبر ۱۹۰۹ء ہے۔ صبح کے سات بجے ہیں، ہم نے ناشتہ وغیرہ کرلیا تو نواب صاحب نے فرمایا کہ ''چلو آج ''جنت المالا'' [جنت المعلیٰ] جا کر فاتحہ پڑھ آئیں۔'' میں نے کہا، ''چلیے میں تیار ہوں۔''

دونوں تیار ہو کر باہر نکلے اور ٹہلتے ہوئے آہستہ آہستہ چلے۔ اوّل جبل یعنی پہاڑی پر بہت اونچا ایک مقام ہے، مثل پہاڑ کے چڑھنا پڑتا ہے بہت اوپر تک۔ الغرض ہم دونوں اوپر چڑھ آئے، یہاں ایک مسجد ہے۔ سنا ہے کہ اس مقام پر سلطان دو جہاں رسولؐ مقبول عبادت کیا کرتے تھے۔ اس ''جبل'' پر علاوہ اس مسجد کے ایک مقام وہ بھی ہے کہ یہاں سردارِ دو عالم پر وحی نازل ہوتی تھی۔(٦١) ہم نے ان ہر دو مقامات پر دو دو رکعت نماز ادا کی اور دعا مانگی۔ خداوند کریم جملہ مسلمین کو یہ زیارات زندگی میں نصیب فرمائے۔ میں نے چند پتھر بطور نشانی اس جبل پر سے اُٹھا لیے۔ چڑھے تو ہم ایک طرف سے تھے، اُترے دوسری جانب سے۔ اس پہاڑ پر جابجا چھوٹے چھوٹے مکانات بنے ہیں، گویا اوپر آبادی بھی ہے مگر بہت کم۔ یہ مقام اس قدر بلند ہے کہ تمام خانۂ کعبہ اور شہر مکہ صاف نظر آتا ہے۔ اب ہم دونوں آرام سے اُتر آئے اور سیدھے حرم شریف میں حاضر ہوئے کیوں کہ وقت ظہر کا ہوگیا ہے۔ لیجیے اذان شروع ہوگئی۔ **الحمد للہ** نماز ادا کر کے گھر واپس آئے، کھانا کھایا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ''مجھ کو آج حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے پاس جا کر دلائل الخیرات کی اجازت لینی ہے، اس وجہ سے میں اس وقت سیدھا وہاں جاتا ہوں۔ آج زیارت ''جنت المالا'' [جنت المعلیٰ] کی موقوف رکھو، کل انشاء اللہ تعالیٰ چلیں گے۔ اب وقت کم رہ گیا ہے۔'' میں نے کہا، ''اچھا''

عصر کی نماز میں نے گھر پر پڑھی اور معلّم صاحب کی بیبیوں سے عربی میں کچھ باتیں کرتی رہی۔ نماز مغرب وعشا حرم پاک میں ادا کر کے گھر واپس آئی۔ کھانا کھا کر آرام سے سو رہے۔ شب حسب عادت مذکور نصف گھر پر، نصف حرم پاک میں بسر ہوگئی۔

جنت المالا [جنت المعلیٰ] کی زیارت:

۲۹ر دسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح کو ناشتہ کیا اور وضو کر کے تیار ہوگئی۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ''آج جو زیارات باقی ہیں وہ بھی کرلیں۔'' میں نے کہا ''چلیے۔'' ہم دونوں باہر نکل آئے اور آہستہ آہستہ اس سرزمین مکہ معظّمہ پر چلے۔ یہ خیال آ کر عجیب کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ آہا یہ وہ مقام ہے جہاں کہ ہمارے بہت پیارے رسول پاکؐ چلے اور پھرے ہیں۔ الغرض چلتے چلتے [جنت المعلیٰ] میں داخل ہوئے۔ یہاں بہت بزرگوں کے مزارات ہیں، سب پر فاتحہ پڑھی۔

رسول مقبولؐ کی جائے ولادت:

اب ہم اُس مقام پر آئے جہاں ہمارے رسول مقبولؐ تولّد ہوئے ہیں۔ ہم دونوں نے بے اختیار اس مقام خاص کو آنکھوں سے لگایا، بوسہ لیا، دو رکعت نماز ادا کی۔ اب یہاں سے چل کر مسجد جن میں آئے۔ سنا کہ یہاں حضرت سرور کائنات قوم جن کو قرآن تعلیم کرتے تھے۔ یہاں بھی دو رکعت ادا کی۔ یہاں سے چل کر اُس مقام پاک پر آئے جہاں حضرت رسول اللہ روز وشب رہتے تھے اور یہاں ہی حضرت خاتون جنت بی بی فاطمۃ الزہرا بتول عذرا علیہا السلام تولّد ہوئی تھیں۔ آہا یہ مقام قابل دید ہے۔ یہاں بھی ہم دونوں نے دو رکعت نماز ادا کی۔ اسی مکان میں ہم کو ایک نیک شخص نے ایک مقام دکھایا اور کہا کہ ''یہ وہ جگہ ہے کہ اس خاص جگہ پر رسولؐ مقبول سجدہ کیا کرتے تھے۔'' اسی جگہ پر باری باری سے ہم دونوں نے بہت ہی شوق وآرزو سے سجدہ کیا اور بوسہ دیا۔ ماشاء اللہ کیا نصیب خدا پاک نے عطا کیا ہے کہ ہم

نے اس مقام پر سجدہ کیا جہاں کہ سرور کائنات سردار دوعالم نے سجدہ کیا تھا۔ بطفیل رسولؐ مقبول خداوند کریم جملہ مسلمین کو اور ہم کو سرفراز کرے۔ اب ہم درخت بیری کے پاس آئے سنا کہ ''یہ درخت اُسی زمانہ کا لگا ہوا ہے اور اب بیر چھوٹے چھوٹے لگتے ہیں، آج کل بیر لگ رہے تھے۔ میں نے ایک حیرت سے اِس درخت کو اور اِس مقام کو خوب دیکھا۔ بعد زیارت کے چند بیر اٹھا لیے اور اب ہم دونوں اُس مقام پر آئے جہاں کہتے ہیں کہ امیرالمومنین امام المتقین سید اوصیا ختم ولایت حضرت علیؑ ابن ابی طالب علیہ السّلام کی جائے تولّد ہے (مگر یہ بالکل غلط ہے امیرالمومنینؑ کی جائے تولّد اندرون خانۂ کعبہ ہے اور یہ کتب فریقین سے ظاہر ہے)(۶۲) یہاں بھی فاتحہ پڑھی اور دو رکعت نماز ادا کی۔ سب زیارات ختم کر کے ہم دونوں واپس ہو کر سیدھے داخل حرم پاک ہوئے، کیوں کہ وقت ظہر کا آچکا ہے۔ خوب وقت پر پہنچے۔ اذان شروع ہوگئی، ہم سب نے نماز ادا کی۔ بعد فراغت نواب سربلند جنگ بہادر نے کہا، ''میں بلا گھر گئے اور کھانا کھائے سیدھا مولانا عبدالحق صاحب کے پاس جاتا ہوں، کام ہے، تم گھر جاؤ۔'' تب میں گھر آئی اور کھانا کھا کر ذرا دیر آرام لے کر اٹھی تھی کہ نواب صاحب آ گئے اور کھانا کھایا۔ ہم دونوں نے عصر کے لیے وضو کیا اور حرم پاک کی طرف روانہ ہوئے۔ نماز عصر پڑھ کر یہاں ہی ٹھہرے رہے، خانہ کعبہ کو دیکھتے اور لوگوں کی باتیں سنتے رہے۔ عجب لطف آ رہا ہے۔ اتنے میں وقت نماز مغرب کا آ گیا۔ جماعت کھڑی ہوئی، الحمدللہ کہ نماز ادا ہوگئی۔ اب میں اُٹھی اور طواف کیا۔ آج اپنے والدین کی طرف سے بھی ایک ایک طواف کیا اور نماز عشاء ادا کی۔

خدائے پاک کی بندہ نوازی:

میں یہ لکھنا بھول گئی کہ جس وقت نماز مغرب پڑھی جا چکی تھی، یکا یک پانی برسنے لگا اور سب لوگ دوڑے کہ خاص خانہ کعبہ کی چھت پر سے جو پانی بہہ کر آوے گا وہ پیویں گے۔ جہاں سے یہ پانی بہہ کر آتا ہے، نکلتا ہے اُس مقام کو ''میزاب رحمت'' کہتے ہیں۔ میرا بھی جی

ترسنے لگا کہ ''میں کیسے یہ پانی پیوں گی اس لیے کہ کثرت سے لوگ جمع ہوگئے ہیں۔تب میں نے ہاتھ اٹھا کر دُعا کی کہ ''اے اللہ میاں یہ پانی مجھ کو بھی پلا دے، ورنہ میں کہاں اور یہ پانی کہاں۔'' بس دعا کے کرتے ہی اُسی وقت ایک لڑکا کپڑا بھگو کر بھاگا ہوا آیا اور کہا کہ ''یا امّی انت ترید حادہ ماء'' میں نے بہت ہی خوشی سے کہا ''نعم انا ارید ماء'' (۶۳) تب اُس نے میرے دونوں ہاتھوں میں وہ کپڑا نچوڑ دیا اور میں نے پی لیا۔ دل روشن ہوگیا، خوش ہوگئی کہ دیکھو کیا جلدی اللہ میاں نے عرض سُن کر یہ پانی پلوا دیا، واہ شانِ خدا۔ بعد فراغت طواف کے ہم دونوں گھر آئے اور کھانا کھا کر سو رہے۔

حرم پاک میں میلاد شریف:

۳۰؍دسمبر ۱۹۰۹ء کی صبح ہی اٹھی، نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر منہ ہاتھ دھویا، ناشتہ کیا۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ''آج جمعہ ہے، میں نے حرم شریف میں مولود شریف پڑھوانے کا انتظام کر لیا ہے۔ میٹھا وغیرہ تیار ہوگیا ہے اور کھانا پکوانے کا بھی سامان کر لیا ہے۔ تمام شرکاء میلاد شریف کو کھانا دیا جاوے گا۔ باورچی وغیرہ سب آ گئے ہیں، انتظام سب عمدہ ہے۔''

۱۱ بجے سب کھانا اور میٹھا تیار ہوگیا۔ بعد فاتحہ کے کھانا خوانوں میں لگا لگا کر سب لوگوں کے پاس بھیجا گیا۔ کچھ فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیا گیا۔ میٹھا دومن کے قریب تھا، وہ حرم شریف میں ہم اپنے ہمراہ لے گئے۔ بعد نماز جمعہ مولود شریف شروع ہوا۔ الحمدللّٰہ کہ بہت اچھی طرح ادا ہوگیا۔ بہت لوگ جمع تھے، میٹھا خوب تقسیم ہوا۔ ہم دونوں گھر واپس آئے۔ کچھ لوگ ہمارے ہمراہ آ گئے، اُن کو کھانا کھلایا اور ہم سب نے بھی خوب کھایا۔ خوب لاجواب کھانا پکا ہے۔ ایک پاؤنڈ اجرت پکوائی باورچیوں کو دی گئی۔ دو چار بیبیاں عربی میرے پاس آئیں، اُن کو بھی کھانا کھلایا اور میٹھا دیا۔ اُن میں سے ایک بی بی نے قدسیہ کے لیے ایک عربی جوڑا کپڑے کا سی دیا۔ (۶۴)

میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور پانچ روپیہ نذر دیے۔ مغرب کا وقت گھر ہی میں ہوگیا۔

میں نے ان سب سے رخصت چاہی، یہ سب روانہ ہوگئیں اور میں جلدی جلدی تیار ہو کر حرم شریف میں حاضر ہوئی۔ نماز مغرب وعشاء پڑھ کر طواف کیا اور گھر واپس آئی۔ سب نے کھانا کھایا اور آرام سے سو رہے۔ افسوس کہ آج ۳۱ر دسمبر کو میں چند وجوہات سے حرم شریف میں حاضر نہ ہوسکی۔ نواب صاحب حرم شریف کو سدھارے۔ میں نے آج تمام دن اپنا سامان درست کیا اور کچھ پیک کر لیا کہ زمانہ روانگی قریب آ گیا ہے۔ آہ افسوس کس قدر جلدی یہ عمدہ زمانہ ختم ہونے کو آ گیا۔ اسی فکر میں دن تمام ہوا اور شب کو سربلند جنگ بہادر تشریف لے آئے، کھانا کھایا اور سب سو رہے۔

یکم جنوری ۱۹۱۰ء: آج بھی میں گھر پر رہی اور بعد کھانے کے سربلند جنگ صاحب بہادر باہر تشریف لے گئے۔ میرے پاس چند عربنیں خیرات مانگنے آ گئیں۔ جو خدا نے دلوایا اُن سب کو دے دیا۔ اس کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ آج بازار چل کر کچھ تحفے خرید لاؤں۔ یہ سوچ کر میں باہر نکلی اور معلّم صاحب کی بی بی کو ہمراہ لے کر بازار گئی۔ بعض بعض دکانوں پر عیسائی لوگ بھی اشیاء فروخت کرتے ہیں۔ میں نے خاص عرب دکانداروں سے بچّوں کے لیے کچھ عربی لباس اور نواب صاحب کے لیے رومال خریدے۔ کچھ تحائف اپنے بھائی بہنوں کے لیے خریدے، یہاں بازار چھت دار ہوتے ہیں۔ بعد خریداری میں گھر واپس آئی۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ”پرسوں تیسری جنوری کو یہاں سے روانگی ہے، تیاری کر لو۔“

یہ سُن کر چند منٹ تک قلب بے قرار رہا کہ اس قدر جلدی ایسی زیارات ختم ہوگئیں۔ بہرحال یہ دن بھی گزرا اور رات کو آرام سے سو رہے۔

دیارِ محبوب سے جُدائی:

آج ۲ر جنوری ۱۹۱۰ء کا دن بھی میرا ملنے ملانے میں گزرا۔ نواب صاحب حرم شریف میں اور ملنے ملانے کے انتظام وغیرہ میں رہے۔ تمام دن ان ہی باتوں میں گزر گیا، شب ہوگئی۔ آج کی شب میں نے حرم شریف کی طرف منہ کر کے اور بیٹھ کر گزار دی۔ اہا کیسے خیال

میں شب بسر ہوگئی، صرف افسوس اتنا رہا کہ میں حاضر حرم شریف بعض وجوہ سے نہ ہوسکی۔ اس وقت ۳؍جنوری کی صبح کے سات بجے ہیں اور ہم سب تیار ہیں۔ اونٹ آ گئے۔ خدابخش اور میاں محمود احمد کو یہاں ہی چھوڑا کیوں کہ انھیں مدینہ طیّبہ جانا ہے۔ محمود علی ملازم کو ہمراہ لے لیا اور زنانہ میں سے امینہ بی اور حلیم اللہ کی انّا کو بھی ہمراہ لیا۔ افسوس کہ بعض وجوہات ایسے پیش آ گئے کہ حلیم اللہ کی انّا اور محمود علی ملازم کو مدینہ جانا نصیب نہ ہوا۔ امینہ بی میرے ہمراہ حاضر مدینہ طیّبہ ہو آئی ہیں۔ بہرحال سب سامان لد گیا، نوکر بھی سب بیٹھ گئے، مگر میرا دل چاہا کہ چند قدم پیدل چلوں۔ یہ کوچۂ یار ہے، جس قدر ادب ہو بجا ہے۔ قافلہ بہت بڑا نظر آ رہا ہے اور افسوس کہ بہت لوگ راہ خرچ نہ ہونے سے بلا مدینہ طیّبہ حاضر ہوئے واپس ہند کی طرف ہو رہے ہیں۔ میں اور نواب صاحب اوّل دروازے تک حرم شریف کے حاضر ہوئے، نواب صاحب تو اندر داخل ہوئے، میں نے درِ پاک حرم شریف پر سجدہ کیا اور بادلِ ناخواستہ رخصت ہوئی۔ بہت لوگ جن سے کہ جان پہچان ہوگئی ہے، ہمراہ ہیں۔ چند قدم تک یہ سب ہمراہ چلے۔ اس عرصہ میں ہمارا شغدف گلیوں میں سے سلامت نکل گیا۔ اب ہم دونوں سوار ہوئے اور سب دوست رخصت ہوئے۔ آہ دیارِ محبوب آنکھوں سے دور ہوتے ہوتے پوشیدہ ہوگیا۔ کیا دیکھا تھا کیا ہوگیا؟ آبِ زم زم کی صراحی ہمراہ رکھ لی تھی۔ وہ پیتے تھے تب دل کو چین آتا تھا۔ نواب صاحب بہت آبدیدہ تھے۔ باوجود اس قلق کے خوشی بھی اس بات کی تھی کہ اللہ نے اپنی رحمت سے اپنا در نصیب کر دیا، یہی کیا کم عزت ہم دونوں کو ملی ہے۔ بڑی اُمید اُس ذات پاک سے اور بھی ہے کہ وہ پاک پروردگار پھر ساتھ عزت و اقبال و دولت وصحت کے ہمارے والدین و اولاد کے ہمراہ پھر ہمیں بلائے گا، اسی امید قوی پر روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے شام ہونے آئی۔ روشنی کیے بغیر قافلہ رواں ہے۔ چاندنی کا زمانہ نہیں، راتیں اندھیری ہیں، مگر یہ بدّو منہ اٹھائے چلے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اب بالکل شب ہوگئی۔ بجیرہ وہی مقام پر قافلہ ٹھہرا اور اُتر کے جھونپڑے کے اندر آئے۔ حسب دستور سابق شب بسر ہوگئی۔

۴؍جنوری کو ۵ بجے صبح کے ہم سب اُٹھے اور سامان اونٹوں پر لدوایا۔ میری طبیعت آج درست نہیں ہے، شب کا کھانا بالکل ہضم نہیں ہوا اور حرارت ہوگئی ہے، بدن سب ٹوٹ رہا ہے۔ بہرحال روانہ ہوئی۔ روانگی کے بعد دن نکل آیا۔ اس عرصہ میں یکا یک ریت کا طوفان اس قدر آیا کہ کبھی نہ دیکھا نہ سنا تھا۔ ریت کا ڈھیر ہوا کے طوفان کے ساتھ اِدھر سے اُدھر جا جا کر جمع ہو رہا ہے مثل تیر کے ریت سیدھی چلی آ رہی ہے۔ آسمان پہاڑ سب چھپ گئے، سر پر، آنکھوں میں اور حلق تک میں ریت اُتر گئی۔ اس قدر شدت پر بھی قافلہ برابر وہاں رواں ہے، بدّو چلے جا رہے ہیں۔ راستہ میں اکثر اونٹ مَر مَر جاتے ہیں تو بدّو راستہ میں ہی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ طوفان کامل ۵ گھنٹہ رہا۔ اب جدّہ شریف قریب آتا چلا ہے، طوفان بھی اب کم ہوتا جاتا ہے۔ **الحمدللہ** کہ منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اس وقت دن کے ڈھائی بجے ہیں، ظہر کا وقت ہوگیا ہے۔ شہر جدّہ میں داخل ہوتے ہی نواب صاحب نیچے اُتر آئے۔ میزان برابر رہنے کے لیے امینہ بی کو میرے ہمراہ بٹھا دیا اور خود جہاز کا بندوبست کرنے سدھارے تاکہ آج ہی ہو سکے تو روانہ ہو جائیں۔ میرا اونٹ قافلہ سے علیحدہ کر کے میرا ملازم عبدالرحمٰن قافلہ کے درمیان سے گھسیٹتا اور ٹکراتا ہوا لے کر چلا تاکہ جلدی سے گھر پہنچ جائے۔ اسی کشاکش میں کامل دو گھنٹہ بعد قافلہ میں سے نکل کر اُن ہی محمود اصفئی کے گھر پہنچے۔ میری طبیعت بالکل اچھی نہیں، بخار ہوگیا ہے۔ بدہضمی کے باعث کھانا بھی میں نے نہیں کھایا۔ اونٹ سے اُتر کر گھر میں گئی اور بجائے کھانے کے دو انار منگوا کر اُس کے دانے نکلوا کے کھائے اور بڑی مشکل سے دو خط حیدرآباد لکھ کر پوسٹ کروا دیے۔ نواب صاحب ابھی تک انتظام میں ہی ہیں۔ امینہ بی نے میرے لیے قلیہ پکایا۔ بچاری خود بازار سے جا کر سودا لائی اور پکایا۔ میں لیٹی رہی۔ نواب صاحب بھی آ گئے اور فرمایا کہ ''اتفاق سے ایک جہاز خدیوئیل کمپنی کا ''اسوان'' نام جو کہ جدّہ سے سیدھا قسطنطنیہ جانے والا تھا، وہ آج کے طوفان کے باعث رُک گیا ہے اب بجائے آج کے کل روانہ ہوگا۔ ورنہ اگر یہ نہ رُک جاتا تو ہم کو ہفتہ بھر جہاز ملنا مشکل تھا بلکہ ہفتہ بھر سے بھی

شاید زیادہ انتظار کرنا پڑتا کیوں کہ اکثر قافلے مکہ معظّمہ سے واپس آن کر دو دو ہفتہ جدّہ شریف میں پڑے رہتے ہیں۔ گویا آج طوفان چلنا ہمارے حق میں مفید ہوا۔'' غرض اس جہاز کا ٹکٹ سرکار نے خرید لیا۔ اب شب ہوگئی، کھانا مجھ سے بالکل نہ کھایا گیا۔ (۶۵) بخار موجود رہا۔ شب اسی طرح کچھ سوتے کچھ جاگتے بسر ہوگئی۔

جدّہ سے قسطنطنیہ

۵رجنوری کی صبح کو ہم اُٹھے۔نواب صاحب چائے پی کر جہاز کے انتظام کے لیے سدھارے۔ میں نے بھی ذرا سا ناشتہ کیا، طبیعت ابھی صاف نہیں ہوئی ۔ اس عرصہ میں محمود اصفئی کی بی بی بہو بیٹی سب مجھ سے ملنے آئیں۔ میں نے چند باتیں اُن سے عربی میں کیں۔ گفت وشنید میں صبح کے ۹ بج گئے ۔نواب صاحب واپس آئے اور کہا کہ ''جلدی چلو، جہاز کے افسر کے ہمراہ جہاز پر چلنے کا بندوبست کر لیا ہے، ورنہ دیر ہوجائے گی تو علیحدہ کشتی کرنی ہوگی۔ پھر ممکن ہے کشتی علیحدہ ملے یا نہ ملے۔ جہاز کنارے سے بہت دور کھڑا رہتا ہے۔ ہوا آج بھی کسی قدر چل رہی ہے۔'' خیر میں تو تیار ہی تھی۔ سامان سب اسٹیشن پر جا چکا تھا۔ ہم دونوں سب سے مل کر ملا کر اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ کیوں کہ میں بخار سے کمزور ہوں، جلدی چلا نہیں جاتا۔ بارے **الحمد للہ** کہ وقت پر منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ افسر جہاز کشتی پر منتظر تھا، فوراً ہی ہم سوار ہوگئے۔ ہمارا سامان ذرا دور اسٹیشن پر رکھ دیا تھا۔ جب تک ملازم سامان اٹھا کر لائے، افسر نے جلدی مچائی۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ ''میں خود جا کر لاتا ہوں'' یہ کہہ کر نواب صاحب مجھ کو کشتی میں بٹھا کر خود سامان لانے کو چلے۔ یہ افسر کیا کہتا ہے؟ کہ ''دیکھو اگر ۵ منٹ سے زیادہ دیر ہوگئی تو ہم چلا جاوے گا تمھارا بی بی لے کر اور تم رہ جاوے گا۔'' میں نے کہا کہ ''واہ یہ کیسے ہوگا؟ اگر ایسا ہے تو مجھ کو اُتار دو۔'' سرکار فوراً گئے اور جلدی سے سامان لے کر آ گئے۔ اب ہم نے امینہ بی کو بھی جدّے میں ہی چھوڑ دیا کہ ''تم قافلہ کے ہمراہ سامان جو جو بچا ہے، وہ لے کر محمود علی ملازم کے ساتھ سیدھی حیدرآباد دکن جاؤ، ہم بعد میں آ جائیں

گے۔ تمھارا سب بندوبست ہم نے کر دیا ہے۔'' یہ سمجھا کر **الحمد للہ** کہ ہم روانہ ہوئے۔ ہوا خوب ہے، کشتی تیزی کے ساتھ جا رہی ہے۔ یہ وہی جھنڈے والی کشتی ہے جس کو یہاں بگلہ کہتے ہیں۔ جس رُخ ہوا ہوتی ہے اُسی طرف جھنڈا پھیر دیتے ہیں، بڑی مشکل سے یہ بگلہ چلتا ہے۔

آج سمندر میں اس قدر رف ہے کہ کشتی جھوک کھاتی ہوئی چلتی ہے۔ جدّے کے قریب سمندر میں پہاڑ بہت ہیں، اس لیے ہر مقام پر جہاں پہاڑ ہیں نشان بنا رکھا ہے تاکہ کشتی ٹکرا نہ جاوے۔ بڑے ہیر پھیر سے کشتی لے جاتے ہیں۔ کامل دو گھنٹہ میں کشتی جہاز کے پاس پہنچتی ہے۔ اتنی دور جہاز ٹھہرایا جاتا ہے۔ الغرض ہماری کشتی جھومتی جھامتی چلی جا رہی ہے۔ اتفاق سے راستہ میں ایک پہاڑ پر ہماری کشتی چڑھ گئی اور ایک طرف کو جھوک ہو گیا۔ فوراً دو ملاّح کود پڑے اور کشتی کے نیچے جا کر آہستہ آہستہ کشتی کو پہاڑ پر سے ہٹایا۔ میں ذرا ڈری۔ میری صورت دیکھ کر افسر جہاز نے جو انگریز ہے، سمجھایا کہ ''ڈرو نہیں، خوف نہیں ہے۔'' بارے شکر ہے خدا کا لاکھ لاکھ کہ کشتی سیدھی چل رہی ہے۔ ہوا کیوں کہ تیز ہے، وقت سے بہت پہلے یہ کشتی جہاز پر پہنچ گئی اور ہم سب بخیریت جہاز پر آ گئے۔ یہ ''اسوان'' بہت بڑا اور اچھا جہاز ہے اور بہت صاف اور روشن ہے۔ کیابن ہم کو بڑی ٦ پلنگ کی ملی۔ ایک بڑی خوبی اس جہاز میں یہ ہے جو کہ مجھ کو بہت پسند ہے یعنی زنانہ میز کھانے کی بالکل علیحدہ ہے۔ زرد رنگ کے پردے پڑے ہیں، آڑ کے لیے زنانہ ڈرائنگ روم علیحدہ بنا ہوا خوب سجا ہوا ہے۔ اس سے میرا دل بہت خوش ہوا۔ یہ فسٹ کلاس ہے جہاں ہم ہیں۔ لنچ کے وقت ہم دونوں پہنچ گئے۔ میز تیار تھی، ہم نے اور سب مسافروں نے کھانا کھایا۔ ظہر کے وقت جہاز روانہ ہوا۔ کیوں کہ میری طبیعت ٹھیک نہ تھی، خلاف اُمید مجھ کو چکّر آ گیا اور قے ہونے لگی۔ ایسی ڈانک لگی کہ میں بے اوسان ہو گئی، نواب صاحب بھی گھبرا گئے۔ مجھ کو کیابن میں سے نکال کر اوپر ڈک پر لے آئے اور یہاں لٹا دیا۔ لیمو کا شربت وغیرہ خوب پلایا۔ شب کے آٹھ بجے میرا مزاج درست

ہوا۔ یہ قے میرے حق میں مفید ہوگئی، بدہضمی کا اثر سب نکل گیا۔ آٹھ بجے شب کو میں نے کچھ تھوڑی غذا کھائی اور کیابن میں آ کر سوگئی۔

۶ رجنوری ۱۹۱۰ء صبح ہوگئی، ہم دونوں اٹھے۔ آج میری طبیعت درست ہے۔ خدا کا شکر ادا کیا، کپڑا پہن کر اوپر ڈک پر گئی۔ ذرا اوپر ٹہل کر ہم دونوں کھانے کے کمرے میں گئے اور ناشتہ کیا۔ ناشتہ کے بعد یہاں ہی بیٹھ کر اپنی ڈائری لکھنی شروع کی، لکھنے کے بعد ڈک پر آئی۔ یہاں ایک مصری افسر جو میرے بھائی اکبر بیگ و بھائی حیدر بیگ کے ہم عمر ہیں، ٹہل رہے تھے۔ نہایت خوش مزاج معلوم ہوتے ہیں۔ یہ میرے پاس آئے اور باتیں کرنے لگے۔ ان کو انگریزی زبان توتلی سی آتی ہے، باقی فرنچ و عربی خوب جانتے ہیں۔ دو چار باتوں کے بعد مجھ سے پوچھا کہ ''آپ ڈرافٹ کھیلنا جانتی ہیں؟'' میں نے کہا کہ ''ہاں۔'' یہ سن کر بڑی خوشی سے ڈرافٹ لے آئے اور کھیلنے بیٹھ گئے۔ میں نے دو بار ان کو ہرایا۔ ایک بار میں نے بھی مات کھائی، تب تو بہت ہی خوش ہوئے۔ الغرض ہم لنچ کے وقت تک کھیلتے رہے۔ نواب صاحب بھی کھیل دیکھتے رہے۔ اب ہم ڈرائنگ روم میں آئے اور کھانا کھایا۔ بعد کھانے کے نواب صاحب نے حکم دیا کہ ''ڈرائنگ روم میں چلو، وہاں پیانو ہے وہ بجاؤ، وہاں اور لیڈیز بھی ہیں۔'' یہ سن کر میں یہاں آئی، مجھ کو صرف ایک غزل یاد تھی، اُس کے دو مصرع یہ ہیں:

ساقیا مے دہ کہ ما دُردی کشی میخانم

با خرابات آشنا و با خردِ بیگانم (۶۶)

یہ میں نے پیانو پر بجایا۔ میرے بعد ایک تُرکی صاحب بھی آئے اور پیانو پر بیٹھ گئے اور خوب بجایا۔ یہ وقت بھی ختم ہوا۔ مجھ کو کسی قدر چکّر رہا حالاں کہ میں بہت اچھی سیلر ہوں۔ اتنے جہازوں پر میں نے سفر کیا، مجھ کو شروع سے کبھی چکّر نہیں آیا مگر بخار کی وجہ سے اس دفعہ مجھ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ بہرحال اب میں نے اور نواب صاحب نے اپنی اپنی ڈائری لکھنی شروع کر دی، یہاں تک کہ چار بجے کا وقت ہوگیا۔ چائے پی اور دونوں ڈک پر آئے اور ٹہلتے

رہے۔ آج ٹھنڈک ہے، ہوا سرد چل رہی ہے۔ باتوں باتوں میں ڈنر کا وقت آ گیا، بل ہوا۔ ہم سب اوّل کیابن میں آئے، منہ ہاتھ دھویا، کپڑے وغیرہ درست کر کے میز پر آئے۔ بعد فراغت طعام پھر ہم دونوں ڈک پر آئے۔ کیوں کہ ہوا سرد ہے، اس لیے جلدی سے کیابن میں آ گئے۔ نماز عشاء ادا کی اور سو رہے۔

۷/ جنوری **۱۹۱۰ء** فجر ہوگئی نماز ادا کی اور منہ ہاتھ دھوکر کپڑے بدل کر کھانے کے کمرے میں آئے، چائے وغیرہ پی۔ آج جمعہ کا روز ہے۔ ارادہ کیا کہ غسل وغیرہ کر کے نماز جمعہ کے لیے تیار ہوجائیں۔ اس خیال سے میں پھر اپنے کیابن میں آئی۔ کپڑے وغیرہ نکالے، درست کیے۔ یہاں زنانہ غسل خانہ بہت عمدہ بنا ہوا ہے۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر اوپر زنانہ کمرہ میں آ کر بیٹھ گئی کہ کھانے کے وقت تک ڈائری لکھ لوں۔ نواب صاحب بھی آ گئے اور میرے پاس بیٹھ کر ڈائری لکھنے لگے۔ کھانے کا بل ہوا اور ہم ڈرائنگ روم میں گئے، ایک گھنٹہ کے بعد نماز جمعہ ادا کی۔ پھر آ کر بدستور لکھنے لگے۔ نواب صاجب بھی آج لکھتے رہے۔ یہ تمام دن اسی طرح گزر گیا۔ شب کا کھانا کھا کر نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر آرام سے سو رہے۔

۸/ جنوری **۱۹۱۰ء** حسب دستور اٹھے۔ اوپر آئے، ناشتہ وغیرہ کیا، اتنے میں جہاز ٹھہر گیا۔ معلوم ہوا کہ ''طور آ گیا'' اس مقام کا نام ''طور'' ہے۔ یہاں سنا کہ ''ہمارے جہاز کو تین روز قرنطینہ ہے۔'' مجھ کو بہت ناگوار معلوم ہوتا ہے، مگر خیر بھگتنا تو ہے ہی۔ اس وقت میں اوپر ڈک پر آئی ہوں، ۹ بجے ہیں۔ یہاں آن کر دیکھا کہ دو جہاز اور بھی قرنطینہ میں کھڑے ہیں۔ ایک کی مشکل تو دو گھنٹہ بعد آسان ہوجاوے گی۔ اس وقت قرنطینہ ختم ہوا شکر **الحمدللہ**۔ مگر ایک اور جہاز اور ہمارا باقی ہے۔ ہمارے جہاز میں سے بچارے تھرڈ کلاس والوں کو جو کہ بے حد بیمار و زار و نزار ہیں، ان کو بڑی مشکل سے اُتارنا شروع کیا ہے۔ بعض تو چل ہی نہیں سکے، ورم تمام ہوگیا ہے۔ کسی کو نمونیہ ہے۔ عجب حالت ہے۔ جہاز والے ان لوگوں کو جہاز سے اتار رہے ہیں جس ڈک پر میں ہوں اس ڈک پر شفاخانہ بنا ہے۔ ڈاکٹر بھی موجود ہے۔ میرے

سامنے سے مریضوں کو لے جا رہے ہیں، جن میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ہیں۔ گیارہ بارہ آدمی بہت علیل ہیں۔ غرض کہ سب کو اتار دیا اور کشتی روانہ ہوگئی۔ ایک بوڑھی بی بی تُرکن بھی ڈک پر آ کے تماشہ دیکھنے لگی مگر اس کو سوائے تُرکی کے اور کوئی زبان نہیں آتی۔ ہم اس بچاری سے بات کرنا چاہتے ہیں مگر نہیں کر سکتے۔ ہنس کر چلی گئی۔ لنچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں بھی کھانے کے کمرے میں آ گئی اور مجید کو خط لکھا، محمود اللہ کو لکھا۔ کھانے کا انتظار ہے۔ ایک ترک پیانو بجا رہا ہے۔ **الحمدللہ** کہ میں اور سرکار کھانے سے فارغ ہو لیے۔ آج کا دن اسی طرح دیکھ بھال میں گزرا۔ میں نے اپنے لیے ایک برقعہ سیا۔ اس وقت شام کے پانچ بجے ہیں۔ ڈک پر آئی، یہاں اس ترک سے جس سے واقفیت ہوگئی ہے، ڈرافٹ کھیلا۔ اب شام ہوگئی، ذرا ٹہل کر کھانے کے کمرے میں آئی۔ کھانے کے بعد اپنی کیابن میں آئی۔ سرکار نے فرمایا کہ ''آج مجھ کو ذرا حرارت معلوم ہوتی ہے۔'' دیکھا تو خفیف حرارت تھی۔ خیر شب کو آرام سے سو رہے۔ بفضلِ خدا سرکار کی حرارت شب میں ہی جاتی رہی۔

۹؍جنوری ۱۹۱۰ء۔ صبح کے ۷ بجے ہیں۔ ناشتہ ابھی نہیں کیا کہ سردی لگنے لگی اور دردِ سر شروع ہوا۔ سرکار نے کہا، ''کچھ نہیں تم یہاں ہی جلدی سے ناشتہ کر لو اور اوپر چلو، مزاج درست ہو جائے گا۔'' خیر ناشتہ کیابن میں ہی منگوایا۔ میں نے ایک انڈا کھایا وہ بھی بڑی مشکل سے اور اوپر کمرے میں آئی مگر سردی زیادہ ہوتی گئی۔ آخرکار بخار ہوگیا۔ سرکار گھبرائے، ڈاکٹر کو بلایا، اُس نے ٹمپریچر لیا اور دوا دی، جس سے سردی کم ہوگئی، مگر بخار خوب رہا۔ یہ ڈاکٹر انگریز ہے۔ بچارا بڈھا آدمی ہے اور بہت اچھا ہے۔ بوڑھا ڈاکٹر خود ہی جا کر ایک اور تُرک مسلمان ڈاکٹر کو لے آیا اور کہا کہ ''اس کو دکھاؤ۔'' اس نے آ کر میرا حلق اور پیٹ دیکھا۔ دوا دی اور حکم دیا کہ ''غذا صرف دودھ اور چائے دو۔'' تمام دن بخار رہا۔ شام کو سرکار کیابن میں لے آئے۔ شام کے ۸ بجے پھر دونوں ڈاکٹر آئے، بخار موجود تھا، دیکھ کر دوا دی۔ یہ تمام شب ہائے وائے میں گزری۔ سرکار نے بڑی محبت سے میری دل دہی اور تیمارداری کی۔

۱۰رجنوری ۱۹۱۰ء۔ آج بھی مجھ کو بخار خوب رہا۔ دونوں ڈاکٹر آئے، دونوں کی صلاح سے علاج ہوتا رہا۔ تُرک ڈاکٹر کے مشورہ کے مطابق غذا میں صرف دودھ اور چائے مجھے دی گئی۔ باقی حالات مجھ کو بہ سبب بخار کے معلوم نہیں، کیا ہوا کیا نہیں۔ یہ شب بھی بخار میں گزر گئی۔

۱۱رجنوری ۱۹۱۰ء۔ صبح کو پھر دونوں ڈاکٹر آئے۔ ٹمپریچر لیا، پیٹ دیکھا۔ آج بخار ہلکا ہے۔ یہ دن بھی اسی طرح گزرا۔ شب کو پھر ڈاکٹر آئے۔ غذا کوئی نہیں دی۔

۱۲رجنوری ۱۹۱۰ء۔ بخار آج بھی ہے مگر بہت خفیف ہے۔ کمزور بہت ہوں۔ سرکار بہت خیال کرتے ہیں۔ غذا میں وہی چائے اور دودھ ملتا ہے۔ اسی حال میں دن رات گزر گئے۔

۱۳رجنوری ۱۹۱۰ء۔ صبح کو پھر دونوں ڈاکٹر آئے اور دیکھا بھالا اور جلاب کی دوا دی۔ یہ دن بھی بے مزہ ہی گزرا۔ آج یہ بھی معلوم ہوا کہ حکم آ گیا ہے کہ جدّہ میں بیماری ہوگئی ہے، اس لیے ان جہازوں کو جو وہاں سے آئیں، دس روز تک قرنطینہ کے لیے روکا جائے۔ اب ہمارا جہاز روک دیا گیا۔ آج جہاز کو یہاں ٹھہرے پانچواں روز تھا، خیر پانچ روز اور سہی۔ قہر درویش بر جان درویش۔ مگر سرکار نے لکھ پڑھ کر کوشش کر کے یہ طے کر لیا کہ ''میں مصر میں اُتر جاؤں گا۔'' کیوں کہ معلوم ہوا تھا کہ ''اس جہاز پر ایک دفعہ اور سمرنا(۶۷) میں قرنطینہ کرنا ہوگا'' اس سے سرکار ڈر گئے اور راستہ میں اُتر جانے کا بندوبست کر لیا۔ اجازت آ گئی۔ رات کو آرام کیا۔ آج رات کو میرا بخار اتر گیا۔ ذرا آرام معلوم ہوا تو سو گئی۔ سرکار رات بھر میری خبر لیتے رہے۔ میرے کپڑے بدلوائے پھر میں سو گئی۔

۱۴رجنوری ۱۹۱۰ء۔ میں اس ۳ دن کے بخار اور غذا نہ ملنے سے بہت کمزور ہوگئی ہوں مگر ڈاکٹر نے آج بھی کھانا نہیں دیا مگر سوپ دلوایا۔ شکر ہے کہ بخار رفع ہوگیا۔ آج پھر میرا جلاّب تھا۔ غرض کہ یہ دن بھی گزر گیا۔

۱۵رجنوری ۱۹۱۰ء۔ آج خبر آئی کہ ''حکم آ گیا ہے کہ مریضوں کو جہاز پر چڑھا لو، کل

جہاز روانہ ہوگا۔'' تمام مریض آنے لگے۔ زیادہ مسافر تھرڈ کلاس کے ہیں۔ تمام دن کشتیاں بھر بھر کے لا کر سب کو سوار کیا۔ یہ دن اسی میں گزرا، شام ہوگئی۔ اس جہاز کے تمام نوکر اس قدر اچھے ہیں کہ میں کیا کہوں، میرا بہت کام کیا۔ وقت پر ہر ایک چیز دودھ توس لا لا کر دیے اور بہت دیے کہ ''کھاؤ اور جو کہو وہ ہم لا دیں تیار کر کے۔'' ان سب کو تُرکی آتی ہے، ایک کو صرف انگریزی اور دو کو عربی آتی ہے۔ عربی والوں سے اور انگریزی والے سے میں باتیں کر لیتی ہوں۔ یہ شب بھی اللہ اللہ کر کے گزار دی۔

۱۶/جنوری ۱۹۱۰ء۔ چار بجے شام کے جہاز روانہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کل سوئز آ جائے گا صبح کے ۵ بجے۔ خیر شام ہوگئی، رات کو آرام کیا۔

سوئز میں:

۱۷/جنوری۔ صبح ۷ بجے جہاز سوئز پہنچا۔ میں نے اٹھتے ہی بڑی مشکل سے کپڑے پہنے اور اسباب باندھا، کچھ سرکار نے باندھا، باقی یہاں کے اسٹورڈ سے بندھوایا۔ ناشتہ کر کے تیار ہو گئے۔ اس عرصہ میں ۹ بج گئے۔ میں اوپر آئی، سامان سب کوک کے آدمی کے حوالے کر دیا۔ میں کمزور تھی بڑی مشکل سے ایک ایک سیڑھی کر کے نیچی اُتری، کشتی میں سوار ہوگئی۔ یہ کشتی اسٹیم یعنی بھاپ سے چلتی ہے، اسٹیم بوٹ اس کا نام ہے۔ وہ تُرک ڈاکٹر جس نے میرا علاج کیا تھا، ہم سے آ کر ملا اور ہنسا۔ میں نے اس کا پتہ لے لیا کہ کوئی چیز ہندوستان کی اس کو بھیج دوں گی۔ اب ہم دونوں روانہ ہوئے۔ اسٹیشن پر کنارے سے کشتی لگی، سامان کوک کے آدمی نے سنبھالا۔ ہم دونوں اُترے پاسپورٹ وغیرہ دکھایا اور سامان ہال میں گئے، وہاں سامان دکھا کر گاڑی میں بیٹھ گئے اور سیدھے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی بالکل تیار ملی۔ ٹھیک وقت پر خدا نے پہنچا دیا ورنہ ۵ منٹ کی دیر ہوجاتی تو اس وقت کی ریل نہ ملتی۔ بخیر وخوبی سوار ہوگئے، سامان بھی سب رکھ لیا۔ سوئز ریل روانہ ہوئی۔ میں بھوکی تھی، دوسرے کمزور بھی تھی۔ اس ٹرین میں کھانے کی گاڑی لگی تھی، سرکار بھی بھوکے تھے۔ ہم دونوں ریل میں سے اندر اندر ہو کر کھانے کی

گاڑی میں گئے۔ وہاں کچھ کھانا لے کر کھایا، سوپ بنوا کر سرکار نے مجھ کو پلایا، پھر وہاں سے اپنی گاڑی میں چلے آئے۔ یہاں ایک مقام ہے میں نام بھولتی ہوں، اس اسٹیشن پر اُترے۔ سرکار نے فرمایا کہ یہاں ہمارے ابّا جان قبلہ بھی اترے تھے اور اس جگہ وہ بیٹھے تھے۔ وہیں ہم بھی بیٹھ گئے۔ (۶۸) اتنے میں اسکندریہ جانے والی گاڑی آ گئی اور ہم دونوں آرام سے فسٹ کلاس میں سوار ہو گئے۔ سامان سب رکھ لیا۔ یہاں پر اسٹیشن پر کثرت سے قلی مل جاتے ہیں، سامان سب پہنچا دیتے ہیں مگر اجنبیوں کو خوب لوٹتے ہیں۔ سرکار ایک تو واقف کار ہیں، دوسرے ان کی زبان بھی جانتے ہیں، اس وجہ سے آرام رہا۔

اسکندریہ کی سیر:

رات کے ساڑھے ۸ بجے ہم اسکندریہ پہنچ گئے۔ اگرچہ شب ہے مگر شہر خوبصورت معلوم ہوتا ہے، تمام دکانوں پر بجلی کی روشنی ہے۔ یہ مصر کا علاقہ ہے لیکن مصر کا دارالسلطنت قاہرہ ہے۔ ہم ریل سے اتر کر گاڑی میں سوار ہوئے۔ سامان ہمارا ہوٹل کے آدمی کے سپرد ہو گیا، وہ احتیاط سے پہنچا دے گا۔ یہاں کا قاعدہ ہے کہ ہر ہوٹل کے آدمی ریلوے اسٹیشن اور جہاز کے اسٹیشن پر ہر ریل و جہاز کی آمد کے وقت کھڑے رہتے ہیں اور مسافروں سے پوچھتے ہیں کہ ''پیرا ہوٹل''، ''اسوان ہوٹل۔'' اس طرح سے جس کا دل جس ہوٹل میں چاہا، اسی کے آدمی کو سامان سپرد کر دیا۔ ہم نے بھی ''اسوان ہوٹل'' جو کہ سب سے بڑا اور آج کل مشہور ہوٹل اسکندریہ میں ہے، اس کے آدمی کے سپرد کر دیا۔ ہوٹل کے آدمی ہی گاڑی وغیرہ کا سب انتظام کر دیتے ہیں۔ غرض ایک گاڑی لے کر آرام سے ''اسوان ہوٹل'' میں جو پاس ہی تھا، آئے۔ ہوٹل بہت عمدہ ہے، لفٹ بھی موجود ہے۔ سرکار نے عمدہ کمرہ چُن کر لیا اور ہم دونوں لفٹ سے اوپر گئے۔ کپڑے وغیرہ بدل کر فوراً کھانے کے کمرے میں آئے۔ خوب بجلی کی روشنی ہو رہی ہے۔ سیکڑوں میزیں لگی ہیں جو دو آدمیوں کی ہیں۔ نوکر گورے گورے سُرخ و سفید ڈنر سوٹ پہنے کھڑے ہیں۔ ہم ایک میز پر بیٹھ گئے۔ نوکروں نے نہایت سلیقہ سے کھانا لانا شروع کیا۔

اور بھی بہت لوگ آ آ کر میزوں پر بیٹھ گئے، ہر ایک میز پر دو دو آدمی ہیں۔ میرا جی اگرچہ اب اچھا ہے مگر ابھی ذائقہ خراب ہے۔ کھانا کھا کر ڈرائنگ روم میں آئے، یہاں بہت سے اخبار رکھے ہیں مگر کیوں کہ میں تھکی ہوئی تھی، ذرا دیر ٹھہر کر اوپر کمرہ میں آ گئی۔ سرکار بھی آ گئے اور بفضل خدا آرام سے سو رہے۔

۱۹؍جنوری ۱۹۱۰ء۔ صبح ہوئی، ہم نے اُٹھ کر نماز پڑھی اور نیچے اُترے۔ نہایت عمدہ ناشتہ میوہ توس، نہایت نفیس جام مکھن اس قدر عمدہ برف میں لگا ہوا ملا۔ اگرچہ یہاں ایسی ہی سردی ہے جیسے کہ دہلی میں جاڑا ہوتا ہے مگر مکھن برف میں لگا ہوتا ہے۔ جب ناشتہ کر چکے تو سرکار نے فرمایا کہ ''تم ذرا ڈرائنگ روم میں ٹھہرو تو میں کوک سے قسطنطنیہ کے جہاز کا بندوبست کر آؤں، پھر آ کر تم کو لے کر میوزیم دیکھنے چلیں گے، اتنے تم اخبار دیکھتی رہو۔''

یہ کہہ کر ایک باتصویر اخبار دے گئے۔ میں آرام سے بیٹھی اخبار دیکھتی رہی۔ اکثر میم و انگریز پھرتے رہے، کچھ بیٹھے اخبار دیکھتے رہے۔ اخبار دیکھتے دیکھتے میں ایک صفحہ الٹتی ہوں تو اس میں سرکار (۶۹) کی تصویر نظر آئی، وہ تصویر کہ جو ہم نے عربی لباس میں اُتروائی تھی اور سرکار کا تمام حال لکھا ہوا بھی پڑھا۔ میں حیران ہوئی کہ یہ تصویر کہاں سے اس اخبار میں آ گئی۔ اسی سوچ میں تھی کہ سرکار آ گئے۔ میں نے وہ تصویر دکھائی اور پوچھا تو کہا کہ ''ہم نے ولایت، مجید کو بھیجی تھی، انھوں نے چھپوا دی ہوگی۔'' میں نے کہا کہ ''یہ اخبار تمام یورپ میں جاتا ہے، سب جگہ یہ تصویر پہنچ جائے گی۔''

شاہانِ مصر کے بُت:

سرکار کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہو کر میوزیم دیکھنے گئی۔ اوّل سرکار مجھ کو وہاں لے کر آئے جہاں پلر ایک نہایت اونچا کھڑا ہے۔ کسی بادشاہ نے یہ پلر ایک پتھر کا اتنا اونچا بنوایا ہے کہ کیا کہوں۔ اس کو لا کر یہاں اسکندریہ میں لگایا ہے، خوب بنایا ہے۔ دو شیر دیکھے جن کے منہ آدمیوں کے ہیں۔ (۷۰) سرکار نے فرمایا کہ ''یہ بادشاہوں کی تصویر پتھر پر تراشی ہے مگر دھڑ

شیر کے بنا دیے ہیں کہ معلوم ہو شیر بیٹھے ہیں۔ ناکیں ان مورتوں کی کٹ گئی ہیں، پُرانے زمانے کی یہ تصویریں ہیں۔ چوں کہ مسلمانوں کو تصویر بنانی منع ہے، کسی پیغمبر نے ان کی ناکیں توڑ ڈالیں کہ ''بت پرستی تصویروں سے ہوتی ہے۔'' ایک مقام دیکھا، کھدا پڑا تھا، جہاں سے تصویریں پُرانی اور عجیب عجیب چیزیں نکلی ہیں اور وہ میوزیم میں رکھی گئی ہیں۔

عجائب خانہ:

وہاں سے دیکھ بھال کر فٹن میں سوار ہو کر میوزیم میں آئے۔ یہاں ٹکٹ لیا جاتا ہے۔ سرکار نے ٹکٹ لیا اور اندر آئے۔ ایک نوکر ہمراہ ہوا۔ یہ نہایت عمدہ عمارت ہے۔ یہاں تمام پُرانے زمانہ کا سامان الماریوں میں رکھا ہے جو آئینہ کی ہیں۔ بڑی عجیب عجیب طرح کی تصویریں پتھر کی ایسی ایسی تراشی ہیں کہ اصل ونقل میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ جھرّیاں اور شکن تک بدن پر پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگلے زمانہ کا لباس خوب بنایا اور اُن تصویروں کو پہنایا ہے۔ لباس بھی پتھر میں ہی تراش کر دکھایا ہے، چادر اوڑھے، ساڑھی پہنے صاف نظر آتی ہیں۔

بادشاہوں کی سوکھی ہوئی لاشیں:

خیر اور عجائبات تو دیکھیں مگر ایک چیز البتہ ایسی دیکھی کہ جس سے افسوس بھی ہوا اور حیرت بھی ہوئی۔ وہ یہ کہ اگلے بادشاہوں کی نعش کو ایک بکس بنوا کر اس میں کچھ روپیہ جواہرات رکھ کر بند کر دیا کرتے تھے اور اوپر بادشاہ متوفی کی تصویر لگا دیتے تھے۔ ان لوگوں نے اُس بکس کو تو کھڑا کر دیا بعض کو بند، بعض کو کھول کر آئینہ کی الماری مثل تخت کے بنا کر اُسی میں رکھ دیا ہے۔ وہ مردے بدستور کفن میں لپٹے ہوئے امانت رکھے ہیں۔ بعض کا تو منہ ڈھکا ہے، بعض کا کھول دیا ہے۔ سر سے پاؤں تک ننگے سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں۔ غرض دو ڈھائی گھنٹہ تک بہت کچھ دیکھا۔ بعد فراغت ہوٹل میں آئے، کھانا کھایا۔ اس وقت قریب دو بجے کے دن ہے۔

سرکار نے کہا کہ ’’اب جہاز پر چلو، سب حساب وغیرہ ہوٹل کا کر دیا ہے۔‘‘ ہم دونوں سوار ہو کر جہاز پر آئے، یہ کل جانے والا ہے۔ شب کو عمدہ کیابن میں آرام سے سوئے۔ شب کا کھانا بھی جہاز پر کھایا۔

۱۹ر جنوری ۱۹۱۰ء[۲۰ر نومبر]۔ صبح کو اٹھ کر دیکھا تو جہاز بہت عمدہ اور صاف ہے، اس کا نام ’’عثمانیہ‘‘ ہے۔(۱۷) ڈرائنگ روم، میوزک روم، آفس سب ہیں، بہت بڑا جہاز ہے۔ سرکار نے کہا کہ ’’ابھی تو جہاز کے جانے میں بہت دیر ہے، چلو شہر کی سیر کر آئیں۔‘‘ ہم دونوں جہاز سے اترے اور شہر کی سیر کی۔ کھانا وہیں ہوٹل میں کھایا، پھر جہاز پر آ گئے۔ ساڑھے ۴ بجے جہاز روانہ ہوا۔ کیوں کہ میں ابھی تک کمزور ہوں، جہاز کے چلتے ہی مجھ کو قے شروع ہوگئی۔ مجھ کو کیا کئی میموں اور انگریزوں کو بھی ہوئی۔ خود سرکار کو بھی چکّر آیا مگر قے صرف ایک بار ہی آئی۔ میرا تو بُرا حال ہوگیا۔ شب کو بغیر کچھ کھائے جوں توں کر کے سو رہی۔

۲۰ر جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج بھی بُرا حال ہے مگر قے کم رہی، صرف چکّر ہی رہے۔ اسی حالت میں یہ دن پڑے پڑے گزر گیا۔ سرکار بفضل خدا آج آرام سے رہے۔ یہ شب بھی اسی طرح گزری۔

۲۱ر جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج البتہ میری طبیعت بحال ہوئی۔ منہ ہاتھ دھویا، کپڑے پہنے۔ میم لوگوں کا بھی مزاج بحال ہوا۔ سب میمیں بہت خلیق ہیں، امریکہ سے دو، لندن سے صرف قسطنطنیہ دیکھنے آئی ہیں، مثل ہمارے، سیر کرنے کی شوقین ہیں۔ ہماری سب سے دوستی ہوگئی۔ ایک نے پیانو بجایا، ایک کا صاحب بھی ہے مگر وہ مسخرا ہے۔ ہم سے بھی مسخرہ پن کرتا ہے، ہاتھ ملاتا ہے، باتیں کرتا ہے، ہم بھی کرتے ہیں۔ ابتدائی تین دن بہت بے لطفی میں گزرے، مگر یہ دن خوب پُر لطف رہا۔

سمرنا میں:

آج **۲۲ر جنوری** کا روز بھی بہت لطف کے ساتھ گفت وشنید، کھیل وتفریح سے گزر رہا

ہے۔ سمرنا ایک مقام ہے، یہاں جہاز ٹھہرا ہے، سرکار شہر دیکھنے گئے ہیں۔ سب [میمیں] اور صاحب لوگ بھی گئے، مگر میں نہیں گئی کیوں کہ مجھ میں ابھی پوری طاقت نہیں آئی۔ آج معلوم ہوا کہ ہم کل ۱۲ بجے انشاء اللہ تعالیٰ قسطنطنیہ پہنچ جائیں گے۔ الحمدللہ کہ یہ شب آرام سے گزری۔

قسطنطنیہ کا نظارہ:

۲۳؍جنوری کی صبح اُٹھ کر بعد نماز و ناشتہ وغیرہ کے اپنا سب سامان درست کر لیا اور سب سامان پیک کر کے تیار ہوگئے ہیں اور انتظار میں ہیں کہ کب شہر نظر آتا ہے، ڈک پر ٹہل رہے ہیں۔ ایک بجے شہر نظر آنا شروع ہوا۔ بہت بڑا اور نہایت خوبصورت شہر ہے۔ یہ شہر پہاڑ پر واقع ہے، عمارتیں خوب نظر آ رہی ہیں۔ آدھے گھنٹہ میں جہاز شہر کے قریب پہنچ کر ٹھہر گیا، مگر ابھی مسافر اترتے نہیں، سب تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ میموں نے ہم سے پوچھا کہ ''تم کہاں اور کس ''ہوٹل'' میں ٹھہرو گی؟'' میں نے کہا ''پیرا پیلس میں۔'' انھوں نے کہا کہ ہم بھی وہیں اترنے والے ہیں۔ یہ عجیب اتفاق ہوا۔ ہمارا جہاز قریب ڈھائی بجے کے کھڑا اور آہستہ آہستہ کھسکنا شروع ہوا، ایسا کہ بالکل معلوم نہ ہوا مگر کنارا قریب آتا گیا۔ یہاں تک کہ کنارے سے زمین کے لگ گیا۔ تمام ترک قطار کی قطار کھڑے مسافروں کو دیکھ رہے ہیں اور ہر ایک ہوٹل کا ایک ایک آدمی اپنے اپنے ہوٹل کا نام لے کر پکار رہا ہے۔ ''پیرا پیلس''، ''گرانڈ ہوٹل'' اسی طرح جو جو مسافر جس جس ہوٹل میں جانے والے ہیں، اُس اُس ہوٹل کے آدمی کو بلا کر اپنا اپنا اسباب سپرد کر دیتے ہیں۔ ہم نے بھی کوک کے آدمی سے کہا کہ ''پیرا پیلس'' کا آدمی لاؤ۔'' اس نے اوّل ہی سے ''پیرا پیلس'' مقرر کر رکھا تھا۔ اُس کو ''ڈراگومین'' کہتے ہیں۔ وہ گورا گورا سونے کی انگشتری پہنے ہوئے آیا، ٹوپی اتار کر سلام کیا۔ سب اسباب گن کر اُس کے حوالے کیا۔ اس میں اتنی دیر ہوگئی کہ شام کے چھ بج گئے، روشنی ہوگئی۔ جہاز کے ہر نوکر کو انعام دینے کا قاعدہ ہوتا ہے۔ سب کو انعام دے دلا کر اترے۔ ہمارے ہی ہمراہ وہ سب ہماری ملاقاتی

میمیں بھی اُتریں۔ ہم سب گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔

قسطنطنیہ میں:

ماشاء اللہ شہر نہایت عمدہ ہے۔ تمام شہر میں ہر دکان پر جو بڑی بڑی ہیں، بجلی کی روشنی ہے۔ شہر خوب آباد ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوٹل آ گیا۔ ہوٹل کے دروازے پر کوئی ۴۰ لمپ بجلی کے روشن ہیں، دروازہ عجب طرح کا ہشت پہل بنا ہے۔ ایک طرف سے اندر جاؤ تو برابر ہر پہلو پھرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اندر پہنچ جاتے ہیں۔ ہم دونوں اندر گئے۔ ہمارے پیچھے وہ سب میمیں اور انگریز بھی آئے۔ میں تو ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ سرکار منیجر ہوٹل سے باتیں کرنے لگے۔ مجھ سے کہا کہ ''میں جا کر اوّل کمرہ پسند کر آؤں پھر تم کو لے جاؤں گا۔ اتنے [میں] تم یہاں ہی بیٹھو۔''

میں اپنی ساتھ والی ایک میم صاحب سے جو میرے پاس آ کر بیٹھ گئی تھیں، باتیں کرتی رہی۔ یہاں تمام سیڑھیوں پر نہایت عمدہ قالین کا فرش ہے۔ برآمدوں میں بھی تمام فرش قالین کا ہے۔ سنگ مرمر کثرت سے نظر آتا ہے، دیواریں تمام سنگ مَرمَر کی ہیں۔ اس عرصہ میں سرکار کمرہ پسند کر کے آ گئے اور سب بندوبست کر کے بذریعہ لفٹ کے اوپر گئے۔ کمرہ مجھ کو بھی بہت پسند آیا۔ دو پلنگ ہیں، قالین نہایت عمدہ بچھا ہے، آئینہ دار الماری، بنچ، کرسی وغیرہ، منہ دھونے کا سامان، لکھنے کی میز معہ سامان غرض سب چیز موجود ہے۔ روشنی بجلی کی ہو رہی ہے۔ زرد ریشم کے نرم نرم روئی کے بالا پوش۔ ہم نے سب سامان منگوایا۔ کپڑے نکالے، ہاتھ منہ دھویا، دوسرے کپڑے پہنے کیوں کہ ساڑھے آٹھ ہو گئے ہیں، ڈنر کا وقت ہے۔ تیار ہو کر بذریعہ لفٹ کے نیچے اترے۔ اسی وقت [ہمارے] ساتھ کی سب میمیں اور انگریز بھی اترے۔ آہاہا ڈرائنگ ہال قابل دید ہے۔ چھت میں اور چاروں طرف دیواروں میں بجلی کے لمپ نہایت خوبصورت جیسے گلاب کے پھول روشن ہیں، زمین پر فرش لکڑی کا نہایت خوبصورت ہے۔ لکڑی کا فرش اس لیے ہے کہ یہاں بال یعنی ناچ ہوا کرتا ہے۔ اس کمرے

میں چھوٹی چھوٹی چوکھونٹی میزیں لگی ہیں ہر ایک میز پر دو آدمی بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ ہم دونوں بھی جا کر ایک میز پر بیٹھ گئے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو جس میز پر بیٹھ جائے پھر روز اُسی میز پر بیٹھا کرے۔ ہم دونوں نے کھانا شروع کیا۔ تمام گورے گورے نوکر ڈنر سوٹ پہنے کھلانے کو موجود ہیں۔ ہر چیز نہایت عمدہ صاف ستھرے برتنوں میں لا کر دینے لگے۔ آج چوں کہ اتوار ہے، بینڈ خوب بج رہا ہے۔ اس کے بعد ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھے۔ یہ بھی خوب آراستہ ہے، یہاں تک تمام دیواروں پر اطلس منڈھی ہے جو زرد پھول دار ہے۔ اُسی اطلس سے تمام فرنیچر بھی منڈھا ہے۔ بینڈ ہمارے سامنے بج رہا ہے۔ کمرہ گرم کرنے کی کلیں لگی ہیں، ذرا سا پھیر دینے سے وہ مشین گرم ہو جاتا ہے۔ یہاں موسم نہایت اچھا ہے، سردی ہے مگر ناگوار نہیں۔ قسطنطنیہ کا آدھا حصّہ یورپ میں ہے آدھا ایشیا میں، بیچ میں سمندر ہے، درمیان میں پل ہے۔ (۷۲) یورپ کا حصّہ بھی سلطان ہی کی حکومت میں داخل ہے مگر یہ پیرا جہاں ہم اُترے ہیں، اس کی حالت ایسی ہے جیسے ہمارے ہاں کا سکندر آباد جہاں تمام انگریز بستے ہیں، اسی طرح سے یہاں بھی اس حصّہ میں بھی اکثر زیادہ تر انگریزوں کی بستی ہے۔ ''پیرا'' اس محلّہ کا نام ہے۔ اب شب کے ۱۲ بج گئے ہم کو نیند خوب آئی اور سب لوگ اُٹھے، ہم دونوں اٹھے اور اوپر آرام سے سو رہے۔

۲۴ رجنوری ۱۹۱۰ء۔ آج سرکار اپنے ایک ملاقاتی انگریز سے جو یہاں کے وزیر صاحب کے سکریٹری ہیں، ملاقات کو گئے ہیں۔ (۷۳) میں نے جلدی جلدی چند خطوط لکھنؤ بھائی، ابّا جان کو اور حیدر آباد لکھ ڈالے۔ ۱۲ بجے سرکار تشریف لائے، ۱۵ منٹ کے بعد لنچ پر گئے۔ بعد کھانے کے سرکار باہر تشریف لے گئے، میں اپنی دوست میموں کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ انھوں نے پوچھا کہ ''باہر کب چلو گی؟'' میں نے کہا کہ ''آج تو میں ذرا ویسے ہی ہوا کھا آؤں گی، البتہ کل میوزیم دیکھنے جاؤں گی۔ آج بارش بھی ہو رہی ہے۔'' انھوں نے کہا کہ ''ہم سب تو آج ہی جا کر دیکھ آئیں گے۔ آپ کے صاحب کہاں گئے

ہیں؟'' میں نے کہا کہ ''ان کی ملاقات وزیر صاحب اور اُن کے سکریٹری سے ہے، وہاں تشریف لے گئے ہیں۔'' میں تو اوپر آ گئی، وہ سب ڈیڑھ بجے روانہ ہوگئے۔ میں ذرا اوپر کمرے میں ٹھہر کر پھر تیار ہو کے نیچے آ گئی اور دفتر کے کمرے میں بیٹھ کر اخبار دیکھنے لگی۔ اس عرصہ میں ساڑھے چار ہوگئے وہ سب بھی واپس آ گئے اور چائے منگوائی، مجھ کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا۔ سرکار بھی تشریف لے آئے اور کہا کہ ''چلو ہوا خوری کر آؤ۔'' میں جلدی سے چائے پی کر اٹھی اور ہوا خوری کو روانہ ہوئی۔ پھر پھرا کر ایک گھنٹہ میں واپس آئی۔ آج بینڈ نہیں بجا کیوں کہ اتوار نہیں ہے۔ ہفتہ میں دو بار بینڈ بجتا ہے۔ شب کے ۸ بجے ڈنر پر آئے، اس کے بعد ڈرائنگ روم میں گئے، انگریز اور میم صاحبان بھی آ گئیں۔ یہ امریکن صاحب جو ایک میم صاحب کے صاحب ہیں، بہت خوش مذاق ہیں مگر نہایت شریف۔ خواہ مخواہ ایسی بات کرتے ہیں کہ ہنسی آتی ہے۔ بچارے ہم سے بھی آن کر باتیں کر جاتے ہیں۔ اس وقت آپ میری ساڑھی کو دیکھ رہے ہیں۔ اُن کی میم صاحبہ اور بہنیں ہمراہ ہیں۔ بہت دیر سب بیٹھے باتیں کرتے رہے، پھر اپنے اپنے کمروں میں آئے اور آرام سے سو رہے۔

۲۵ر جنوری ۱۹۱۰ء۔ صبح کو سرکار نے کہا کہ ''چلو اپنے لیے عمدہ کلوک اور کوٹ بنوا لو۔ یہاں میرے واقف کاروں سے ملنا ہوگا۔'' غرض ہم تیار ہو کر چائے کے کمرے میں آئے۔ مکھن، توس، جیلی، مربّہ سب چیزیں لذیذ تھیں۔ چائے پی کر ہم واک کرتے ہوئے ایک نہایت عمدہ دکان میں آئے۔ یہ دکان سب سے بڑی اور مشہور شاپ ہے جو اوپر کی عمارت میں ہے۔ بہت عمدہ سنگ مرمر کا زینہ بنا ہے، خوبصورت انگیٹھیاں روشن ہیں۔ میں آن کر آرام سے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ یہ شاپ گریک یا فرنچ لوگوں کی ہے۔ صاحبِ شاپ نے آ کر سرکار کا ناپ لیا، کپڑا پسند کروایا اور کہا کہ ''لیڈیز کی بہت اچھی شاپ میں بتا دیتا ہوں۔ وہاں جاؤ اور حسب مرضی کپڑا سلوا لو۔''

اس سے اپنا معاملہ ختم کر کے مجھ کو لے کر لیڈیز شاپ میں آئے۔ یہ شاپ بھی بہت

بڑی اور اچھی ہے۔ سب لیڈیز ہی کترنے سینے والی ہیں۔ ایک میم آئی اور تمام عمدہ عمدہ نمونے کپڑوں کے دکھلائے۔ میں نے ایک کپڑا پسند کیا۔ سرکار سے سب معاملہ فرنچ میں طے ہوا اور اس کو آرڈر دے دیا۔ اُس نے کہا کہ ''کل ۹ بجے آکر ٹرائی کر جانا۔'' اسی طرح کل ۴ بجے سرکار کے کپڑا سینے والے نے سرکار کو بلایا ہے۔ وہاں سے ہم اور شاپوں میں گئے۔ عمدہ قسم کے لیڈیز دستانے، گرم پائجامہ، بنیان، گرم ساڑھی اور ایک عمدہ چھتری خریدی۔ اس عرصہ میں لنچ کا وقت آ گیا۔ ہم ہوٹل آئے، لنچ کھایا۔ میں اوپر کمرہ میں آ گئی، سرکار پھر ملنے ملانے تشریف لے گئے۔ اس روز بھی میں نے آدھا روز آرام سے ہوٹل میں گزارا۔ ۴ بجے نیچے آئی تو سب میری دوست میمیں ملیں اور پوچھا کہ ''آپ آج کہاں گئی تھیں؟'' میں نے کہا کہ ''ڈریس کا آرڈر دینے کیوں کہ یہاں سلطان سے ملوں گی۔'' انھوں نے کہا کہ ''ہم تو آج اُن کو دیکھ آئے ان کی سواری جا رہی تھی۔'' میں نے کہا کہ ''میں اس طرح کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ وہ مسلمان سلطان ہیں، اسلامی طریقہ سے اُن سے ملوں گی۔'' انھوں نے کہا کہ ''نقاب ڈال کر۔'' میں نے کہا، ''ہاں نقاب ڈال کر سلام کروں گی۔'' اتنے میں سرکار بھی تشریف لے آئے اور فرمایا کہ ''لو ہم تو آج وزیر صاحب سے مل آئے۔ (۴۷) ۳ بجے بلایا تھا اور انھوں نے بعد نماز جمعہ سلطان المعظم سے پوچھ کر باریابی کروانے کا وعدہ کیا ہے۔ آج منگل ہے، اتنے ہمارا سوٹ بھی مل جائے گا مگر ہم تو جمعہ کے روز مدنی لباس پہن کر سلطان سے ملیں گے۔'' میں نے کہا کہ ''ہاں ضرور۔'' ۸ بجے ڈنر کا وقت آ گیا مگر ہماری دوست امریکن میمیں اور وہ صاحب کہیں باہر ڈنر پر تیار ہو کر گئے۔ ڈنر سے فارغ ہو کر اوپر آئے اور یہ شب بھی آرام سے گزر گئی۔

۲۶ رجنوری ۱۹۱۰ء۔ ہم تیار ہو کر نیچے آئے، ناشتہ کیا۔ سرکار کے پاس دو وزیٹنگ کارڈ آئے۔ وہ ملنے کو کمرے میں گئے، میں دفتر کے کمرے میں رہی۔ سرکار نے آ کر کہا کہ ''تمھیں دو جگہ سے دعوت آئی ہے۔ ایک صفی الدین بیگ، دوسرے مدارالمہام صاحب کے سکریٹری

حامد پاشا کے یہاں سے۔ ڈنر پر جمعہ کے روز، دوسری جگہ ہفتہ کے دن۔ چلو کلوک اور کوٹ کا ناپ کروالو پھر دوسرے مقام پر چلنا ہے۔'' مجھ کو لے کر سرکار شاپ میں آئے۔ ناپ درست کرا کے ہوٹل میں آئے، کھانا کھایا۔ سرکار پھر کہیں تشریف لے گئے، مجھ سے کہہ گئے کہ ''آج ہمارے دوست فٹس ماریس صاحب ڈیڑھ بجے ہم کو لینے آئیں گے، ہم اس وقت تک آجائیں گے۔ جہاں وہ لے جائیں گے، وہاں سے واپس آ کر تم کو باہر لے جائیں گے۔'' میں نے کہا، ''ہاں بسم اللہ سدھارو، میں پھر جاؤں گی۔'' میں اپنے کمرے میں برقعہ سینے بیٹھ گئی۔ سوا بجا ہوگا یا ڈیڑھ بج گیا ہو کہ ایک ویٹر نے فٹس ماریس صاحب کا کارڈ لا کر مجھ کو دیا اور کہا کہ ''ایک صاحب آئے ہیں اور صاحب کو پوچھتے ہیں۔'' مجھ کو فرنچ نہیں آتی اور یہ ویٹر فرنچ بولتا ہے، اس کو انگریزی نہیں آتی۔ خیر میں نے کارڈ تو لے لیا اور اس سے کہا کہ ''صاحب سے کہو کہ وہ باہر گئے ہیں، ابھی آتے ہیں۔'' مگر وہ کچھ نہ سمجھا، باہر چلا گیا اور ذرا دیر میں پھر دروازہ کھٹ کھٹایا تو میں نے حسب معمول کہا ''کم اِن'' اس کے ساتھ یہ صاحب اندر آئے۔ میں اکیلی تھی۔ بالکل بھول گئی کہ یہ فٹس ماریس صاحب ہیں۔ میں گھبرا گئی کہ یہ کون صاحب چلے آئے؟ انھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ ''صاحب کہاں ہیں؟'' میں نے کہا کہ ''وہ کسی سے ملنے گئے ہیں، آپ ٹھہریے وہ ابھی آجائیں گے۔'' انھوں نے پوچھا کہ ''کتنی دیر میں؟'' میں نے کہا، ''اُن کو فٹس ماریس صاحب کہیں لے جاویں گے، وہ نیچے ٹھہرے ہیں۔ ٹھیک ڈیڑھ بجے صاحب آجاویں گے۔'' انھوں نے گھڑی نکال کر کہا کہ ''ڈیڑھ بج گیا بلکہ دس منٹ زیادہ ہوگئے۔'' میں نے کہا کہ ''اگر آپ کو جلدی ہے تو اپنا کارڈ دے دیجیے، میں صاحب کو دے دوں گی۔'' وہ بچارے حیران ہیں کہ ''میں ہی تو فٹس ماریس ہوں اور یہ اس طرح بات کرتی ہیں جیسے کسی دوسرے شخص سے۔ میں اپنا کارڈ بھیج چکا ہوں، یہ پھر مجھ سے کارڈ مانگتی ہیں۔'' خیر وہ کوئی دس منٹ بیٹھ کر چلے گئے۔ اب مجھ کو پہلے اپنے ڈرنے پر اور پھر اس طرح باتیں کرنے پر بہت ہنسی آئی۔ آپ ہی آپ بیٹھی ہنستی رہی۔ سرکار بھی

تشریف لے آئے۔ کپڑے بدلے اور مجھ سے کہا کہ ''تم نے فٹس ماریس صاحب سے بات بھی کی۔ ویٹر ان کو اوپر بلا لایا تھا۔ تم نے کرسی بھی دی تھی؟'' میں نے کہا کہ ''میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ کسی اور کو بلا لایا، مگر خیر بات تو کی تھی مگر یہ کہہ دیا تھا کہ فٹس ماریس صاحب نیچے بیٹھے ہیں۔ آپ اپنا کارڈ دے دیجیے، میں سرکار کو دے دوں گی۔'' اس پر سرکار بھی ہنسے۔ میں نے کہا کہ ''اگر وہ فٹس ماریس صاحب تھے تو اُن سے معافی چاہ لیجیے۔'' سرکار تو سدھارے، میں ساڑھے ۴ بجے نیچے آئی، اپنی ساتھ والیوں سے ملی اور یہ قصّہ بیان کیا۔ وہ سب بھی خوب ہنستی رہیں۔ آج شب کو کسی نے اپنی دوست لیڈی کو ڈنر دیا ہے۔ ڈرائنگ روم میں بڑی خوبصورت کوئی ۲۰ آدمیوں کے لیے میز ہماری میز کے قریب ہی لگائی گئی ہے۔ ہم نے کھانا کھایا اور ان لوگوں کا تماشہ دیکھنے کے لیے پھر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ ہم سب دوست مل کر اس ڈنر پارٹی کا ذکر کرنے لگے کہ ''کیسی تھی'' اُن میں ایک میم صاحب کے سر پر بہت بڑی ٹوپی تھی۔ اس پر ہم سب ہنستے رہے۔ یہ لوگ بھی آپس میں ایک دوسرے پر خوب نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں اوپر آ کر سو رہی۔

۲۷رجنوری ۱۹۱۰ء۔ آج صبح کو ہم اُٹھے، نماز پڑھ کر کپڑے بدلے، ناشتہ کیا۔ آج ہماری ساتھ والیوں میں سے ایک میم صاحبہ اور اُن کے صاحب رخصت ہوئے۔ اپنا کارڈ ہم کو دیا، ہمارا خود لیا۔ امریکن میم صاحبان و صاحب کل جمعہ کو روانہ ہو جائیں گے۔ ہم سے دریافت کیا کہ ''تم کب جاؤ گے؟'' میں نے کہا، ''ابھی تو رہوں گی۔ دو روز تو کل اور پرسوں میرا ڈنر باہر ہے، پھر یہاں کی سیر اور ملاقاتیں کرنی ہیں۔''

انھوں نے کہا کہ ''تمھارے صاحب سے بہت لوگ روزانہ ملنے آتے ہیں، کیا یہاں تمھاری فیملی ہے؟'' میں نے کہا، ''نہیں دوستی ہے۔'' انھوں نے اخبار مجھ کو دیا اور کہا کہ ''دیکھو اخبار میں بھی چھپ گیا ہے۔ بہت تعریف تمھارے صاحب کی چھپی ہے۔''

سرکار نے کہا کہ ''چلو آج یوں ہی چکّر لگا آویں۔ کل یا پرسوں کہیں دیکھنے جائیں

گے۔'' میں نے کہا، ''چلیے۔'' ہم دونوں دور تک پھر پھرا کر واپس آئے، لنچ کھایا۔

قسطنطنیہ کی شاندار مساجد:

لنچ کے بعد سرکار نے فرمایا کہ ''چلو آج مساجد دیکھ آئیں۔ پُل پر سے ہو کر جانا ہوگا۔ یہ خاص قسطنطنیہ ہے، جس کو استنبول کہتے ہیں۔'' میں نے کہا، ''بہتر ہے۔'' گاڑی منگوا کر ہم دونوں سوار ہوئے۔ وضو کر لیا تھا، اوّل مسجد صوفیہ میں آئے۔ یہ بہت مشہور مسجد ہے، نہایت عمدہ سنگ مرَمرَ سے بنی ہے۔ تمام دروازوں پر سیپ کا کام قابل دید کیا ہوا ہے۔ تمام میں قیمتی قالین کا فرش ہے۔ وضو کا مقام نہایت اچھا بنا ہے۔ ہم نے دو رکعت نماز داخلہ مسجد پڑھی اور اچھی طرح دیکھ کر دوسری مسجد میں آئے، اس کو اور بھی عمدہ پایا۔ یہاں عصر کی نماز جماعت سے ادا کی۔ اس کو خوب دیکھا۔ یہاں بادشاہوں کے مزار دیکھے، ان پر فاتحہ پڑھی، پھر ایک اور مسجد میں آئے۔ کوئی مسجد سلطان سلیم کی، کوئی سلطان محمود کی، کوئی والدہ سلطان کی، کوئی شہزادی صاحبہ کی، کوئی سلطان محمد کی، ہر ایک بادشاہ کی ایک ایک مسجد ہے جو کہ قابل دید ہیں۔ آج ہم نے یکے بعد دیگرے چھ مساجد دیکھ ڈالیں۔(۷۵) ہر ایک کو اپنی وضع میں نایاب پایا۔ اب رات کے ساڑھے سات بج گئے۔ سرکار نے فرمایا کہ ''چلو حضرت ایوّب کی مسجد میں جہاں اُن کا مزار ہے۔(۷۶) آج شب جمعہ ہے، فاتحہ پڑھ لیں۔''

میں نے کہا، ''اب شام ہو گئی ہے۔'' فرمایا کہ ''نہیں ضرور چلو۔ یہ حضرت ایوّب، اصحاب حضرت رسولؐ مقبول کے ہیں۔'' یہ نام سُن کر میں نے کہا کہ ''ضرور چلیے۔'' یہ مسجد بہت دور ہے۔ ہلکی ہلکی بوندیاں پڑ رہی ہیں مگر ہم بفضل خدا آ پہنچے۔ بسم اللہ کر کے مسجد میں داخل ہوئے۔ مسجد نہایت عمدہ ہے۔ نماز عشاء کے لیے جماعت تیار ہے، کیسے ٹھیک وقت پر پہنچے۔ آج سُنا ہے کہ یہاں ختم قرآن شریف بھی ہے۔ واہ ماشاءاللہ کیسی محفل میں خدا لایا اور حضرت نے بلایا۔ بعد نماز و ختم شریف تمام تُرک اور سرکار اندر حضرت ایوبؓ کے مزار شریف پر گئے۔ مجھ کو باہر ایک تُرک نے لے جا کر ایک جگہ جہاں کسی بزرگ کا مزار ہے، بٹھایا کہ ''تم یہاں

بیٹھو۔'' میں وہاں بیٹھ کر فاتحہ پڑھتی رہی۔ کامل آدھے گھنٹہ کے بعد سب تُرک باہر آئے اور (۷۷) ایک تُرک نے میرے پاس آ کر کہا کہ ''اب اندر پردہ ہے، آپ مزار شریف پر چلیے۔'' میں اندر گئی۔ سرکار یہاں موجود ہیں۔ ماشاء اللہ کیسا اچھا مقام ہے، خوب آراستہ ہے۔ عمدہ قالین بچھے ہیں، بتیاں روشن ہیں، دروازوں پر قیمتی وخوبصورت پردے پڑے ہیں، سونے کا کٹہرا مزار کے گرد لگا ہے، مزار شریف کے قریب ہی ایک کنواں ہے۔ اوّل اُس کنوئیں کا پانی ایک تُرک نے مجھ کو پلایا، پھر میں نے فاتحہ پڑھی۔ قریب دس منٹ کے ٹھہری۔ یہاں جناب رسولؐ اللہ کا قدم شریف بھی ہے، اُس کا بوسہ لیا۔ پھر اُن علموں کو چوما جو لڑائی کے وقت نشان کے لیے فوج میں ہوتے ہیں اور فتح کے وقت فتح شدہ قلعہ پر استادہ کیے جاتے ہیں۔ یہ علم اصحاب کبار کے وقت سے چلے آتے ہیں۔ سب دیکھ بھال کر باہر آئے اور گاڑی میں سوار ہو گئے۔ ایک بڈھے تُرک، سرکار سے باتیں کرنے کو آئے۔ جب معلوم ہوا کہ تُرکی نہیں جانتے تو بے چارے ہنس کر ہٹ گئے۔ یہ سب نہایت خلیق ہیں۔ وہاں سے روانہ ہو کر ہوٹل آئے۔ ڈنر کے بعد ہم اپنے سب امریکن دوستوں سے رخصت ہو لیے اور اوپر اپنے کمرے میں آن کر سورہے۔

الحمدللہ کہ آج ۲۸؍جنوری بخیریت ہوگئی۔ چوں کہ جمعہ کا روز ہے، نہا دھو کر تیار ہو کے ناشتہ کیا۔ سرکار نے فرمایا کہ ''۳ بجے بلایا ہے۔ گاڑی خود لے کر آئیں گے، تم تین بجے تیار رہنا، میں تو جاتا ہوں، وزیر خود لینے آئیں گے۔ تم لنچ کھا لینا، میرا انتظار نہ کرنا، مجھ کو دیر ہو جائے گی۔''

میں نے کہا، ''اچھا آپ تو سدھاریے۔'' سرکار نے جلدی جلدی عربی لباس پہنا کہ نماز جمعہ ہے، سلطان المعظّم سے ملنا ہے۔ وہ تو سدھارے، میں اپنے کپڑے وغیرہ درست کرتی رہی۔ میرا کوٹ اور کلوک بھی آ گیا۔ ٹھیک ایک بجے نیچے آ کر لنچ کھایا اور سرکار کے لیے کہہ دیا کہ ''ابھی آتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اوپر کمرہ میں آن کر لکھتی پڑھتی رہی۔ دو بجے سرکار بھی آ گئے۔

لنچ کھا کر اوپر آئے اور کہا کہ ''سلطان المعظّم سے خوب ملے۔ ایک گھنٹہ تک باتیں ہوا کیں۔ خرقہ شریف دیکھنے کی اجازت دے دی۔ اپنے وزیر سے فرمایا کہ ''اِن کو خرقہ شریف کل یا جس روز کہیں زیارت کرا دو، اسلحہ خانہ، جواہر خانہ سب دکھا دو۔'' آج اور کل تو دعوت ہے، پرسوں چلو، یہ سب مقامات دیکھ لو۔ اب تین بجتے ہیں، تیار ہو جاؤ۔ کوٹ پسند آیا؟'' میں نے کہا، ''ہاں سب ٹھیک ہے درست ہے۔'' اب تین بج گئے۔ میں بالکل تیار ہوگئی، سرکار بھی [ڈریس] ہو گئے۔

تُرک بہنوں سے ملاقات:

۴ بجے گاڑی آ گئی۔ ہم سوار ہو کر صفی الدین بیگ کے ہاں پہنچے۔ ان کا مکان لبِ سڑک ہے۔ دروازہ کھلا، میں اندر گئی۔ سرکار کو وہ سب دوسری جانب لے گئے۔ دو تین خوبصورت خوبصورت تُرک بیبیاں آئیں، میری بغل میں ہاتھ دے کر اوپر لے گئیں۔ یہاں سب مکانات کئی کئی منزل کے ہوتے ہیں۔ سیڑھیوں پر عمدہ قالین کا فرش ہے۔ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کو بھی بہت آراستہ پایا۔ چھ سات بیبیاں جن کے بال اور لباس بالکل میموں کے سے ہیں، بیٹھی ہیں۔ یہ سب مسلمان تُرکنیں ہیں۔ یہاں سب ''خانم'' کہلاتی ہیں، بیگم کوئی نہیں جانتا۔ میں نے ان خانموں کے نام پوچھے، انھوں نے میرا نام پوچھا، کیوں کہ دراصل میں بھی خانم ہوں، اس لیے میں نے اپنا نام اختر حمید سلطان خانم بتایا۔ اس پر ان کے کان کھڑے ہوئے، کہا، ''چوک زئیل فیملی کی ہیں۔'' یہ سب باتیں کچھ اشاروں سے اور کچھ ایک بی بی کو [جو] اُن میں سے عربی آتی ہے، اُن سے ہوئیں، باقی بیٹھی منہ تکا کیں کیوں کہ سب خانمیں تُرکی جانتی ہیں۔ ایک گھنٹہ اسی طرح گزار کر اب ترجمان کی تلاش ہوئی۔ مجھ سے پوچھا کہ ''کون کون سی زبان آتی ہے؟'' میں نے کہا کہ ''ہندوستانی، انگریزی۔'' تب کہا کہ ''کسی ایسی میم کو بلاؤ جو کہ تُرکی، انگریزی بولتی ہو' ایک بی بی گئیں اور باہر سے اپنے شوہر کو بلا کر کہا کہ ''ترجمان کو بلاؤ۔'' آدھے گھنٹہ کے بعد ایک میم صاحبہ آئیں اور آتے ہی کہا کہ ''میں بہت

خوش ہوئی کہ آپ کے آنر میں مجھ کو بلایا گیا'' جب آپ نے [میں نے] کہا کہ ''آپ کو ترجمہ کے لیے بلایا ہے، آپ میری بات ترُکی میں ان خانموں کو سمجھا دیں'' تو ہنس کر بولیں، ''افسوس ہم کو ترُکی نہیں آتی، عربی البتہ آتی ہے کیوں کہ میں الجیش ہوں، انگریزی آتی ہے۔'' مگر انگریزی بھی وہی توتلی اس کو آتی ہے۔ اب خوب ہنسی ہوئی، عربی جس خانم کو آتی ہے، میں نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''اچھا تم ان کو عربی میں سمجھاؤ، یہ ان خانموں کو ترُکی میں سمجھاویں گی اور میں تم کو انگریزی زبان میں سمجھاؤں گی۔'' پھر تو بہت ہی ہنسی ہوئی۔ غرض یہ سلسلہ اسی طرح چلا۔ مجھ سے پوچھا کہ ''آپ کا نام سلطان کیسے ہے؟'' میں نے اپنے خاندان کا شجرہ اُن کو سمجھایا، تب تو بہت خوش ہوئیں کہ ''یہ بھی ترُک ہے۔'' میم نے کہا کہ ''میں نے آج تک کسی خانم کو نہیں دیکھا تھا آج پہلی بار ترُک کے گھر میں آئی ہوں۔ یہاں بہت کم ترُک بیبیاں انگریز لیڈی سے ملتی ہیں۔(۷۸) بہت اختلاف آپس میں ہے۔'' میز پر بھی گفتگو کا یہی سلسلہ رہا۔ کھانا بہت قسم کا اور عمدہ تھا۔ ایک قاعدہ یہاں اور ہے کہ ایک بار میٹھا اور ایک بار سلونا کھانے کا سلسلہ برابر رہا، یہاں اسی طرح کھاتے ہیں البتہ پلاؤ پکانا ترُکنوں کو نہیں آتا، سالن تو خیر پکا لیتی ہیں۔ کھانا اچھا ہے مگر ہندوستان کے کھانوں جیسا ایک نہیں دیکھا۔ کھانا بڑی دیر میں ختم ہوا۔ میوہ خوب کھلایا، بہت خاطر کی۔ کھانے کے بعد ڈرائنگ روم میں آئے۔ خانم صفی الدین بیگ نے اپنے چھوٹے بچّوں کو جن کی عمر ۶ اور ۷ اور ۵ اور ۴ برس کی تھی، بلا کر میرے سامنے ترکی میں گوایا۔ بڑی خوش آوازی سے ان بچّوں نے گایا۔ پھر پیانو بجا کر خود انھوں نے اور اُن کی بہن نے گایا۔ دُلہن کے کپڑے پہن کر دکھائے کہ ''یہاں کی دُلہن ایسی بنتی ہے۔'' گویا عروسی لباس دکھایا۔ وہ زیور جو دُلہن کے سر پر پہناتے ہیں، دکھایا۔ بہت خوبصورت زیور ہوتا ہے۔ پھر مجھ سے درخواست کی کہ ''تم کو ہندوستانی گانا اگر آتا ہو تو سناؤ۔'' میں نے اپنی کہی ہوئی اردو غزلیں سنائیں۔ ان ہی ہنسی خوشی کی باتوں میں شب کے ۱۱ بج گئے۔ پھر میں نے فرمائش کی کہ ''میں ترُکی بیبیوں کا قدیم لباس دیکھنا چاہتی ہوں، کیوں کہ یہ

لباس تو آپ کہتی ہیں ''جدید ہے۔'' تب ایک لڑکی گئی اور قدیم لباس پہن کر آئی۔ اگرچہ جدید لباس میں اور قدیم لباس میں فرق ہے مگر بہت سی بناوٹ جدید لباس سے ملتی جلتی ہے۔ پھر میں نے ان سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ''میں افسوس کرتی ہوں کہ مجھ کو ٹرکی نہیں آتی ورنہ اس دعوت کی خوشی میں اپنی دینی مسلمان بہنوں کو ایک سپیچ دیتی۔'' کلوک اور کوٹ جو میں نے اُتارا تھا اُس کو ان بیبیوں نے نہایت عمدہ اطلس کے کپڑے میں لپیٹ کر رکھا تھا۔ جب میں اُٹھی تو میرے سامنے لا کر رکھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا کہ ''اس میں کیا ہے؟'' جھٹ ایک بی بی نے اُٹھ کر کھولا اور مجھ کو اپنے ہاتھ سے کوٹ پہنایا، پھر کلوک اُڑھا دیا۔ اُسی طرح ہاتھ پکڑ کر گاڑی تک سب بیبیاں آئیں۔ ایک بڈھی بی بی ہیں، وہ بھی گاڑی تک آئیں اور سوار کرایا۔ ہم دونوں سب سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔ ہوٹل پہنچے اور آرام سے اپنے کمرے میں آ کر سو رہے۔

۲۹ رجنوری ۱۹۱۰ء۔ آج ہفتہ کا روز ہے۔ ہاتھ منہ دھو کر ناشتہ کیا، ہماری ساتھ والیاں میمیں اور صاحب سب رخصت ہوگئے۔ سُنا ہے کہ آج شب کو بال ہوگا، تمام ہوٹل میں پھریرے لگائے جا رہے ہیں۔ بجلی کے اور بھی زیادہ خوبصورت لمپ وگلوب لگائے گئے۔ ڈنر کے بعد ناچ ہوگا۔

مدار المہام کے سکریٹری صاحب کے ہاں دعوت:

سرکار نے فرمایا کہ ''آج مدار المہام کے سکریٹری کے یہاں دعوت ہے، کل کی طرح تیار ہو جانا۔''(۷۹) غرض ہم دونوں ساڑھے ۴ بجے سکریٹری صاحب کے یہاں گئے۔ آج صرف چائے کی دعوت ہے۔ حامد پاشا کی بی بی نے کہا کہ ''ہمارا ڈنر منظور نہ کیا، صرف چائے پر آئے۔'' میں نے کہا کہ ''آپ کو تکلیف ہوتی، یہ بھی ڈنر ہی ہے۔'' یہاں بھی چھ سات بیبیاں ہیں مگر ترجمان کوئی نہیں۔ البتہ حامد پاشا کی بی بی عربی بولتی ہیں۔ اسی ٹوٹی پھوٹی عربی میں، میں نے کام نکالا۔ ساڑھے ۷ بجے تک باتیں ہوا کیں۔ مکان اِن کا بھی بہت خوبصورت اور

آراستہ ہے، بہت بڑا اور بلند، صاف ستھرا۔ کمپاؤنڈ بھی بہت اچھا اور بڑا ہے۔ تمام زمین پختہ سنگ مرمر کے فرش کی ہے۔ ہر جگہ خوبصورت قالین بچھے ہیں۔ بجلی کی روشنی کے بڑے خوبصورت گلوب لگے ہیں۔ یہ سب ترک بیبیاں خاطر تواضع میں بہت مشاق ہوتی ہیں، حامد پاشا کی بی بی عمر رسیدہ ہیں۔ نہایت درجہ میری خاطر کی گئی۔ خانم حامد پاشا نے مجھ کو بسکٹ مربّہ وغیرہ اپنے ہاتھ سے کھلایا۔ الغرض ساڑھے سات بجے ہم دونوں رخصت ہوئے۔ یہ گاڑی جس پر ہم آئے گئے، حامد پاشا کی ہے۔ بہت خوبصورت لینڈو ہے۔ ہوٹل میں ہم ٹھیک ڈنر کے وقت پر آ گئے اور ڈنر کھایا۔ ہوٹل خوب آراستہ ہے۔ سنا ہے کہ ''دس بجے بال شروع ہوگا۔'' میں اوپر کمرے میں آ گئی۔ سرکار ملتے ملاتے رہے، دس بجے اوپر آئے اور کہا کہ ''میں بال نہیں دیکھتا، سوتا ہوں۔''

میں نے کہا کہ ''میں تو جاؤں؟'' فرمایا، ''ہاں جاؤ، اوپر سے ہی صاف نظر آتا ہے، آرام سے بیٹھ کر دیکھو۔'' میں یہ سُن کر جلدی سے کپڑا پہن کر باہر آئی۔ ایک فلور اترنے کے بعد سامنے سے ڈرائنگ روم و ڈائننگ روم نظر آنے لگے۔ میں ایک کھڑکی میں آرام سے بیٹھ گئی۔ دیکھا کہ اور چاروں طرف کی کھڑکیوں میں تمام انگریز مرد و عورت جمع ہوکر دیکھ رہے ہیں جو کہ بال میں شریک نہ تھے، وہ تماشہ دیکھنے یہاں آ گئے۔ میرے پاس بھی ایک میم جس کو فرنچ آتی ہے، انگریزی نہیں جانتی، آ کر بیٹھ گئی۔ باجہ شروع ہوا اور ساتھ ہی ناچ بھی ہونے لگا۔ دو ایک ترک بھی ناچنے لگے۔ طرح طرح کا ناچ ہوا۔ ایک اور میم آئیں جن کو انگریزی بھی آتی ہے، مجھ سے پوچھا کہ ''تم کو پسند آیا؟'' میں نے کہا، ''بہت پسند آیا'' اور خوب تعریف کر دی۔ وہ تعریف سُن کر خوش ہوئی۔ دو گھنٹہ بعد میں اوپر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

اسلحہ خانہ اور جواہر خانہ:

۳۰ رجنوری ۱۹۱۰ء کو صبح ہی اٹھی۔ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر سرکار نے کہا کہ ''جلدی تیار ہولو، سلطان المعظّم کے پاس سے آدمی آ گیا ہے، کہتا ہے کہ ''چلیے، آپ کے لیے اسلحہ خانہ و

جواہرخانہ وخرقہ شریف دکھانے کوسب کھول دیا ہے۔'' ہم دونوں جلدی سے تیار ہوکر گاڑی میں سوار ہوئے۔ سرکاری نوکر ہمراہ ہے۔ساڑھے ۹ بجے ہم ایک بہت بڑی عمارت میں داخل ہوئے۔(۸۰) ہماری گاڑی ایک بہت بڑے زینہ کے آگے کھڑی ہوئی۔ یہاں سب شاہی ملازموں نے صف لگا کر سلام کیا اور ایک بہت اچھے آراستہ کمرے میں لے جا کر بٹھایا۔ یہ کمرہ سمندر کے سامنے واقع ہے۔ایک طرف بہت عمدہ باغ ہے اعلیٰ درجہ کے سامان سے سجا ہوا۔ یہاں ہم کوسونے کی جڑاؤ کے کام کے پیالیوں میں کافی لاکر پلائی،سگریٹ پیش کیے۔ سرکارنے صرف ایک سگریٹ اُن کی خاطر سے لے لیا ورنہ وہ تو سگریٹ پیتے نہیں۔ بعدازاں ایک کمرہ کھولا اور اندر لے گئے۔ یہاں شاہی تخت تمام جڑاؤ کام کا ہے، ہیرا موتی، زمرّد، یاقوت جڑا ہے۔ہم نے بہت اچھی طرح سے اس تخت کو دیکھا۔ پھرایک اور کمرہ دکھایا جہاں تخت نشینی کے وقت دستار وتاج بادشاہوں کو پہنایا جاتا ہے۔پھر وہاں لائے جہاں شہزادوں کی خطنہ [ختنہ] ہوا کرتی ہیں۔ یہ کمرہ بھی بہت خوبصورت اور قیمتی سامان سے آراستہ ہے، باغ اورسمندرسب نظر آتا ہے۔تخت کے کمرے میں تمام الماریوں میں عمدہ عمدہ جواہرات کالبوں کے کٹوروں میں بھرے رکھے ہیں۔سونے چاندی کے سامان اور برتنوں کا تو کیا ذکراور کیا حد وحساب ہے۔ پھراوپر گئے، یہاں تمام شاہان قسطنطنیہ کی تصویریں مع لباس کے کھڑی کر رکھی ہیں اور ہر بادشاہ کا علیٰحدہ علیٰحدہ قسم کا لباس ہے۔سر کی پگڑیاں بھی وضع وضع کی ہیں۔طرّے جڑاؤ ہیرے وموتی کے قسم قسم کے لگائے ہیں۔پچیس بادشاہوں کی تصاویر یہاں موجود ہیں۔ ہرایک کا نام ہرایک کے سینہ پرلکھ کرلگا دیا ہے۔کئی کمرے اسلحہ خانہ کے دیکھے،جن میں خود اور زرہ بکتر وغیرہ لڑائی کا تمام سامان قدیم موجود ہے۔ بہت سے سامان اسلحہ اورخود سونے اور جڑاؤ کے بنے ہوئے ہیں۔ پھر وہاں گئے جہاں تمام فقہ اور حدیث کی کتابیں سلطان سلیم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ یہاں سے مسجد میں لے گئے۔ یہ مسجد بہت عمدہ اور خوبصورت ہے، ایک کمرہ بغداد شریف کے نقشے کا تیار کیا ہے۔ اندر تمام کلام اللہ شریف لکھا ہے۔ قالین،

پردوں اور کوچوں سے آ راستہ ہے۔ چاروں طرف عمدہ برآمدے ہیں۔ سمندر تمام نظر آ تا ہے۔ یہاں جماعت سے نماز ظہر ادا کی۔ سرکار نے دو پاؤنڈ وہاں کے محافظوں کو دینا چاہے تو انھوں نے انکار کیا کہ ''ہم شاہی ملازم ہیں اور سلطان المعظّم کے حکم سے دکھایا ہے۔''

خرقہ شریف کی زیارت:

بعد نماز کے ملازمان شاہی اُس کمرہ میں لائے جہاں خرقہ شریف ہے۔ یہ کمرہ سب سے زیادہ خوبصورت اور آ راستہ ہے۔ کمرے کے گرداگرد کلام پاک لکھا ہوا ہے۔ سبز پردہ پڑا ہے۔ ایک طرف سے پردہ اٹھایا، اندر سے بہت ہی آ راستہ ہے۔ ایک طرف سونے کی جالی کا کمرہ بنا ہے، اُس کے اوپر بھی چاروں طرف پردہ پر کلام پاک لکھا ہوا پڑا ہے۔ اِن تُرکوں نے جلدی جلدی پردہ اُٹھایا۔ دو طرف سے اس جالی کے کمرے کو کھولنے کا حکم نہیں ہے کیوں کہ دوسرا دروازہ اُس روز کھلتا ہے جب نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے۔ اسی روز بادشاہ کو اس کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ ہم دونوں نے بھی جالی کے اندر سے دیکھا۔ اصحاب کبار کے علم بھی ۳۰ رکھے ہوئے ہیں۔ یہاں فاتحہ و درود رسولؐ مقبول کے لیے پڑھا۔ بہت عرصہ تک اس جالی مبارک سے لگی رہی، پھر باہر آئی۔ یہاں بھی پورا قدم شریف موجود ہے، آنکھوں سے لگایا۔ پھر حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا خط کوفی میں لکھا ہوا کلام اللہ دیکھا۔ اس کو بڑی احتیاط سے رکھا ہے۔ چاروں طرف کونوں میں یہاں بھی علم کھڑے ہیں۔ بعد زیارت قدم شریف ہم دونوں اندر گئے۔ خرقہ شریف چاندی کے بکس میں محفوظ ہے۔ وہاں پھر کھڑی رہی، چند منٹ ٹھہر کر باہر آئی۔ یہاں کے ملازموں نے کچھ بھی نہیں لیا۔ ایسے ادب سے یہ لوگ پیش آتے ہیں کہ اگر سامنے سے گزرتے ہیں تو پیٹھ نہیں کرتے، پچھلے قدموں ہٹتے ہیں۔ ان سب زیارتوں کے بعد ہم روانہ ہو کر ہوٹل آئے۔ اس قدر دیر وہاں لگی کہ ساڑھے تین پر ''پیرا پیلس'' پہنچے۔ کھانے کا وقت گزر چکا تھا، صرف میوہ کھایا اور چائے پی۔ میں تو اپنے کمرے میں آن کر تھک کر پڑ گئی۔ رات ہوئی، ڈنر کھایا اور سو رہی۔

آج ۳۱رجنوری پیر کا دن ہے۔ اُٹھی، نہا دھو کر تیار ہوئی اور نیچے آ کر ناشتہ کیا۔ صفی الدین بیگ کے ہاں جو میم ملی تھی وہ آ گئی۔ اس وقت ساڑھے نو ہیں۔ وہ میم مجھ سے کہتی ہیں کہ ''میرے ساتھ چلو۔ کچھ خریدنا ہے تو خریدلو، میں دلوا دوں گی۔'' سرکار نے کہا کہ ''اچھا چلو جو خریدنا ہے، خرید کر ایک بجے آ جاؤ تو ہم تم کو میوزیم دکھانے لے جائیں گے۔ ہم دونوں گاڑی میں سوار ہو کر اوّل میم صاحبہ کے گھر آئے۔ یہاں سے سرکار کہیں اور تشریف لے گئے۔ میں ذرا دیر اس کے گھر ٹھہر کر اس کے ساتھ بازار گئی۔ یہ بہت بڑا بازار ہے۔ یہاں تمام ٹُرک لیڈیز خرید وفروخت کرتی ہیں، مرد بھی برابر آتے ہیں۔ ایسا بازار میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ نہایت عمدہ اور نفیس دکانیں ہیں۔ جوہریوں کی دکانیں بھی کثرت سے ہیں۔ میں نے کچھ سامان خریدا۔ اس میم نے اس قدر دیر لگا دی کہ ۴ بجے میں اس کے گھر واپس آئی، سرکار کی گاڑی کھڑی دیکھی، معلوم ہوا کہ وہ میرا انتظار کر کے کہیں اور سدھارے۔ اس میم نے میرے لیے الجیش کھانا پکایا تھا، وہ کھلایا۔ اس عرصہ میں سرکار بھی آ گئے۔ ایک کپڑا میم کو دیا کہ ''تم ان کے لیے ایک عمدہ قسم کا کوٹ سلوا دو۔'' میم نے کہا کہ ''مجھ کو خود سینا آتا ہے۔ کل میں یہ کپڑا کتر کر لاؤں گی اور فٹ کرلوں گی۔'' ہم سوار ہو کر پیرا پیلس آ گئے۔ شام ہوگئی تھی، ڈنر کھایا اور اپنے کمرے میں آ کر سو رہے۔

یکم جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج حسب معمول تیار ہوکر ناشتہ کیا کہ اُس میم کا خط ملا کہ ''براہِ مہربانی آپ خود آ جائیے۔ میں سی رہی ہوں، یہاں ہی ناپ لے لوں گی۔'' سرکار نے فرمایا کہ ''چلو میں تم کو وہاں چھوڑ کر دوسری جگہ جاؤں گا، پھر آ کر تم کو لے لوں گا۔'' غرض کہ میں پھر اس میم کے گھر آئی۔ یہ بے حد بکّی ہے چوں کہ انگلش نہیں مصری ہے، اس لیے عربی خوب بولتی ہے۔ میں نے اِس کوٹ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کتر کر سب خراب کر دیا ہے اور استر کچّا لگا رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ ''معاف کرو یہ استر مجھ کو پسند نہیں، اگر کترا گیا ہے تو پروا نہیں۔'' ہم دونوں بازار آئے۔ میں نے استر لیا اور مخمل وغیرہ جو اُس نے بتائی، خرید دی۔ میں نے

۴ چوڑیاں سونے کی ۶ پاؤنڈ کو خریدیں کیوں کہ میرے ہاتھ ننگے تھے۔ آج بھی ۴ بج گئے مگر میں اپنا کھانا ہوٹل سے ہمراہ لائی تھی، اس میم کے ہاں آ کر کھایا۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر ''پیرا پیلس'' آئی۔ آج سرکار میرا انتظار کر کر کے ''باسفورس'' دیکھنے چلے گئے تھے۔ میرے ''پیرا پیلس'' پہنچنے کے بعد آئے اور کہا کہ ''کل تم کو ''باسفورس'' دکھلاؤں گا، اُس کی دوسری طرف ایشیا سائٹ [سائڈ] ہے، وہ کچھ خوبصورت مقام نہیں ہے۔ میں آج ادھر ہو آیا ہوں۔ اچھا ہوا جو تم نہیں گئیں، بہت دور مجھ کو چلنا پڑا۔ کل اِدھر چلنا یورپین سائٹ کو وہاں اچھی سیر ہوتی ہے۔'' میں نے کہا کہ ''بہت اچھا۔''

۲ رفروری ۱۹۱۰ء۔ حسب معمول اُٹھے، ناشتہ کیا اور دوپہر کا کھانا ہمراہ لے کر گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل سے سیدھے میوزیم آئے۔ وہاں تمام میوزیم دیکھا۔ یہ میوزیم بہت بڑا نہیں ہے مگر اچھا ہے۔ وہاں سے کوٹ کا ناپ دینے میم کے ہاں گئے۔ ناپ دے کر گاڑی میں سوار ہو کے سمندر کے کنارے آئے۔ یہاں چھوٹے سے اسٹیمر میں بیٹھ کر ۲ گھنٹہ تک صرف ایک طرف سے دوسری طرف گئے۔ راستہ میں تمام مکانات و محل شاہی نظر آتا ہے۔ یہ سب سیر دیکھتے ہوئے واپس آئے۔ کھانا راستہ میں کھایا۔ ۳ گھنٹے جانے میں اور ۳ گھنٹے آنے میں اور ''باسفورس'' کے دیکھنے میں صرف ہوئے۔ شب کے ساڑھے ۷ بجے ہم ''باسفورس'' دیکھ کر ''پیرا پیلس'' واپس آئے۔ یہ شب بھی بعد ڈنر کے آرام سے بسر ہوئی۔

سلطان معظّم سے ملاقات:

۳ رفروری ۱۹۱۰ء۔ صبح کو بھی حسب معمول اٹھے۔ سرکار نے کہا کہ ''سامان درست کر لو۔ آج ایک شاہی ملازم کو میں نے بلا لیا ہے۔ وہ مدنی ہے، کچھ مانگتا ہے۔ اس کو لے کر محل شاہی کو دیکھ آئیں۔'' میں جلدی سے تیار ہوگئی۔ ناشتہ کیا اور ۹ بجے کے قریب اُس ملازم شاہی کے ہمراہ گاڑی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ ''شاہی محل'' کی ڈیوڑھی مبارک پر پہنچے، تمام شاہی پہرا لگا ہوا ہے۔

اوّل یہ ملازم اتر کر خود اندر گیا اور شاہی حکم لے کر آیا۔ ایک اور شاہی ملازم بھی اس کے ہمراہ آیا کہ ''چلیے ''، مگر مجھ کو ہمراہ دیکھ کر کہا، ''ٹھہریے ان کی اجازت بھی لے لوں۔'' پھر گیا اور آن کر کہا کہ ''چلیے۔'' ہم دونوں اور وہ مدنی ملازم شاہی محل کے اندر داخل ہوئے۔ آہاہا کیسا اچھا باغ اور میدان ہے، سامنے شاہی محل ہے۔ اس وقت ذرا ذرا پانی بھی برسنے لگا۔ چھتری لگا کر تو شاہی محل میں آنے کا حکم نہیں، اس لیے جلدی جلدی محل کے برآمدے میں پہنچ گئے۔ جوتا اتار کر میں اور سرکار کمرے میں آئے۔ یہ کمرہ بہت آراستہ ہے۔ زینہ نایاب بنا ہے، بلّور کی صراحیاں لگی ہیں۔ زینہ پر چڑھے تو یہاں کئی شاہی ملازم اور حبشی خواجہ سرا کھڑے ہیں۔ یہ لوگ اشارے سے کہتے ہیں کہ ''اندر دوسرے کمرے میں چلو'' بات نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ ان کی زبان کاٹ دی جاتی ہے۔ گونگا بنا کر رکھتے ہیں تا کہ شاہی بات کوئی باہر نہ جاوے۔ ایک نہایت عمدہ آراستہ کمرے میں جو کہ لبِ سمندر ہے، لے جا کر ہم دونوں کو بٹھایا۔ میں اس کمرے کی اور یہاں کے سامان کی خوبصورتی اور قیمتی ہونے کا حال کسی طرح بیان نہیں کر سکتی۔ یہاں بھی جڑاؤ پیالیوں میں کافی پلائی گئی، سگریٹ آئے۔ میں نے بطور نمونہ تین سگریٹ لے کر رکھ لیے۔ ڈیڑھ گھنٹہ بعد حبشی خواجہ سرا آیا۔ اس نے عربی میں کہا کہ ''سلطان المعظّم آپ کو اور آپ کی بی بی کو بلوانے والے ہیں، تیار ہو جاؤ۔'' ہم دونوں آج صرف محل دیکھنے کی غرض سے آئے تھے، حیران ہوئے، مگر خیر ''اب تو بادشاہ نے حاضری کا حکم دیا ہے، ایسے ہی چلیں گے۔'' اس عرصہ میں ایک تُرک افسر آئے اور کہا کہ ''چلیے۔'' یہ تُرک انگریزی بولتا ہے۔ ہم دونوں نہایت ادب سے سلطان المعظّم کے سامنے حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے دو کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر تُرکی میں ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ''یہ ترجمان ہیں۔ تم ان سے بولو، یہ مجھ سے تُرکی میں بیان کریں گے۔'' اسی طرح بیس منٹ تک باتیں ہوتی رہیں۔ فرمایا کہ ''ہم اس بات سے بہت خوش ہوئے کہ تم اپنی بی بی کو بھی میرے سامنے اپنے ہمراہ لائے۔'' سلطان المعظّم کو فارسی بھی آتی ہے۔ اوّل روز سرکار

سے فارسی میں باتیں کیں تھیں۔ پھر فرمایا کہ ''ہماری یادگار اپنے پاس رکھو'' سرکار بہت دیر تک بڑے ادب کے ساتھ بہت کچھ انگریزی میں سلطان کی مدح و ثنا میں عرض کرتے رہے۔ سلطان المعظّم بہت سی گفتگو کے بعد کھڑے ہوگئے۔ شاہ کے کھڑے ہوتے ہی میں، سرکار اور وہ ترجمان بھی کھڑے ہوگئے اور آداب بصد ادب بجا لا کر پچھلے پاؤں کمرے کے باہر آئے اور تمام ''محل مبارک'' دیکھتے ہوئے ہم دونوں باہر نکلے۔ میں ''محل'' کی آرائش کا حال بیان نہیں کرسکتی، بس دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم اور وہ مدنی ملازم شاہی ''محل'' کے احاطہ سے باہر نکلے۔ میں آج نہایت خوش ہوں کہ سلطان المعظّم سے باریابی حاصل ہوئی۔ خیر خوشی خوشی ہم دونوں معہ ملازم شاہی گاڑی میں سوار ہوئے۔ ایک ملازم شاہی تسبیح ہاتھ میں لیے گاڑی کے پاس آیا، مگر اشاروں سے بات کرتا ہے۔ میں نے پوچھا ''یہ بولتا کیوں نہیں۔'' سرکار نے کہا کہ ''تم نے دیکھا نہیں محل میں جو ملازم پھر رہے تھے، آ جا رہے تھے، کافی لائے تھے، سب گونگے تھے۔ اِن کی زبان بچپن سے کاٹ ڈالتے ہیں یا کیا کرتے ہیں جو یہ بول نہیں سکتے تاکہ کوئی بات شاہ کی کسی سے نہ کریں۔ حبشی جو ہے وہ خواجہ سرا ہے محل شاہی کے اندر آنے جانے کے لیے۔'' تب میں سمجھی۔ بہت سے شاہی ملازم دور تک ہم کو سوار کرا کے گاڑی کے ساتھ ساتھ آئے اور سلام کر کے رخصت ہوئے۔ گاڑی روانہ ہوئی تو سامنے سے دیکھا کہ سلطان المعظّم بھی معہ زنانی سواری کے دوسرے دروازے سے نکل رہے ہیں۔ اب گویا ہماری گاڑی بھی تمام جلوس شاہی کے ساتھ ساتھ جا رہی ہے۔ برابر سلسلہ وار چلے جا رہے ہیں اور تمام گاڑیاں روک دی گئی ہیں کیوں کہ ہم شاہی محل سے برابر ہی نکلے تھے، اس وجہ سے مزے سے چلے جا رہے ہیں۔ میں ہنستی رہی کہ ہماری گاڑی خوب اسٹاف کے ساتھ ہے۔ ہمارے آگے پیچھے تمام سلطانی افسروں کی گاڑیاں رواں ہیں۔ کوئی ۲۰ منٹ تک سلطان المعظّم کی اور ہماری سواریاں برابر جاتی رہیں، پھر سلطان ایک طرف اور ہم دوسری طرف مُڑ گئے۔

سلطان عبدالحمید خاں کا محل:

ہم سلطان عبدالحمید خاں صاحب کے محل میں داخل ہوئے کہ اس محل کو بھی دیکھ لیں۔(۸۱)اوّل محل کے چاروں طرف آہستہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے چکّر لگایا۔عجائب گھر دیکھا۔ نہایت ہی نایاب مردہ جانور دیکھے جن میں بھُس بھرا ہوا ہے۔ پھر گاڑی سے اُتر کر محل میں داخل ہوئے۔محل کوسوں تک وسیع ہے۔ آراستگی اور باغ کا حال میں کسی طرح بیان نہیں کرسکتی۔ لاکھوں روپیہ کا تو سونا اورموتی ہر چیز میں جڑا ہے، ایک ایک میز ایک ایک کرسی قابل دید ہے۔ ہزاروں طرح کے قیمتی جانور مکانوں میں پل رہے ہیں۔ ہر قسم کا جانور چارپایہ سے لے کر پرند تک موجود ہے۔ رنگ برنگ کے جانور جو کہ ابھی تک نہیں دیکھے تھے، دیکھے، مگر ایک چیز عجیب دیکھی۔ ایک طوطا نارنجی اور بسنتی رنگ کا جو مجھ کو بہت ہی خوبصورت معلوم ہوا، تُرکی بولتا ہے،خوب باتیں کرتا ہے۔

دو بجے سے چھ بجے تک محل میں پھرے مگر ''محل'' ختم نہیں ہوا۔آخرکو باہر نکل آئے، کیوں کہ اب تھک گئے تھے۔ یہ ''محل'' ایک سرسبز و شاداب بڑے اونچے پہاڑ پر بنایا گیا ہے۔ آج کل یہاں ٹکٹ لگا دیا گیا ہے۔ جو کوئی دیکھنے کو آئے وہ ٹکٹ لے کر دیکھے،ٹکٹ کی قیمت ایک فرانک ہے۔ چھ بجے ہم معہ ملازم شاہی روانہ ہوٹل ہوئے۔ راستہ میں سرکار نے اس کو اتار دیا کیوں کہ اس کا گھر قریب آ گیا تھا۔ راستہ میں یہ ملازم سرکار کو ایک بزرگ کی خدمت میں لے گیا۔ میں گاڑی میں رہی کیوں کہ تھک گئی تھی۔ یہ بہت بڑے بزرگ ہیں۔(۸۲) انھوں نے ایک کتاب سرکار کو عنایت کی اور ''حزب البحر'' کی اجازت بخشی۔ یہ بزرگ صاحب حزب البحر ہیں۔ اس مدنی ملازم کو اتار کر ہم ہوٹل پیرا پیلس میں آئے۔ منہ ہاتھ دھویا ڈنر کے لیے تیار ہو کر نیچے آئے۔ ذرا دیر اِدھر اُدھر ڈرائنگ روم میں پھر کر میز پر گئے۔ ڈنر کے بعد میں تو جلدی اوپر آ گئی۔ معلوم ہوا کہ ''آج بھی بال ہے۔'' یہاں بال کا تماشہ دیکھا۔ یہ شب بھی نہایت آرام سے بسر ہوئی۔

سلطان المعظم کا عطیہ:

۴رجنوری[فروری] ۱۹۱۰ء۔ آج سرکار کسی سے ملنے کو بعد ناشتہ کے سدھارے۔ میں نے اپنا تمام سامان درست کیا کہ کل روانگی ہے۔(۸۳) سرکار لنچ کے وقت تشریف لائے۔ لنچ کھا کر پھر سدھارے کہ ''کل روانگی کا بندوبست کرلوں۔'' میں کمرے میں بیٹھی رہی۔ شام کے ساڑھے چھ بجے سرکار تشریف لائے اور فرمایا کہ ''شاہی آدمی آیا ہے، مجھ کو اور تم کو بلاتا ہے۔ سلطان نے کچھ بھیجا ہے۔'' یہ سُن کر میں کھڑی ہوگئی۔ ٹُرکی برقعہ پہن سرکار کے ہمراہ نیچے آئی۔ ڈرائنگ روم میں وہ شاہی آدمی نہایت عمدہ ٹُرکی کوٹ پہنے ایک بیگ ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ ہم نے اوّل شاہی پیغامبر کو بٹھایا، پھر آپ بیٹھے۔ تمام ہوٹل کے لوگ دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے اوّل سلطان المعظم کی دُعا کہی، پھر بیگ کھولا اور مبارک ہدیہ ہاتھ میں دیا۔ ہم دونوں نے کھڑے ہوکر اوّل سر پر رکھا، پھر آنکھوں سے لگایا۔ تھوڑی دیر تک فرنچ میں گفتگو رہی، پھر وہ رخصت ہوئے۔ ہم اوپر آئے اور اپنا اپنا ہدیہ کھول کر دیکھا جو کہ ایک نہایت خوبصورت ریشمی رومال میں ریشم کے ڈورے سے بندھا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ جلدی کھولو اور دیکھو۔ سرکار کے لیے کوئی دو ہزار روپیہ کا سگریٹ بکس بھیجا ہے جس پر کام لاجواب ہے۔ مجھ کو سونے کی ایک مرصع گھڑی ہیرے کی سوئی لگی ہوئی جو کہ غالبًا ہزار روپیہ کی ہوگی، عنایت ہوئی۔ ہاں حقّہ کی ایک منھال بھی سگریٹ بکس میں موجود ہے۔ تمام ''پیرا پیلس'' میں اس سرافرازی کا غل مچ رہا ہے۔

قسطنطنیہ سے روانگی:

آج ۵رفروری ہفتہ کا دن ہے۔ ناشتہ کر چکے اور اب بالکل تیار ہیں۔ سرکار کسی کام کو باہر گئے پھر لنچ کے وقت پر آن کر لنچ کھایا اور کہا کہ ''چلو جہاز کا بندوبست ہوگیا ہے۔'' ہم ہوٹل میں سب سے مل کر رخصت ہوئے۔ گاڑی میں سوار ہوکر اسٹیشن پر آئے اور جہاز میں

سوار ہوگئے۔ یہ جہاز ہم کو بہت میلا ملا۔ سرکار کو بہت غصّہ آیا کہ ’’کوک کے آدمی نے ہم کو دھوکا دیا۔ جہاز کی تعریف کر کے یہ جہاز دلوا دیا، افسوس میں نے پہلے آ کر کیوں نہ دیکھ لیا۔‘‘ بہر حال کیا بن ملی تو ہم کو بہت بڑی مگر سب میلی کچیلی ہے۔ جہاز شام کے ۷ بجے روانہ ہوا۔ جب تک ہم ڈک پر تماشہ اور قسطنطنیہ کا شہر دیکھتے رہے۔ مجھے قسطنطنیہ چھوڑنے کا افسوس ہوا اور سلطان کی مہربانی یاد آتی ہے اور برابر یاد رہے گی۔ ہم دونوں نے اور جو دو ایک مسافر تھے، سب نے کھانا کھایا۔غنیمت ہے کھانا اچھا ملا۔ بعد کھانا کھانے کے شب کو آرام سے سو رہے۔

۶رفروری ۱۹۱۰ء۔ صبح ہوگئی، بعد ناشتہ کے دیکھا کہ کوئی جزیرہ ہے، جہاز وہاں کھڑا ہوا ہے اور ایک گھنٹہ کے بعد پھر روانہ ہوا۔ اب جہاز روانہ ہوا اور رف سمندر سے گزرنے لگا تو مجھ کو چکّر آنے لگا۔ سرکار نے بہت بہلایا، ڈرافٹ کھیلا، سب کچھ کیا مگر چکّر نہ گیا۔ کھانا بھی مشکل سے کھایا۔ میں تو لیٹ گئی، لیٹے لیٹے شام کر دی۔ آخر اوپر سے کیا بن میں آئی اور وہاں لیٹی رہی۔ سمندر کی حالت اتنی خراب تھی کہ سرکار کو بھی چکّر آ گیا۔ آخیر وقت پر ۸ بجے شب کے تو مجھے قے بھی آ گئی۔ سرکار نے جلدی سے آرام کر لیا، میں بھی سوگئی۔ بغیر کھانا کھائے یہ شب بسر ہوئی۔

ایتھینز میں:

۷رفروری ۱۹۱۰ء۔ صبح کو جب آنکھ کھلی تو جہاز کو آہستہ پایا۔ اٹھی، منہ وغیرہ دھو کر چائے پی مگر میرا مزاج شب کی قے سے خراب رہا۔ اتنے میں جہاز ٹھہر گیا۔(۸۴) اس مقام پر جہاز سے اُتر کر ریل کے ذریعہ سے ایک گھنٹہ میں ایتھینز جائیں گے۔ ہمارا سامان تو درست تھا ہی، سب کوک کے آدمی کے سپرد سرکار نے کر دیا اور ہم دونوں اتر کر گاڑی میں جو کہ یہاں ہر مقام پر اسٹیشن پر موجود رہتی ہیں، بیٹھ کر ریل کے اسٹیشن پر آئے۔ میں تو یہاں کمرے میں ٹھہری رہی، سرکار ذرا دیر کے لیے گئے، سامان وغیرہ کا سب بندوبست کر آئے۔ ٹکٹ لیا اور ہم ریل میں سوار ہوگئے۔ بعد ایک گھنٹے کے ایتھینز آ گیا۔ ریل ٹھہری، ہم دونوں اترے،

سامان کوک کے آدمی کے سپرد کیا۔ ہر شہر میں کوک کا ایک آدمی اسٹیشن پر موجود رہتا ہے۔ ہم دونوں گاڑی میں سوار ہو کر ہوٹل ''آنگلی ٹر'' میں آئے۔ یہ ہوٹل اچھا ہے مگر ''پیرا پیلس'' کی برابر رونق یہاں نہیں ہے۔ کمرے میں سب سامان رکھا، منہ ہاتھ دھویا۔ لنچ تیار تھا، کھایا اور گاڑی منگوا کر ہم مشہور چیزوں کے دیکھنے کو روانہ ہوئے۔ یہاں مشہور پرانی عمارتیں اور پہاڑ دیکھے۔ گرجا دیکھا جو بہت خوبصورت ہے۔ پھر پھرا کر شام کو ''ہوٹل'' آئے۔ شہر خوبصورت ہے۔ یہاں کے لوگ معاملہ اچھا نہیں کرتے، بے ایمانی کرتے ہیں۔

سقراط کا قید خانہ:

۸رفروری ۱۹۱۰ء۔ آج صبح کو بعد ناشتہ کے پھر ہم گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ آج جس مقام پر آئے، یہ ایک بہت اونچا پہاڑ ہے۔(۸۵) یہاں ایک بہت بڑا مندر ہے جس کی عمارت اب بھی گزشتہ تاریخ کی عظمت کو دہرا رہی ہے۔ اس مندر میں سے جو عجیب وغریب چیزیں نکلی ہیں، اُن کو کئی کمروں میں بند کر کے بطور میوزیم کے دکھاتے ہیں۔ سنگ مرمر کی عمدہ تراشی ہوئی مورتیں قابل دید ہیں۔ گزوں زمین کھود کر یہ مندر اور اس کا تمام سامان آرائش نکالا ہے۔ بڑے بڑے کمرے اور دالان نکلے ہیں جن میں تمام سنگ مرمر کا فرش ہے۔ در و دیوار، ستون نہایت خوبصورت اور بہت بلند تمام سنگ مرمر کے بنے ہیں۔ سنگ مرمر کی چھت پر نایاب کام کیا ہوا ہے۔ مگر اللہ اکبر کس قدر بلندی پر یہ مندر نکلا ہے کہ چڑھتے چڑھتے میں تو تھک گئی۔ بابا شرف الدین صاحب کی پہاڑی سے دوگنا تگنا اونچا ہے اور اوپر نہایت فضا کا مقام ہے۔ ہم نے معہ میوزیم کے تمام وکمال دیکھا۔ ایک لال کتاب میں اس مقام کے تمام حالات سنہ و تاریخ درج ہیں جو سرکار ہر مقام پر پڑھ کر مجھ کو سناتے رہے۔(۸۶) اور بہت سے لوگ ومسافر بھی دیکھنے آئے ہیں، وہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ کئی گھنٹے برابر ہم دیکھتے رہے، پھر نیچے اُترے، گاڑی میں بیٹھ کر سرکار وہاں آئے جہاں کہ سقراط بحث کیا کرتا تھا۔ یہ ایک میدان ہے، کچھ کچھ قدیم نشان ہیں، باقی سب صاف ہے۔ پھر سرکار

وہاں آئے جہاں سقراط کو قید کیا تھا۔ یہ مقام پہاڑ کے اندر کھوہ کی طرح بنا ہوا ہے۔ اوپر سے روشن دان بھی پہاڑ میں موجود ہیں۔ اس کو بھی اندر جا کر خوب اچھی طرح دیکھا۔ سرکار کو سقراط سے بہت محبت ہے۔ اُس کے حالات پڑھ کر ان کو رونا سا آ جاتا ہے۔ ان کی محبت کی وجہ سے میں نے بھی سقراط سے بہت ہمدردی ظاہر کی۔ لنچ کے وقت ہم ہوٹل میں آئے۔ لنچ کے بعد پھر گاڑی میں سوار ہو کر ایک اور مقام کے لیے روانہ ہوئے۔ اللہ اکبر راستہ کیا ہے شیطان کی آنت ہے۔ جاتے جاتے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد وہ مقام آیا۔ یہاں بھی وہی پرانی یادگار مندر جو زمین کے نیچے سے نکلے ہیں۔ وہی تمام سنگ مرمر اور اُس کے اندر سے جو سامان نکلا ہے، اس کو بطور میوزیم کے رکھ چھوڑا ہے اور ابھی کھودتے چلے جاتے ہیں اور نکلا چلا آتا ہے۔ بڑے بڑے کمرے، برآمدے، ہال، اہل یونان کے دیوتاؤں کے حمام اور کیا کیا، غرض سب نکل رہا ہے۔ ان دیوتاؤں کے بچے بھی ہوا کرتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساڑھے ۵ بج گئے۔ ایک گرجا بھی دیکھا۔ اس کے بعد سوار ہو کر یہ طولانی راستہ طے کر کے ڈنر کے وقت ہوٹل پہنچے۔ بعد ڈنر کے آرام کیا۔

کارنٹھ [کارنتھ] کا سفر:

۸رفروری ۱۹۱۰ء۔ بعد ناشتہ، سرکار نے کہا کہ ''چلو اب یہاں سے تھوڑی دور تو ریل ہے، وہاں سے کارنٹھ جاویں گے۔ وہاں ایک دن ٹھہر کر تماشہ دیکھ کر پیرس اور روم جائیں گے۔'' خیر قریب ۱۰ بجے کے ہم اسٹیشن پر آئے اور ۱۱ بجے کی ریل سے روانہ ہو کر تین بجے کارنٹھ پہنچے۔ ہوٹل کا ریفریشمنٹ روم سامنے ہی تھا، وہاں کھانا کھایا، پھر ہوٹل میں آئے۔ ابھی ۴ بجے ہیں۔ میں اور سرکار ٹہلتے ہوئے ہوا خوری کو نکلے، سامنے سمندر ہے۔ بڑی دور تک چہل قدمی کی۔ یہ مقام بہت چھوٹا ہے مثل گاؤں کے مگر یہ تمام ملک اس قدر امیر ہے کہ گاؤں میں بھی ہوٹل اور عمدہ مقامات بنے ہوئے ہیں۔ یہاں کا گرجا دیکھا۔ ایسے چھوٹے مقام پر بھی نہایت وسیع اور خوبصورت گرجا بنا ہوا ہے۔ چھ بجے ہوٹل واپس آئے، ساڑھے سات پر ڈنر

کھایا۔ میں نے خورشید کو خط لکھا۔ کچھ دیر مالک ہوٹل بیٹھا سرکار سے فرنچ میں باتیں کرتا رہا۔ یہاں کے جو مقامات دیکھنے کے لائق ہیں، اُن کی تصاویر دکھاتا رہا۔ پھر ہم کمرے میں آئے اور آرام کیا۔ ۱۰رفروری کو بعد ناشتہ کے ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ آدھے گھنٹہ میں گاڑی ایک پہاڑ پر چڑھی۔ ابھی اور اونچا پہاڑ ہے۔ یہاں سے پیدل راستہ ہے مگر وہی پرانے مندر ہیں۔ میرا تو دل یہاں نہیں لگا۔ سرکار نے پڑھ کر بہت کچھ سمجھایا۔ میں نے اوپر چڑھنا پسند نہیں کیا، سرکار بھی نہ چڑھے۔ یہاں سے جلدی روانہ ہو کر شہر کی دوسری طرف آئے۔ یہاں پہاڑ کو درمیان سے کاٹ کر ایک لیک بنائی ہے جس کی وجہ سے جہاز درمیان میں سے آسانی سے نکل آتا ہے۔ اس کے دیکھنے کو لوگ دور دور سے آتے ہیں۔ یہاں مثل تختے کے ایک چوڑی کشتی ہے جس پر سے تمام دن لوگ اور گھوڑے بیل سب اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر آتے جاتے ہیں۔ ہم دونوں بھی گاڑی سے اتر کر اُس کشتی پر سے دوسری طرف جو کہ بالکل قریب سامنے ہی ہے، جا اُترے۔ کشتی میں سے ہم نے دیکھا تھا کہ ایک جہاز بھی آ رہا ہے۔ دوسری طرف اتر کر ہم ٹھہر گئے تاکہ جہاز کو قریب سے جاتے ہوئے دیکھیں۔ کشتی بانوں نے جلدی جلدی کشتی کو ہٹا کر ایک زنجیر اِدھر سے اُدھر بندھی ہوئی تھی، اس کو ڈھیلا کر کے اندر کے رُخ نیچا کر دیا۔ بعد کوئی دس منٹ کے اس لیک میں سے پہاڑوں کے درمیان سے جہاز نکلا جو زور سے چلا آ رہا تھا۔ میں دیکھتی رہی۔ اس کے بعد دور تک سرکار خوب پھرے، میں نے کچھ پتھر یہاں سے جمع کر لیے۔ پھر اسی کشتی کے ذریعہ سے ادھر اپنی طرف آ گئے۔ گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل آئے، کھانا کھایا اور جلدی سے اسٹیشن پر پہنچے۔ ریل بھی آ گئی اور ہم تین بجے دن کے ریل سے روانہ ہوئے۔

پیرس [پٹرس] میں:

شب کے ۸ بجے ''پیرس'' پہنچے۔ کوک کا نوکر موجود تھا، سامان اُس کو دے دیا اور خود گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ ہوٹل آئے۔ کھانا تیار تھا، کھا کر آرام کیا۔

۱۱رفروری کی صبح کو بعد ناشتہ میں نے اور سرکار نے گاڑی میں بیٹھ کر اِدھراُدھر تمام شہر کو دیکھا۔ ایک گرجا بھی دیکھا جو کہ چمن کے درمیان بنا ہوا ہے۔ یہاں کا جیل پرانے مندر میں ہے جو کہ قدیم تھا۔ اب وہاں جیل ہے، وہ بھی دیکھا۔ پھر پھرا کر ہوٹل آئے۔ میں تو پھر نہیں گئی، خط وغیرہ لکھتی رہی۔ سُنا کہ جس جہاز میں ہم برنڈیزی جاویں گے، وہ شب کے ۹ بجے آئے گا۔ شام ہوگئی، ڈنر بھی ہوگیا، اب انتظار میں جہاز کے بیٹھے ہیں۔ ۹ بج گئے معلوم ہوا کہ ''آج جہاز لیٹ ہے، دیر سے آئے گا۔''

پیرس [پٹرس] سے روانگی:

بعد انتظار کے ساڑھے دس بجے جہاز آیا۔ اس وقت پانی بھی برس رہا ہے اور بجلی بھی کڑک رہی ہے۔ ایسی ہی حالت میں چھتری لگا کر سب بھاگتے ہوئے کشتی میں پہنچے کیوں کہ کنارا سمندر کا سامنے ہے، گاڑی کی ضرورت نہیں ہے، ہم دونوں بھی کشتی میں آ گئے۔ کشتی بھی کھلی ہوئی ہے۔ اندھیری رات پانی برس رہا ہے۔ غرض کشتی روانہ ہوئی۔ کوئی پندرہ منٹ کے بعد کشتی جہاز سے آ کر لگی اور ہم دونوں اور دو تین انگریز اور میمیں سب اترے، اوپر گئے۔ یہ جہاز روبوٹینوں کمپنی کا ہے۔ نہایت اچھا اور صاف ہے۔ اب ہمارا سامان بھی آ گیا۔ جہاز میں خوب بجلی کی روشنی ہو رہی ہے۔ ہمارے ساتھ جہاز میں دس انگلش لیڈیز بھی ہیں جو کہ ہماری طرح دنیا کی سیاحت کے لیے نکلی ہیں۔ میں کیابن میں آئی، کیابن بھی بہت عمدہ ہے۔ ہم دونوں نے اپنا سب سامان دیکھا۔ کوک کے آدمی کو رخصت کیا اور کپڑے وغیرہ بدل کر آرام سے سو رہے۔

۱۲رفروری۔ صبح کو اٹھی۔ کپڑے وغیرہ درست کر کے اوپر ڈک پر آئی۔ اگرچہ اس جہاز میں بھی مجھ کو چکّر آ رہے ہیں مگر بہت کم۔ یہ جہاز ۸ بجے ایک مقام پر ٹھہر گیا۔ یہاں سب لیڈیز اور سرکار بھی اتر کر شہر دیکھنے کو گئے۔ سرکار نے مجھ سے کہا کہ ''چلو'' میں نے کہا کہ ''تھکی ہوئی ہوں، تم جاؤ میں جہاز پر ٹھہروں گی۔'' غرض سب گئے اور ڈیڑھ گھنٹہ بعد واپس آئے۔

سرکار یہاں کی لکڑیاں دس عدد خرید لائے کیوں کہ بہت خوبصورت بنی ہوئی ہیں، جہاز پھر چلا۔ میں لنچ کے بعد لیٹ گئی تا کہ چکّر نہ آئے۔۴ بجے پھر جہاز ٹھہرا۔ یہاں سے کچھ سامان لے کر بعد ایک گھنٹہ کے روانہ ہوا۔ جہاز کے جلدی جلدی ٹھہرنے سے میری طبیعت اس سفر میں بہت اچھی رہی۔ ان لیڈیز سے میری خوب ملاقات ہوگئی۔ ہر ایک نے اپنا اپنا پتہ مجھ کو دیا اور میرا پتہ بھی لیا۔ بعد ڈنر کے ہم نے آرام کیا۔

برنڈیزی پہنچ گئے:

۱۳رفروری۔ صبح ۵ بجے برنڈیزی پہنچ گئے۔ جلدی سے ہم اٹھے، تیار ہو کر ناشتہ کیا اور سب سامان کوک کے آدمی کے سپرد کر دیا۔ جہاز کنارے سے لگا کھڑا تھا۔ آرام سے اتر کر گاڑی میں بیٹھ کر ریلوے اسٹیشن پر آئے۔ یہ شہر بھی اچھا ہے۔ گاڑی سے ہی جس قدر دیکھا گیا، دیکھا۔

روم کا سفر:

اب صبح کے سات بجے ہیں، ریل میں سوار ہو کر روم روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ کی لیڈیز بھی ہمارے ساتھ کے ملے ہوئے درجہ میں ہیں، مگر یہ سب نیپل جا رہی ہیں اور ہم روم۔ چار بجے شام کے اُن کا درجہ کٹ کر دوسری طرف چلا جائے گا۔ گویا چار بجے تک اُن کا ہمارا اور ساتھ ہے۔ یہ سب پانچ یوم کے بعد روم آئیں گے مگر جب یہ روم آئیں گے، ہم فلارنس جائیں گے۔ لنچ ہم نے ریل میں اسٹیشن سے لے کر کھایا۔ یہ یہاں کا اچھا قاعدہ ہے کہ کاغذ کی تھیلی میں پورا لنچ تیار اور پانی کی بوتل گلاس کاغذ کی ساتھ دیتے ہیں۔ خیر ہم کو بھی اسی طرح سے ملا۔ سرکار خرید کر لائے۔ خوب کھایا، پانی پیا۔ میں اکثر ان ہی لیڈیز کے ساتھ بیٹھی رہی۔ جب جنکشن آیا تو میں اپنے درجہ میں چلی آئی۔ چار بجے تک ہمارا اُن کا ساتھ رہا۔۴ بجے اُن کا درجہ کٹ کر اُدھر چلا گیا اور ہم اِدھر روانہ ہوگئے۔ نو بجے شب کے ہم بھی روم میں داخل ہوئے۔ یہاں سب سامان کوک کے سپرد کیا اور ہوٹل ''دی کوری تال'' میں آئے۔ سامان بھی

سب آ گیا۔ بعد ڈنر کے آرام کیا۔

روم کی سیر:

آج ۱۴رفروری ہے۔ یہ ہوٹل اگرچہ شان وشوکت میں اچھا ہے مگر اس ہوٹل کے منیجر اور نوکر سب بے ایمان اور خراب ہیں۔ قاعدہ بتلاتے نہیں اور ذرا ذرا سی بات پر ایک فرانک اور دو شلنگ مانگ لیتے ہیں، غرض بہت ہی بے ایمان لوگ ہیں۔ میں کسی ہوٹل میں نہیں گھبرائی سوائے اس ہوٹل کے۔ خیر ہم نے گاڑی منگوائی اور میوزیم دیکھنے کو چلے۔ یہ شہر دراصل بہت خوبصورت ہے اور صاف بھی بہت ہے۔ الغرض شہر کی سیر دیکھتے میوزیم میں آئے۔ بہت سی یوروپین عورتیں اور مرد یہاں جمع ہیں۔ چوں کہ میں ترکی برقعہ اوڑھے ہوں، اس لیے سب غور سے دیکھتے ہیں کہ ''یہ کون ہے؟'' ہم ٹکٹ لے کر میوزیم میں داخل ہوئے۔ ایک ایک کمرے کی عجائبات دیکھتے دیکھتے دو گھنٹہ ہو گئے، میوزیم ختم ہی نہیں ہوتا۔ مجھ کو پتھر کی تصویریں تو پسند نہیں آئیں البتہ پکچر گیالری بہت پسند آئی۔ نایاب تصویریں ہیں، ایسی میں نے ابھی تک نہیں دیکھیں تھیں۔ ایک بجے تک خوب میوزیم دیکھا۔ پھر ہوٹل میں آئے، کھانا کھایا۔ میں تو تھک گئی تھی اس لیے کمرے میں جا کر بیٹھ گئی۔ سرکار باہر پھر گئے اور مغرب کے وقت آئے۔ ڈنر کے وقت نیچے آئے۔ سرکار تو بعد ڈنر کے ڈرائنگ روم میں اخبار دیکھنے لگے مگر میں اوپر چلی آئی۔ آدھے گھنٹے کے بعد سرکار بھی آئے۔ یہ شب بھی بحکمِ خدا آرام سے گزری۔

۱۵رفروری کو ہم دونوں اٹھے۔ ہاتھ منہ دھویا، کپڑے پہنے، چائے اوپر ہی منگوا لی اور خوب آرام سے ناشتہ کیا۔ سرکار نے فرمایا کہ ''جلدی چلو یہاں جو سب سے مشہور گرجا ہے، اس کو دیکھ آئیں۔'' میں اور سرکار آج گرجا تک ٹریموے نمبر ۱۴ میں بیٹھے کیوں کہ نمبر۱۴ کا ٹریموے سیدھا وہاں جاتا ہے۔ بہت سی لیڈیز اور صاحب ہمارے ساتھ ہیں۔ اب ہم گرجا پہنچ گئے۔ دراصل یہ گرجا نہایت خوبصورت آراستہ اور بڑا ہے۔ میں نے اب تک یہاں بہت سے گرجے دیکھے، سب میں قریب قریب اندر اندھیرا پایا۔ یہ گرجا اگرچہ روشن ہے مگر وہ روشنی

نہیں جس کو روشنی کہا جاتا ہے۔ عمارت و سامان بہت عمدہ ہے۔ گرجے میں مثل ہماری مسجدوں کے زمین پر فرش نہیں ہوتا ہے۔ کرسیاں، میز، تصاویر، ہارمونیم، ٹباچیو [کذا] عمدہ عمدہ ہوتے ہیں۔ درودیوار اور چھت پر بہت عمدہ سنہری کام ہوتا ہے، عمارت عمدہ ہوتی ہے۔ غرض خوب دیکھ بھال کر باہر آئے۔ یہاں سے سرکار مجھ کو ایک باغ میں لے گئے جو گرجا کے بالکل قریب اور سامنے ہے مگر چڑھائی بہت ہے۔ سڑک بہت صاف ہے۔ سرکار نے مجھ سے پوچھا کہ ''گاڑی لوں یا پیدل چلو گی؟'' میں نے پیدل چلنا پسند کیا، ہم دونوں برابر چڑھتے گئے۔ ہم جیسے جیسے اوپر آتے جاتے ہیں، باغ نہایت خوش وضع آتا جاتا ہے اور تمام روم کا شہر نظر آتا جاتا ہے۔ چڑھتے چڑھتے بالکل اوپر آ گئے۔ دیکھا کہ ہزاروں آدمی آئے ہوئے ہیں اور آ رہے ہیں۔ یہ مقام سیرگاہ ہے۔ روزانہ شام اور صبح کو لوگ ہوا خوری کو آتے ہیں۔ بچّے بڑے سب آتے ہیں۔ ہم بھی خوب ٹہلے اور پھر دوسری طرف سے نیچے اُترے۔ گاڑی لی اور ہوٹل آ گئے۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ میں اپنے کمرے کی کنجی بھول آئی، سرکار ابھی نیچے ہی ہیں۔ میں نے ایک دوسرے کمرے میں جا کر گھنٹی بجائی جسے سُن کر میڈ آئی۔ میں اُس سے کنجی کے لیے کہہ رہی تھی کہ ایک میم صاحبہ جو بالکل میرے کمرے کے قریب ہیں، آ گئیں۔ میں نے جانا یہ بھی کوئی نوکر ہی ہیں۔ میڈ کو چھوڑ کر اُن کے قریب جا کر کنجی کے لیے کہنے ہی کو تھی کہ دیکھا یہ تو کوئی لیڈی ہیں۔ جھٹ میں نے معافی چاہی مگر وہ ایسی اچھی ہیں کہ انھوں نے مجھ سے پوچھ کر کنجی کے لیے میڈ کو تاکید کی اور مجھ کو اپنے کمرے میں لے گئیں کہ ''تم جب تک کمرہ کھلے، میرے کمرے میں آ بیٹھو۔'' پھر کیا تھا، ہماری اُن کی باتیں ہوتی رہیں۔ کنجی بھی آ گئی مگر میں وہیں بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ یہ بچاری ایسی اچھی ہیں کہ مجھ کو اپنی بہن بنا لیا۔ اتفاق سے اِس شب کو سرکار آپیرا جانے والے تھے۔ میں نے اُن سے کہا کہ ''بعد ڈنر کے آپ میرے کمرے میں آ کر بیٹھنا۔ ہمارے صاحب آپیرے میں جائیں گے۔'' وہ راضی ہو گئیں۔ بعد ڈنر کے سرکار تو سدھارے، ہم اور میم صاحب اوپر آئے۔ میرے کمرے میں آ

کر یہ بیٹھ گئیں میں نے کچھ سینا نکالا تو ان بچاری نے دوسری طرف سے سینا شروع کیا اور اپنا حال بیان کیا کہ ''میں اکیس روز کی بیاہی تھی کہ میرا خاوند گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ وہ فوج کا افسر تھا، ۵۰ پونڈ سالانہ مجھ کو پنشن ملتی ہے۔ میرا نام ''وڈو مکڈانلڈ'' ہے۔'' مجھ کو اپنے صاحب کے ''میڈل'' جو وقتاً فوقتاً ملے تھے، دکھائے۔ وہ نام آور آدمی تھا۔ پھر اپنی ماں کی اور خاوند کی تصویریں دکھائیں۔ غرض ان ہی باتوں میں بارہ بج گئے اور سرکار بھی آ گئے۔ مسز مکڈانلڈ مجھ کو پیار کر کے رخصت ہو گئیں۔ اب اُن کی عمر ۳۵ برس کی ہے۔ بچاری اپنی عمر نیکی سے گزار رہی ہیں، خدا ان کی مدد کرے۔ میم صاحب کو رخصت کر کے ہم آرام سے سو رہے۔

۱۶؍فروری۔ صبح اٹھے۔ نماز پڑھی، ناشتہ کیا۔ ڈریس کر کے ہم نیچے آئے اور گاڑی لے کر گرجا دیکھنے کو، جو یہاں مشہور ہیں، روانہ ہوئے۔ ۲۰ منٹ کے بعد گرجا آ گیا، اندر داخل ہوئے۔ یہ اندر سے گول کھلا ہوا ہے، اس کی وجہ سے خوب روشنی ہو رہی ہے۔ ہر ایک نقش و نگار صاف نظر آ رہا ہے۔ اس کو بھی خوب اچھی طرح دیکھا۔ آدھا گھنٹہ خوب اندر پھرے پھر باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ کر دو بادشاہوں کے دو محل جو بہت بلندی پر واقع ہیں، دیکھنے گئے۔ یہ اس قدر بڑے ہیں کہ کوسوں پھر کر دیکھنا پڑتا ہے۔ روما نامی جو دو لڑکے ہوئے ہیں اور جن کی بابت تاریخ میں لکھا ہے، بھیڑنی نے دودھ پلا پلا کر پالا تھا، اسی پہاڑ پر سے ملے تھے۔(۸۷) ہم نے اندر جانے کا ٹکٹ لیا اور داخل ہوئے۔ ایک انگریز بھی جو فرنچ بولتا تھا، ہمارے ساتھ ہو گیا اور ہر ایک کمرہ اور سارا شہر روم جو یہاں سے نظر آ رہا ہے، دکھایا۔ اس عمارت کے کمرے کھنڈر ہو گئے ہیں مگر ان کی بلند چھتیں کہہ رہی ہیں کہ یہ بھی کسی زمانہ میں اپنی مثل آپ ہی ہوں گے۔ خیر اب ہم دیکھتے بھالتے آہستہ آہستہ اوپر چلے۔ ہر ایک چیز اور ہر ایک مقام کو غور سے دیکھتے ہوئے ایک زینہ سے چڑھ کر نہایت وسیع اور خوبصورت سبزہ زار میں پہنچے۔ کیسا اچھا پُرفضا مقام ہے۔ نہایت اچھا باغ لگا ہے۔ ہم دونوں اور وہ انگریز باتیں کرتے اور ٹہلتے ہوئے ایک جگہ پہنچے۔ یہاں ایک مرد اور ایک عورت ہاتھ سے تصویر بنا کر رنگ بھر رہے ہیں۔

ہم نے قریب آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سامنے ایک پتھّر کی مورت کھڑی ہے درخت سے لگی ہوئی، اس کی نقل کرتے ہیں، مگر بخدا نہایت ہی اچھی نقل اُتاری ہے۔ تین چار منٹ کھڑی دیکھا کی، پھر سرکار نے پکارا تو میں پلٹی۔ آگے چل کر نیچے اُترنا پڑا۔ یہاں ایک صحن اور کمرے ہیں۔ اندر تمام موزک فرش ہے۔ دیواروں پر قدیم مشہور تصاویر ہاتھ کی بنی ہوئی ہیں۔ ایک طرف تین کمرے برابر برابر ہیں، یہاں بادشاہ کی بیٹی رہا کرتی تھی۔ غرض خوب دیکھ بھال کر اوپر آئے۔ اور آدمی بھی برابر دیکھنے کو آ رہے ہیں۔ اب ہم دوسری طرف چلے۔ یہ انگریز ہر مقام کو بتلاتا جاتا ہے، سرکار بھی تاریخ کو پڑھ کر سناتے جاتے ہیں۔ ہم اور اوپر گئے تو تمام شہر نظر آنے لگا۔ تمام نشان بڑے بڑے کمروں اور ہال کے نظر آتے ہیں۔ یہاں بادشاہ کا حمام دیکھا۔ ایک مقام پر ایک آدمی نے آ کر جلدی جلدی ایک بڑی جھاڑو سے مٹّی ہٹا کر ایک موزک کا نقشہ جو زمین پر بہت بڑا اور اچھا بنا ہوا تھا، دکھلایا کہ ''یہاں تمام ایسا ہی فرش تھا۔'' اور پھر ڈھانپ دیا۔ غرض خدا جانے کیا کیا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ کھانے کا بھی وقت نکل گیا۔ چار بجے نیچے اُترنا شروع کیا۔ واپسی میں اور بھی کمرے ملے۔ بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ دیکھی۔ آخرکار وہاں آ گئے جہاں بھیڑیا رہتا تھا اور دونوں روما لڑکے ملے تھے۔ یہ مقام ایک پہاڑ کے اندر مثل شیر کی گدّی کے بنا ہوا ہے۔ اب تو خالی پڑا ہے۔ غرض اُن ہی محلوں میں سے ہوتے ہوئے نیچے اُتر آئے۔ گھڑی دیکھی تو ساڑھے چار بج گئے تھے۔ پانچ گھنٹے چلتے چلتے میں بالکل تھک گئی اور سرکار بھی تھک گئے، مگر ارادہ ہے کہ اور ایک مقام بھی دیکھ ہی لیں۔ اب وہاں آئے جہاں روم کا مشہور و قدیم بازار لگا کرتا تھا۔ تمام زمین پر سنگ مرَ مرَ کا فرش ہے، دکانیں در و دیوار سب سنگ مرَ مرَ کی ہیں۔ بڑی بڑی مشہور آرچ یعنی کمانیں بنی ہیں۔ ابھی سورج موجود ہے، سب صاف نظر آ رہا ہے۔ جہاں بکرے ذبح ہوتے تھے وہ مقام بھی دیکھا۔ اب میں بہت تھک گئی ہوں، بڑی مشکل سے واپسی ہوئی کہ بازار سے نکل کر گاڑی لیں گے۔ اتنے میں بہت سے پادری لمبے لمبے کالے کالے اوورکوٹ پہنے سو یا دو سو سامنے

سے آئے اور دوسری طرف چل دیے۔ ہم بھی اُن کے پیچھے چلے کہ ''یہ کہاں جاتے ہیں۔''
اِس قدیمی بازار کی ٹوٹی ہوئی عمارت کی دو ایک آدمی بیٹھے ہاتھ سے تصویر اور نقشہ اُتار رہے تھے۔ ہم وہاں آئے جہاں سب پادری جمع ہو رہے تھے۔ یہاں دیکھا کہ اس بازار میں ایک پرُانا گرجا ہے جس کی دیواروں پر بہت پرُانی ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں حضرت بی بی مریم علیہاالسّلام اور حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السّلام کی لگی ہیں اور اُن کو پردے سے ڈھانپ رکھا تھا تا کہ رہی سہی بھی نہ مِٹ جائیں۔ اُن کو دیکھنے یہ پادری بھی آئے تھے۔ اِس گرجے کے درمیان میں ایک حوض بھی ہے۔ یہاں سے روانہ ہو کر بازار کی سرحد سے باہر آئے اور گاڑی لے کر ہوٹل پہنچے۔ چھ بج گئے تھے میں تو اوپر آئی، سرکار نیچے کچھ کام کے لیے ٹھہرے۔ میں نے کمرہ میں آ کر منہ ہاتھ دھویا، کپڑے بدلے اور مسز مکڈانلڈ کے کمرے میں آ بیٹھی۔ وہ محبت سے باتیں کرتی رہیں اور میرے تھک جانے کا اور پاؤں کے دُکھنے کا حال سُن کر بے چاری نیچے جھک کر میرے پاؤں ہاتھ میں لے کر دبانے لگیں۔ میں نے معافی چاہی مگر انھوں نے گرم پانی اپنی آیا سے منگوا کر روغن بادام ملوا کر پاؤں گرم گرم پانی میں ڈلوائے اور پھر خوب خشک کر کے جرّاب پہنا دی اور کہا کہ ''کل میرے ساتھ بازار چلو، میں تم کو بہت گرم جرّاب اور پیٹی کوٹ دلوا دوں گی۔ تمھارے صاحب سے کہوں گی کہ ان کو سردی نہ لگنے دو۔''

اب ہم دونوں مل کر کھانے کو اتر رہے تھے کہ سرکار بھی راستہ میں ملے۔ میں نے ان کو مسز مکڈانلڈ سے ملایا۔ اس نے راستہ میں ہی سرکار سے میرے کپڑوں کے لیے کہہ دیا۔ میں نے کہا کہ ''اچھا کل آپ مجھ کو کپڑے دلوا دینا، سرکار آپ کے ساتھ جانے کو منع نہیں کریں گے۔ میرے پاس گرم کپڑے بہت ہیں، صرف پیٹی کوٹ اور بنیان کی ضرورت ہے۔'' ڈرائنگ روم میں آ کر میں اور سرکار اپنی میز پر بیٹھے اور وہ اپنی میز پر۔ بعد کھانے کے مسز مکڈانلڈ نے کہا کہ ''میری ایک دوست آپ سے ملنا چاہتی ہیں، نیچے آ کر ضرور اُن سے ملو۔'' چوں کہ مسز مکڈانلڈ بالکل انگریزی بولتی ہیں، میں سمجھی کہ یہ کہتی ہیں کہ ''میں اور میری دوست

نیچے سے اوپر آتی ہیں۔'' میں ''اچھا'' کہہ کر لفٹ سے اوپر آئی اور انتظار کرتی رہی، آخر کو سرکار بھی اوپر آئے اور کہا کہ ''سورہو۔'' میں نے کہا کہ ''مسز مکڈانلڈ سے ملنے کا انتظار ہے۔'' سرکار نے کہا کہ ''اب بھلا کون وقت ہے، چلو صبح مل لینا۔''

۱۷رفروری ۱۹۱۰ء۔ صبح کو مسز مکڈانلڈ نے مل کر کہا کہ ''میری دوست لیڈی تم کو بہت یاد کرتی رہی، افسوس کہ تم نے اقرار کیا اور نیچے نہ آئیں۔'' تب میں نے معافی مانگ کر کہا، ''میری غلطی ہے، جلدی میں، میں یہ سمجھی کہ آپ اوپر آئیں گی۔ میں اوپر انتظار میں رہی۔'' خیر ہم دونوں افسوس کر کے رہ گئے۔ اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ ساڑھے ۹ بجے وہ مجھ کو لے کر شاپ کو گئیں، ایک پٹی کوٹ ایک عمدہ بنیان دلوا کر کہا ''اور بنیان بھی ہیں؟'' میں نے کہا، ''ہاں دو اور ہیں، بس اب کافی ہیں۔'' پھر میرے واسطے بغیر مجھ سے کہے ایک پریزنٹ عمدہ چاندی کی ڈبیہ جو مٹھائی سے بھری ہوئی تھی، خریدی۔ ابھی مجھ کو معلوم نہیں کہ یہ کیوں خریدی ہے۔ گیارہ بجے ہم دونوں واپس آئے، سرکار میرے انتظار میں تھے۔ پھر ہم اور سرکار گاڑی لے کر پٹی گیالری اور دوسرے مقام دیکھنے کو چلے۔ آج پانی بھی تھوڑا تھوڑا برس رہا ہے۔ پٹی گیالری پکچر گیالری میں آ کر ٹکٹ لیا۔ چھتری ہمراہ ہوتی ہے تو خواہ مخواہ بھی اس کو دروازے والے رکھ لیتے ہیں اور پھر اس کی رکھوائی کا معاوضہ وصول کرتے ہیں۔ خیر چھتری رکھوا دی اور اندر داخل ہوئے۔ خوب نیچے اوپر سے پکچر گیالری کو دیکھا۔ بہت بڑی بڑی نایاب اور طرح طرح کی تصویریں دیواروں اور چھتوں پر لگی تھیں۔ دیکھتے دیکھتے آنکھیں دُکھ گئیں۔ کثرت سے لوگ دیکھنے کو آئے ہیں۔ اکثر لوگ چھتوں کو آئینہ میں دیکھتے ہیں۔ ایک ایک کمرہ دیکھنے میں ایک ایک گھنٹہ صرف ہوا، پھر بھی پورا نہیں دیکھا۔ بے انتہا کمرے ہیں، بہت سے کمرے تو سرسری طور پر دیکھ لیے۔ ایک بجے ہوٹل آئے۔ میں تو لنچ کھا کر اوپر آ گئی۔ یہاں مسز مکڈانلڈ سے ملاقات کی۔ انھوں نے اب مجھ کو وہ ڈبیہ جو مٹھائی سے بھری خریدی تھی، دی اور کہا کہ ''یہ میری یادگار ہے، اس کو اپنے پاس رکھو۔''

یہ انگریزی چاندی کی بہت خوبصورت ڈبیہ ہے، ڈھکنے پر تصویر بنی ہے۔ میں نے شکریہ ادا کیا اور ڈبیہ لے لی۔ میں نے بھی اپنی یادگار میں اُن کو دو روپیہ حیدرآبادی دیے۔ انھوں نے کہا کہ ''میں اِن کا بروچ بناؤں گی اور ہمیشہ اپنے پاس رکھوں گی۔'' سرکار تو پھر باہر سدھارے مگر میں تھک گئی تھی، اُن کے ہمراہ نہیں گئی۔ اس عرصہ میں شام ہوگئی، ڈنر کا وقت آ گیا۔ سرکار بھی آ گئے۔ ڈریس ہو کر نیچے اُترے۔ کھانا کھایا۔ میں تھوڑی دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھی۔ دو ایک خط لکھے۔ پھر ہم دونوں اوپر آئے اور آرام کیا۔

۱۸رفروری کی صبح کو حسب دستور اُٹھے۔ ناشتہ کمرے ہی میں کیا۔ پھر جلدی سے میں اور سرکار تیار ہو کر گاڑی لے کر آج پھر مقامات دیکھنے کو چلے۔ گاڑی والے نے دھوکہ دیا کہ ''چلو بادشاہ کا ''محل'' دیکھو۔'' ہم نے کہا، ''چلو۔'' جب ''محل'' کے دروازے پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج محل دیکھنا بند ہے۔ یہ اس نے کرایہ بڑھانے کے واسطے بدمعاشی کی تھی۔ خیر پھر ایک میوزیم آج دیکھا مگر اس میں تین ہی کمرے دیکھے، یہاں بھی تصاویر ہیں۔ اِن تصویروں کا قصّہ سرکار نے اس طرح بیان کیا کہ ''وینس کا لڑکا ایک پری پر عاشق ہو گیا تھا جو کہ اُس سے بھی خوبصورت تھی۔'' یہاں قصّہ لکھنا ضروری نہیں ہے۔ میں نے خوب اِن تصویروں کو دیکھا۔ آج میں نے اور کہیں جانا پسند نہ کیا۔ یہاں اور کمرے بھی ہیں مگر بند ہیں، سرکاری اجازت سے کھلتے ہیں۔ پھر ہم گاڑی میں بیٹھ کر یہاں کی یونیورسٹی میں آئے اور کمروں کو دیکھا۔ استادوں کی تصویریں دیکھیں اور ہوٹل واپس آئے۔ لنچ آج ڈیڑھ بجے کھایا۔ میں تو حسب دستور کمرے میں آن کر بیٹھ گئی۔ سرکار پھر سیر کو سدھارے۔ ذرا دیر میں واپس آ کر مجھ کو ہمراہ لیا اور ایک اور یونیورسٹی میں گئے۔ وہاں پڑھائی ہو رہی تھی، لڑکے آتے جاتے تھے۔ یہاں بھی ننگی دھڑنگی تصویریں چھت پر، دیواروں پر، برآمدے میں بہت سی ہیں۔ اندر سے تمام عمارت کو دیکھا اور شہر میں تھوڑا گشت کیا۔ مغرب سے پہلے ہوٹل میں آ گئے۔ ہاتھ منہ دھو کر ڈنر کے لیے تیار ہوئے۔ ۷ بجے ڈنر پر آئے۔ بعد ڈنر کے مسز مکڈانلڈ سے ملاقات ہوئی۔ جب میں

نے کہا کہ ''کل میں جاؤں گی۔'' تو اُن کو بہت رنج ہوا۔ تھوڑی دیر گفتگو کر کے میں اپنے کمرے میں آ کر آرام سے سو رہی۔

۱۹رفروری کو صبح ہی میں نے اپنا سب سامان پیک کر لیا کیوں کہ سرکار نے کہا کہ ''کل ۲ بجے کی ٹرین سے فلارنس جائیں گے۔'' مگر میں نے اپنا سامان درست کر کے آج ہی باندھ لیا، سرکار کا سامان ابھی باقی ہے۔ پھر ناشتہ کر کے کپڑے پہنے اور گاڑی لے کر میں اور سرکار سیر کو چلے۔ ایک گرجا میں گئے، یہاں پوجا ہو رہی تھی۔ کوئی دو سو پادری موم بتّیاں روشن کر کے حضرت بی بی مریم علیہا السّلام کی تصویر اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تصویر کے قریب سے قطار لگا کر چلے اور پھر برابر دو قطار میں ہو کر ہال میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ سب سے پہلے کچھ بڑی آواز میں ان کے بڑے پادری صاحب پڑھتے رہے، پھر سب نے مِل کر بڑی خوش آوازی سے گانا شروع کیا اور خوب گایا۔ کئی بار ٹھہر ٹھہر کر گایا۔ ابھی نماز ہو ہی رہی تھی جو میں اور سرکار گرجا دیکھ کر باہر نکل آئے اور گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ایک عجیب و غریب فوج دیکھی، جس کے ساتھ باجہ اور ایک خاص قسم کا نشان تھا۔ معلوم ہوا کہ ان پادریوں کا کوئی پیشوا تھا۔ ہر سال اس کی تاریخ وفات پر بطور یادگار سب شاگرد اس دھوم سے نکلتے ہیں گویا اپنے استاد کا عرس کرتے یا برسی مناتے ہیں۔ غرض اسی طرح آج بھی بہت کچھ دیکھا، آخرکار شام کو ہوٹل واپس آئے۔ ڈنر کے بعد مسز مکڈانلڈ سے ملاقات ہوئی۔ اُن کو میرے کل چلے جانے کا بہت ہی افسوس ہے۔

فلارنس کو روانگی:

۲۰رفروری۔ میں آج جلدی سے اٹھی۔ سرکار کا بھی سب سامان پیک کر لیا اور بالکل تیار ہو گئی۔ سرکار باہر جا کر ۱۲ بجے آئے۔ سب حساب وغیرہ ادا کر کے لنچ کھایا اور دو بجے کی گاڑی سے روانہ ہو گئے۔ مسز مکڈانلڈ بے چاری رخصت کے وقت رونے لگیں، اُن کا رونا مجھ کو یاد رہے گا۔ ریل میں سے راستہ کی سیر کرتے ہوئے رات کے آٹھ بجے فلارنس پہنچے، ہوٹل میں

اُترے، یہ ہوٹل بھی اچھا ہے۔ کمرہ لیا اور آرام سے سو رہے۔ کھانا ہم نے ریل ہی میں ڈائننگ کار میں کھالیا تھا۔

۲۱رفروری۔ صبح ہی میں اور سرکار اٹھے، حمام کیا، پھر ڈریس کر کے نیچے آئی۔ ناشتہ کیا اور گاڑی سیر کو لے کر چلے۔ پکچر گیلری اور میوزیم دیکھا۔ زمین کے نیچے سے قبریں اور سامان نکلا ہے وہ بھی دیکھا۔ پھر لنچ کے وقت ہوٹل آ گئے۔ میں تو کمرے ہی میں رہی مگر سرکار پھر باہر سدھارے اور شام کو آئے۔ ڈنر کھایا اور آرام کیا۔ میرا دل اب کچھ سفر سے گھبرا گیا ہے، گھر جانے کو جی چاہتا ہے۔

۲۲رفروری۔ حسب عادت اٹھے۔ سرکار نے کہا کہ ''چلو۔'' میں نے کہا کہ ''اب میں نہیں جاؤں گی۔ اس سفر سے میں دل برداشتہ ہوگئی ہوں۔'' سرکار نے کہا کہ ''تم کو تو دکھانے کو ہم آتے ہی ہیں، تم نہ چلو گی تو یہاں آنا بے کار ہی ثابت ہوگا۔'' سرکار کے فرمانے پر میں تیار ہوگئی۔ یہاں بھی مشہور مقامات دیکھے۔ اصل پوچھو تو یہ شہر اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ نہایت خوبصورت، سفید اور صاف شہر ہے، مگر گرجا یہاں کے باہر سے عالی شان اور اندر سے اندھیرے گھپ ہیں۔ ہم آج ساڑھے ۱۲ بجے ہوٹل آئے۔ لنچ کھا کر سرکار نے کہا کہ ''پھر چلو۔'' میں نے جواب دیا کہ ''مجھے تو اب معاف کیجیے۔'' خیر سرکار نیچے سدھارے مگر ذرا دیر بعد پھر آن کر کہا کہ ''چلو تم کو موٹر کار سے سارا شہر دکھا لائیں، پھر کل روانہ ہو جائیں گے۔'' میں خوش ہوئی کہ ''کل روانہ ہوں گے۔'' خوشی سے رضامند ہوگئی اور نیچے آ کر موٹر کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئی۔ ہمارے ساتھ ۶ میمیں اور صاحب بیٹھے ہیں۔ یہ بڑی موٹر کار ہے اور کھلی ہوئی عمدہ ہے۔ تین گھنٹہ برابر موٹر کار میں پھرتے رہے۔ میں تعریف نہیں کر سکتی کس قدر سرسبز و شاداب شہر ہے۔ ایسا خوبصورت شہر ہے کہ دنیا میں ہی گویا جنت ہے۔ بلندی پر کیا کیا باغ، میدان اور خوبصورت سبزہ زار ہے۔ غرض مسلسل تین گھنٹے پھرتے رہے۔ دو ایک جگہ اُتر کر بھی سیر کی۔ بڑی خوبصورت سرنگ بھی شہر کے اندر بنی ہوئی ہے۔ شام تک ہوٹل واپس آ گئے۔ ڈنر

کے بعد آرام کیا۔

۲۳رفروری کو صبح ہی دونوں اٹھے۔ ناشتہ کیا، [ڈریس] ہو کر سب سامان درست کیا کہ یہاں سے بھی وہی ۱۲ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوں گے۔ لنچ سویرے کھا کر ہوٹل سے روانہ ہو کر اسٹیشن پر آئے۔ یہاں اپنی پرانی ہم سفر میموں سے جو کہ امریکہ سے آ رہی تھیں اور قسطنطنیہ میں ایک ہوٹل ''پیرا پیلس'' میں رہ چکی ہیں، ملاقات ہوگئی۔ قریب دس منٹ کے گفتگو رہی۔ پھر ہم اور وہ لوگ ایک ہی ریل سے روانہ ہوگئے، لیکن وہ سکنڈ کلاس میں اور ہم فسٹ میں ہیں۔ لیکن درجے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ہم اپنے درجے میں آسانی سے اُن کے درجے میں آ جا سکتے ہیں۔ ڈائننگ کار میں پھر اُن سے اخیر ملاقات ہوئی اور وعدہ ہوا کہ ''اگر میں پیرس میں زیادہ ٹھہری تو ملوں گی۔'' کیوں کہ ان میموں کو راستہ میں کہیں اور ٹھہرنا ہے پھر ''پیرس آئیں گی۔'' اسی اسٹیشن پر ہم کو بھی ریل بدلنا پڑی۔ ساڑھے ۹ بجے ہم نے ریل بدلی۔ اس گاڑی میں ہمیں درجہ بالکل خالی ملا، آرام سے سوتے چلے آئے۔ شب کے تین بجے اٹھا کر سرکار نے ایک مشہور لیک دکھائی۔(۸۸) برف اس قدر پڑ رہی تھی کہ ریل کی سڑک بالکل ڈھک گئی تھی، تمام پہاڑ اور زمین سفید نظر آتے تھے۔ میں تھوڑی دیر تک اِس دلکش نظارہ کو دیکھتی رہی، اس کے بعد سوگئی۔

پیرس میں:

۲۴رفروری۔ صبح کو سب سے پہلے اٹھی، ہاتھ منہ دھو کر تیار ہوگئی اور برف باری کا تماشہ دیکھنے لگی۔ پھر میں اور سرکار ڈائننگ کار میں ناشتہ کو گئے۔ جب واپس آئے تو دیکھا کہ ایک میم اور ایک صاحب جو فرنچ ہیں، درجے میں موجود ہیں۔ وہ دونوں سرکار سے فرنچ میں گفتگو کرتے رہے۔ لنچ بھی ہم نے ریل ہی میں کھایا۔ ساڑھے تین بجے پیرس پہنچے، آرام سے اُترے۔ گاڑی لے کر ہوٹل ''ڈی لوور'' میں آئے۔ یہ ہوٹل سرکار اور ابا جان قبلہ کا پہلے کا دیکھا ہوا ہے۔ بہت عمدہ ہے۔ لفٹ یہاں بہت بڑی ہے۔ خیر منہ ہاتھ دھویا، [ڈریس] ہو کر چائے

پی۔ پھر میں اور سرکار سامنے ہی ''مگزین ڈی لوور'' میں گئے، یہ ایک بڑی دکان ہے۔(۸۹) اس وقت ساڑھے ۵ بجے ہیں۔لوگوں کی آمدورفت جاری ہے۔ہم نے بچّوں کے لیے چند ٹوپیاں خریدیں اور اپنے لیے بھی کپڑوں کی سلائی کا آرڈر دیا۔اپنا ناپ دینے کے بعد ۷ بجے تک ہم دکان میں رہے، پھر ہوٹل میں واپس آ گئے۔کھانا کھایا اور اوپر اپنے کمرے میں آ کر سو رہے۔

۲۵رفروری کو ہم بعد ناشتہ ۹ بجے اسی شاپ میں آئے۔ یہ بہت بڑی شاپ ہے۔کپڑا اور لیس پسند کیا، کوٹ کا نمونہ پسند کر کے دیا۔ پھر وہاں سے گاڑی لے کر میں اور سرکار پیرس دیکھنے کو چلے۔ یہاں بھی طوفان خوب آیا تھا، بہت سے مکانات بہہ گئے تھے۔ہم نے گرے ہوئے مکانات کے نشان ریل میں سے ہی دیکھ لیے تھے۔(۹۰)

پیرس بہت عمدہ پُرفضا مقام ہے۔ ایک مینار بڑا اونچا ہے، لفٹ سے اس پر جاتے ہیں۔(۹۱) کیوں کہ آج بارش ہو رہی ہے، اس لیے میں نے اوپر جانا پسند نہیں کیا۔ بہت دیر تک میں اور سرکار ٹہلا کیے۔ پھر یہاں سے میوزیم دیکھنے آئے، مگر میوزیم کو بند پایا۔ سنا کہ ۲ بجے کھلے گا۔عمارت کو باہر سے خوب دیکھا۔میوزیم دیکھتے دیکھتے تو میرا دل اب بھر گیا کیوں کہ سیکڑوں میوزیم دیکھ ڈالے۔ یہاں سے موٹر کار لے کر لنچ کے وقت ہوٹل آئے۔ لنچ کے بعد میں تو پھر باہر نہیں گئی۔شام کو کھانے کے بعد آرام کیا۔

۲۶رفروری کو میں پھر شاپ میں گئی۔کوٹ کچّا کر کے اُس نے رکھ چھوڑا تھا، پہن کر ناپ درست کیا۔ میں نے کہا، ''ابھی فٹ کر لو تا کہ کوئی خرابی نہ رہ جائے۔ہم کل ۱۱ بجے کی گاڑی سے روانہ ہو جائیں گے، تم لنڈن پارسل کر دینا۔'' آج میں شاپ میں آئی تھی۔اُس نے کہا کہ ''تمھارے صاحب سے ہم کب مل سکتے ہیں؟'' میں نے کہا کہ ''شام کو مل سکتے ہو یا کل وہ روانہ ہونے سے پہلے آئیں گے، تب بات کر لینا۔'' میں یہ کہہ کر واپس ہوٹل میں آئی۔سرکار میرے انتظار میں تھے۔ہم دونوں یہاں کے مشہور پکچر گیلری اور میوزیم دیکھنے گئے

کیوں کہ یہ پکچر گیلری قریب ہے، اس وجہ سے ٹہلتے ہوئے چلے گئے۔ (۹۲) آج فری ہے کچھ دیا لیا نہیں، اندر داخل ہوئے۔ دراصل نہایت نایاب تصویریں ہیں، چوکھٹے نہایت عمدہ اور شاندار ہیں۔ درودیوار اور تمام چھت تصویروں سے مزیّن ہے۔ کیسی کیسی تصاویر ہیں، یہ اس قدر بڑی عمارت ہے کہ کیا کہوں؟ دیکھتے دیکھتے دس بجے سے ۳ بج گئے، پھر یہاں چھوٹا سا میوزیم ہے اُسے بھی دیکھا۔ غرض ۳ بجے کے بعد ہوٹل آئے۔ آج کا لنچ بھی تماشے میں گیا۔ بس شام کا کھانا ہی کھایا اور آرام کیا۔

پیرس سے لندن کو روانگی:

۲۷ر فروری۔ میں اور سرکار بالکل روانہ ہونے کو تیار ہیں۔ صرف ۱۰ منٹ کے لیے ہم دونوں شاپ میں گئے اور اُس کو سمجھا دیا کہ ''کپڑے جلدی سی کر لنڈن بھیج دے۔'' اپنا پتہ اس کو دے دیا، یہ کہہ دیا کہ ''اپنی شاپ میں جو لنڈن میں ہے سیدھا وہیں بھیج دے، ہم وہیں سے لے لیں گے اور پہن کر درست بھی کروا لیں گے۔'' پھر ہوٹل آ کر کھانا کھایا۔ سب حساب وغیرہ بے باق کر دیا اور ۱۱ بجے کی گاڑی سے روانہ ہوئے۔ ۴ گھنٹے بعد ''کیلے'' کے اسٹیشن پر پہنچے۔ یہاں سے دو گھنٹے کا راستہ جہاز سے ہے، جو نہایت ہی خراب ہے۔ اب میں اور سرکار اور بہت سے انگریز جو سو کے قریب ہیں، اسی ریل سے اُتر کر جہاز میں سوار ہوئے۔ سوار ہوتے ہی سب لیڈیز لیٹ گئیں۔ ہر ایک کے پلنگ کے پاس پہلے سے ہی ایک ایک سیلا بچی قے کے لیے ''میڈ اسٹورڈس'' نے لا کر رکھ دی۔ میں گھبرائی کیوں کہ اب مجھ کو بھی جہاز میں متلی اور چکّر کی شکایت ہونے لگی ہے۔ میں جلدی سے جا کر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔ یہاں سب عورتیں ہی عورتیں ہیں، مرد دوسری طرف ہیں۔ میں تو سو گئی اور ایسی سوئی کہ جب جہاز ٹھہرا، تب ہی آنکھ کھلی، نہ چکّر آیا نہ قے ہوئی، آنکھ کھول کر جو دیکھتی ہوں تو بے چاری سب لیڈیز کے منہ لال ہو رہے ہیں اور سب سیلا بچیاں قے سے بھری ہوئی ہیں۔ جہاز کے ٹھہرتے ہی سرکار آئے اور مزاج پوچھا۔ میں نے کہا کہ ''الحمدللہ شکر ہے کہ آرام سے

رہی۔'' سرکار بھی بحکم خدا آرام سے رہے۔ یہاں سے لندن کا دو گھنٹے کا راستہ ہے۔ اس وقت ۶ بج گئے ہیں۔ ریل سے روانہ ہوئے۔ اس درجہ میں ہمارے ساتھ بہت سے انگریز اور انگریز عورتیں ہیں۔ ہم آرام سے بیٹھ گئے، سامان دوسرے درجے میں رکھوا دیا۔

لندن پہنچ گئے:

ساڑھے ۸ بجے لندن پہنچے۔ ریل سے اور سب سامان بھی اُتروایا۔ گاڑی لے کر ''ویسٹ منسٹر ہوٹل'' میں آئے۔ اسٹیشن پر کوئی نہیں آیا کیوں کہ ہم نے کسی کو خبر نہیں کی تھی۔ اب اسٹیشن سے تین خط ڈال دیے۔ ایک عثمان نواز جنگ سجّاد بیگ کو، دوسرا مرزا عبّاس بیگ، تیسرا خواجہ عبدالمجید کو تاکہ صبح ہی سب آجائیں۔ ہوٹل میں آن کر کمرہ لیا، کھانا کھایا اور آرام کیا۔

۲۸ر فروری کو صبح اٹھ کر حمام کیا۔ ڈریس کر کے ''برکفاسٹ'' کھایا۔ سرکار کہیں باہر سدھارے۔ میں سجّاد، عبّاس اور مجید کے انتظار میں بیٹھی رہی۔ خدا خدا کر کے بارہ بجے مجید تشریف لائے۔ ان کو دیکھ کر میرا دل بہت خوش ہوا۔ محمود کو پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ''خیریت سے ہے۔ (۹۳) آپ جب حکم دیں، بلوا دوں۔ آج تار دوں گا تو وہ کل آجاوے گا۔'' اِن ہی باتوں میں لنچ کا وقت آ گیا۔ میں اور مجید میز پر آئے۔ میں نے سجّاد کا حال پوچھا تو کہا کہ ''شاید وہ لنڈن ہی میں ہیں مگر عبّاس کیمبرج میں ہیں۔'' میں نے کہا کہ ''اُن کو بھی میں نے لکھ دیا ہے۔'' اتنے میں عبّاس کا تار ملا کہ ''میں کل ۱۱ بجے کی گاڑی سے آ رہا ہوں۔'' لنچ کھا ہی رہے تھے کہ سرکار بھی آ گئے اور لنچ میں شریک ہوئے۔ پھر تو خوب باتیں ہوا کیں۔ پھر ہم اوپر آ گئے۔ سرکار نے فرمایا کہ محمود اللہ کو ۷ر مارچ کو بلاؤ۔'' غرض یہ طے ہو گیا، پھر سرکار باہر سدھارے۔ میں اور مجید بیٹھے رہے، باتیں ہوا کیں، چائے پی۔ ڈنر کا وقت آ گیا۔ میں آج باتوں میں رہی، باہر کہیں نہیں گئی۔ ہم تینوں ڈنر پر بیٹھے تھے کہ کارڈ آیا۔ لکھا ہوا تھا ''ڈاکٹر عثمان نواز جنگ'' اس کارڈ کو دیکھ کر میں اُچھل پڑی کیوں کہ مجھ کو بھائی سجّاد سے ملے ۱۱ برس

ہو گئے تھے اور دل بیقرار تھا کہ جلدی سے ملوں۔ میز سے کھڑی ہوگئی۔ سرکار نے کہا کہ ’’ٹھہرو ٹھہرو آنے تو دو۔‘‘ سجّاد اندر آئے اور گلے سے لگ گئے اور کہا ’’ارے آپا، ارے آپا آپ کہاں؟‘‘ وہ بھی مجھ سے مل کر بہت ہی خوش ہوئے۔ خدا کا شکر ہے کہ ڈاکٹری میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ سجّاد ڈنر کھا کر آئے تھے، ہم سب کھانے سے فارغ ہو کر اوپر آئے۔ ۱۲ بجے تک بیٹھے رہے پھر سجّاد بیگ اور مجید تو سدھارے اور ہم سو رہے۔

یکم مارچ کی صبح کو ہم دونوں حسب دستور اُٹھے۔ حمام کیا، ڈریس کر کے ’’برکفاسٹ‘‘ پر نیچے آئے۔ میں تو ’’برکفاسٹ‘‘ کے بعد اوپر آ گئی، سرکار کسی کام کو باہر سدھارے کہ اتنے میں سجّاد و مجید آ گئے اور کہا کہ ’’چلیے آپ کو سیر کرا لائیں۔‘‘ میں نے کہا کہ ’’ٹھہرو لنچ کھا کر چلیں گے۔‘‘ پھر ہم تینوں باتیں کرتے رہے۔ لنچ کے بعد ہم تینوں چلے۔ اوّل تو کچھ دور میں نے پیدل چلنا پسند کیا پھر ’’ٹکسی‘‘ لی اور ’’ہائیڈ پارک‘‘ میں آئے اور خوب سیر کی۔ تفریح کے لیے یہ جگہ لاجواب ہے۔ پھر ہم ’’بکھنگم پیلس‘‘ (بادشاہ کے محل) کے گرد چکّر لگاتے ہوئے اور شہر دیکھتے ہوئے ہوٹل واپس آ گئے۔ یہاں آ کر عبّاس سے ملے کیوں کہ وہ آئے ہوئے انتظار میں بیٹھے تھے۔ پھر ہم سب نے چائے پی اور شب کا کھانا کھایا۔ سرکار بھی واپس آ گئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اوپر آئے، رات کے گیارہ بجے تک باتیں ہوتی رہیں۔ عبّاس صرف ایک رات کے لیے آئے ہیں، ہمارے برابر ہی کے کمرے میں ہیں۔ سجّاد اور مجید تو رخصت ہوئے اور ہم سب نے آرام کیا۔

لندن کی سیر:

۲/مارچ۔ حسب دستور اٹھے، ناشتہ کیا۔ عبّاس اور میں تو باتیں کرنے لگے۔ سرکار کا لنچ آج کہیں باہر ہے، وہ باہر گئے۔ مجید اور سجّاد آ گئے۔ سجّاد نے کہا کہ ’’آپا چلیے میں آپ کو ہوا کھلاؤں گا۔ کمرے میں بند ہو کر تو ہرگز نہ بیٹھنے دوں گا۔ چلو یہاں کا ’’میوزیم‘‘ اور ’’ویسٹ منسٹر آبے‘‘ دکھا لاؤں اور خدا معلوم کیا کیا، ’’زولاجیکل گارڈن‘‘ غرض سب دکھا لاؤں۔‘‘ لنچ

کے بعد ہم چاروں روانہ ہوئے۔ اوّل تو ''ویسٹ منسٹر آبے'' دکھایا پھر ''گرین پارک''، ''زولاجیکل گارڈن'' کی سیر کرائی، اس کے بعد ''انڈر گراؤنڈ ریل'' یعنی زمین کے اندر سے جو ریل جاتی ہے، اس میں بٹھا کر لے گئے۔ زمین کے اندر لفٹ سے جاتے ہیں۔ خوب روشنی ہے، کہیں تو باہر سے بھی روشنی آتی ہے لیکن عام طور پر بجلی کے ذریعہ سے ہوا اور روشنی کا انتظام ہے۔ ''زولاجیکل گارڈن'' میں تمام جانور ہر قسم کے جمع ہیں۔ ''رولف'' (کذا) ہم سب کو دیکھ کر خود بخود ناچتے اور آپس میں کھیلتے اور پانی میں خوب غوطے لگاتے ہیں۔ غرض خوب سیر کی اور پھر ''انڈر گراؤنڈ ریل'' سے ہی واپس ہو کر ہوٹل میں آئے۔ ڈنر کے بعد سجّاد نے کہا کہ ''چلیے میں آپ کو تھیٹر دکھا لاؤں۔'' زبردستی اپنے بھائی صاحب سے کہہ سُن کر اجازت لی اور مجھ کو لے چلے۔ مجید اپنے گھر اور عبّاس کیمبرج کے لیے ریل سے روانہ ہو گئے۔ سرکار نے آرام فرمایا، سجّاد مجھ کو لے کر تھیٹر آئے۔ نام تو مجھ کو یاد نہیں رہا مگر اتنا اچھا تماشہ دیکھا کہ دل خوش ہو گیا۔ ۱۱ بجے تک تماشہ ختم ہو گیا۔ یہاں تماشہ ۸ بجے سے شروع ہوتا ہے اور ۱۱ بجے ختم ہو جاتا ہے۔ بس ہم دونوں ''ٹکسی'' لے کر گھر آئے۔ گھر پہنچا کر سجّاد بیگ تو روانہ ہو گئے، میں سو رہی۔

۳؍مارچ۔ صبح کو اٹھی، غسل کیا۔ برکفاسٹ سے فارغ ہوئی تھی کہ سجّاد آ گئے اور مجید بھی آئے۔ لنچ کے بعد سجّاد نے کہا کہ ''چلیے آپ کو یہاں کی دکانیں دکھا لاؤں اور ہوا کھلا لاؤں۔ سرکار کا لنچ آج پھر باہر ہی تھا۔ سرکار نے کہا کہ ''ٹکٹ میں نے منگا لیا ہے آج ان کو ''ہاؤس آف کامن''، ''ہاؤس آف لارڈ''، ''ہاؤس آف انڈیا'' دکھا لاؤ۔'' یہ کہہ کر سرکار تو سدھارے، ہم لوگ سیر کو نکلے۔ ایک بڑی شاپ میں سجّاد لے گئے۔ خوب پھرے اور دیکھا، پھر ایک اور شاپ میں گئے۔ یہاں بھائی ابّا جان قبلہ کے لیے ایک ہینڈ بیگ خریدا، اس پر اُن کا نام لکھوایا۔ پھر اِدھر اُدھر چکّر لگا کر ہوٹل آ گئے۔ ۱۱ بجے شب کے یہ دونوں تو رخصت ہوئے، ہم سو رہے۔

۴؍مارچ۔ حسب دستور صبح کو اُٹھے، ناشتہ کیا۔ سجّاد و مجید آ گئے۔ سرکار نے فرمایا کہ ''آج تمھارے لیے تین جگہ سے چائے کی دعوت آئی ہے، ڈنر کے لیے میں نے منع کر دیا ہے۔''لیڈی سر چارلس لائل، لیڈی کرومر اور کوئی دوسرے لائیل ہیں، اُن کی لیڈی نے بلایا ہے۔'' مجید نے کہا کہ ''آج بھابی جان کے ملنے کو ساڑھے ۸ بجے شب کو مس بک آویں گی۔'' سرکار تو سدھارے، اُن کو کہیں ملنے جانا ہے۔ میں ذرا دیر کے لیے سجّاد کے ہمراہ باہر گئی اور چہل قدمی کر کے واپس آ گئی۔ ڈنر کے بعد مس بک آ ئیں۔ گیارہ بجے تک باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مجید و سجّاد تو سدھارے، مس بک بھی چلی گئیں، ہم سو رہے۔

سر چارلس کے ہاں دعوت:

۵؍مارچ۔ حسب دستور اٹھے، ناشتہ کیا۔ سرکار نے فرمایا کہ ''۱۱ بجے تم کو لیڈی سر چارلس لائل نے بلایا ہے، تیار ہو جاؤ۔'' اس عرصہ میں سجّاد اور مجید بھی آ گئے۔ غرض جب میں تیار ہو گئی تو مجید اور سجّاد نے پوچھا کہ ''آپ کب تک واپس آ ئیں گی؟'' میں نے کہا کہ ''ڈیڑھ یا دو گھنٹہ میں آ جاؤں گی۔'' تو کہا کہ ''اچھا آپ جائیے، ہم چکّر لگا کر آپ کے آنے سے پہلے ہی آ جائیں گے۔ بھائی صاحب نے ایک بکس کے لیے کہا ہے، وہ بھی تلاش کر لیں گے۔'' میں اور سرکار ٹیکسی میں بیٹھ کر سر چارلس لائل کے یہاں آئے۔ لیڈی چارلس نے ہماری بہت خاطر کی۔ چائے پلائی، کیک خوب کھلایا، بڑی دیر تک گفتگو ہوا کی۔ اُن کی دونوں لڑکیاں بھی آ ئیں۔ ان ہی سے مس لاری مر کا جو ہمارے زنانہ اسکول کی سکنڈ ماسٹر تھیں، پتہ ملا تو میں نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ مس سر چارلس نے کہا کہ ''میں اُن کو لکھ دوں گی، وہ آپ سے آن کر مل لیں گی۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد میں رخصت ہو کر ہوٹل آئی۔ یہاں مجید اور سجّاد میرے منتظر تھے۔ آج ڈنر کے بعد سجّاد مجھ کو پھر تھیٹر لے گئے۔ ۱۱ بجے رات کے مجھ کو ہوٹل پہنچا کر سجّاد تو سدھارے۔ سرکار آرام میں تھے، میں بھی سو رہی۔

۶؍مارچ۔ صبح کو حسب دستور اٹھی، ناشتہ کیا کہ ویٹر نے آ کر کہا کہ ''ٹیلی فون آیا ہے،

آپ کو بلاتے ہیں۔'' میں نہ سمجھی کہ کس نے مجھ کو ٹیلی فون کیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ ''شاید سرکار کو کسی نے یاد کیا ہو؟'' اس نے کہا کہ ''نہیں میڈم کو بلاتے ہیں۔'' میں گئی تو عبّاس کیمبرج سے بات کر رہے تھے۔ اُن سے خوب باتیں ہوئیں، انھوں نے کہا کہ ''آپا میں ۸/مارچ کو دو روز کے لیے آؤں گا۔'' میں نے کہا کہ ضرور آنا، پرسوں ۷/مارچ ہے۔'' پھر میں اوپر آئی، مجید اور سجّاد بھی آ گئے۔ سرکار کی یہاں روز دعوت ہوتی ہے، وہ تو سدھارے، میں مجید سجّاد کو لے کر شاپ لوور میں گئی کہ میرے کپڑے سِل کر آ گئے ہوں گے۔ یہاں آ کر معلوم ہوا کہ ''آ گئے۔'' میں نے پہن کر دیکھے تو کوٹ ٹھیک آیا۔ میں کپڑے لے کر واپس آئی۔ آج مجھ کو لیڈی کرومر کے ہاں ملنے جانا ہے۔ ۴ بجے میں نئے کپڑے پہن کر تیار ہوگئی۔ مجید اور سجّاد نے کہا کہ ''ہم آپ کا انتظار کریں گے۔'' میں اور سرکار لیڈی کرومر کے ہاں آئے۔ لیڈی صاحبہ خوب ملیں، چائے وغیرہ خوب پلائی۔ لارڈ کرومر بھی آئے، بڈھے آدمی ہیں، ہاتھ ملایا، باتیں ہوا کیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ گپ شپ رہی، پھر رخصت ہو کر ہوٹل آئے۔ سجّاد مجید سرکار نے اور میں نے ڈنر کھایا۔ سجّاد آج پھر تھیٹر لے گئے۔ آج کا تماشہ بہت پسند آیا۔ جادو کا کھیل تھا۔ تماشہ کرنے والا انگریز جب میم کو کپڑے میں لپیٹ کر دکھانے کو قریب لایا تو میں نے ہاتھ سے دبا کر دیکھا تو نرم نرم کوئی ٹھنڈی چیز معلوم ہوئی۔ میرے ہاتھ لگاتے ہی وہ چیخا، میں ہنسنے لگی۔ ذرا دیر میں وہ ایک اور جگہ سے زندہ نکل آئی اور کپڑے میں سے غائب ہوگئی۔ ۱۱ بجے ہم دونوں ہوٹل آ گئے۔ سجّاد بیگ گھر سدھارے، میں سو رہی۔

۷/مارچ۔ صبح کو حسب معمول اٹھی، ناشتہ کیا۔ مجید اور سجّاد بھی آ گئے۔ سرکار باہر سدھارے تھے کہ تار ملا، ''محمود اللہ آج آ رہے ہیں۔'' میں بہت خوش ہوئی۔ آج ہم سے ملنے کو ایک لیڈی صاحبہ جن کا نام میں بھولتی ہوں، آ گئیں۔ کارڈ ملا، میں اور سجّاد جلدی سے نیچے آئے۔ مجید، محمود اللہ کے لینے کو اسٹیشن چلے گئے۔ یہ لیڈی بہت اچھی طرح سے ملیں۔ میں نے چائے اور برف ان کو کھلائی۔ بڑی دیر تک گفتگو رہی۔ محمود اللہ کے انتظار میں بے چاری

کھڑی رہیں۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو رخصت ہوئیں۔ ان کے جانے کے کچھ دیر بعد محمود اللہ بھی آ گئے۔ سجاد اِن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، گلے سے لگا لیا۔ محمود بالکل اُردو بھول گیا، انگریزی خوب بولتا ہے۔ مجھ کو بڑی فکر ہوئی۔ کہتی ہوں کہ ''بیٹا اُردو بولو۔'' مجھ کو بھی انگریزی بولنی پڑی۔ محمود کے رخسار بالکل سُرخ ہو رہے ہیں ایسے کہ جیسے سچ مچ گلاب کا پھول ہو۔ صحت خدا کے فضل سے بہت اچھی ہے، اس کو دیکھ کر دل خوش ہوگیا۔ سجّاد تو بہت ہی خوش ہیں، اپنی گود میں بٹھا لیا ہے۔ کبھی آپس میں کشتی ہوتی ہے، کبھی باتیں ہوتی ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر محمود کا دل بھی ہندوستان آنے کو چاہتا ہے مگر ابھی اس کی ٹرم ختم نہیں ہوئی ہے، اس وجہ سے میں نے کہا کہ ''ڈیڑھ ماہ بعد مجید کے ہمراہ بلا لوں گی۔'' اس عرصہ میں ڈنر کا وقت ہوگیا۔ سرکار بھی آ گئے۔ سب نے مل کر ڈنر کھایا۔ سجّاد آج پھر مجھ کو اور محمود کو تھیٹر لے گئے۔ میں نے کہا کہ ''بھائی بس تھیٹر بہت دیکھ لیے۔ آج تو خیر محمود کی وجہ سے جاتی ہوں۔''

حسبِ معمول وہی شب کے ۱۱ بجے ہوٹل آ گئے۔ سجّاد سدھارے، ہم سب نے آرام کیا۔

۸/مارچ۔ حسبِ معمول اٹھے، ناشتہ کیا۔ سرکار باہر سدھارے، مجید اور سجّاد آ گئے اور ۱۱ بجے عبّاس بھی آ گئے۔ اب ہم سب مل کر چلے کہ ''تصویر کھنچوا لیں۔'' مجید پڑھنے کو چلے جاتے ہیں تو ۴ بجے آتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ''اچھا چلو یا تو ابھی کھنچوا لیں یا جب مجید آ جائیں تب کھنچوا لیں گے۔'' آخر یہی قرار پایا اور مجید سدھارے۔ ہم چاروں واک کو نکلے، خوب پھر پھرا کر ''انڈر گراؤنڈ ریل ٹیوب'' کئی بار دیکھی، جہاں انجنیری کا میوزیم بہت بڑا ہے۔ اس عرصہ میں تصویر کا وقت آ گیا، ۳ بجے ہم سب فوٹوگرافر کی دکان پر پہنچے۔ مجید بھی وہاں آ گئے تھے۔ ہم سب نے تصویر کھنچوائی۔ وہاں سے عبّاس مجید تو ٹہلتے ہوئے ہوٹل آ گئے، مگر سجّاد، محمود اور میں ٹیکسی میں سوار ہو کر سیدھے ''ہاؤس آف کامن'' آئے۔ یہاں اندر لیڈیز گیلری میں بھی گئی، باہر مردانے میں محمود اللہ اور سجّاد بیگ گئے۔ زنانہ میں اوپر لفٹ کے ذریعہ

جانا پڑتا ہے۔ جب میں اوپر گئی تو وہاں اور بھی بہت سی لیڈیز جمع تھیں۔ مس ہولڈن جن کے بھائی ''مسٹر بالڈون'' اسپیچ دے رہے تھے، میرے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ یہ لیڈی بہت ہی خلیق ہیں۔ ہماری بہت خاطر کی، دوربین دی کہ ''تم اس سے دیکھو'' اور مجھے سمجھایا کہ ''یہ لوگ اس ''ہاؤس آف کامن'' سے سب جگہ حکومت کرتے ہیں۔'' چائے پلائی اور اپنا پتہ دیا۔ ۷ بجے تک میں یہاں رہی، پھر رخصت ہو کر نیچے آئی۔ سجّاد اور محمود بھی اسی وقت باہر آئے اور ہم سب ہوٹل پہنچے۔ مجید اور عبّاس موجود تھے۔ سجّاد نے کہا کہ ''آپا خوب ہیں، ان کی ہر جگہ دوستی ہو جاتی ہے۔'' ڈنر کھایا۔ آج پھر مس بک ملنے کو آئیں۔ یہ دو بہنیں ہیں۔ ۱۱ بجے رات کے جلسہ برخاست ہوا۔

۹ رمارچ۔ حسب معمول اٹھی۔ عبّاس اور محمود ایک کمرے میں تھے، وہ بھی اٹھے۔ سب تیار ہو کر ''برکفاسٹ'' پر آئے۔ اس عرصہ میں سجّاد بھی آ گئے کہ چلیے آپا عینک لے دوں۔'' سرکار پھر کہیں کو سدھارے۔

پرنس آف ویلز کے ہاں سے بُلاوا:

سرکار کے جانے کے بعد مجھ کو ایک خط ملا کہ ''پرنس اور پرنسز آف ویلز نے چائے پر بلایا ہے اور جواب جلدی مانگا ہے۔'' سرکار تو ہیں نہیں، بھئی کیا کروں؟ خیر نوکر کو واپس کر دیا کہ ''جواب ٹیلی فون پر دیں گے۔ تم جاؤ، سرکار کے آتے ہی جواب دیں گے۔'' ہم لوگ ڈاکٹر کے پاس گئے۔ سجّاد نے میرا نام یہاں مس بیگ رکھا کہ فیس کم دینی پڑے ورنہ مسز کے نام سے وہ بہت لیتا۔ سجّاد کی بہن سمجھ کر کم لے گا۔ ان کے بیوی بچوں کی تو فیس نہیں لیتا کیوں کہ ڈاکٹر لوگ آپس میں فیس نہیں لیتے۔ ڈاکٹر نے خوب دیکھ کر کہا کہ ''عینک ضرور لگانا چاہیے'' اور نمبر لکھ کر دیا۔ پھر وہاں سے ہم عینک کی شاپ میں آئے، وہاں عینک بنانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ ''دو پاؤنڈ دو شلنگ میں عینک بنے گی۔'' اس کو حکم دے کر واپس آئے اور سب نے مِل کر چائے پی۔ اس عرصہ میں نواب سربلند جنگ صاحب بہادر بھی تشریف لے آئے۔ اُن

کو پرنس کا خط دیا۔ انھوں نے فوراً جواب دیا کہ ''کل ہم ضرور آئیں گے۔'' اب ہم سب نے ڈنر کھایا۔ وہی ۱۱ بجے مجید اور سجّاد رخصت ہوئے اور ہم سب آرام سے سو رہے۔

۱۰/مارچ کی صبح کو ہم سب اُٹھے، تیار ہو کر ناشتہ کیا۔ آج عبّاس کے کیمبرج جانے کا روز ہے۔ جب سے محمود آئے ہیں اور عبّاس آتے ہیں، ہم نے ہوٹل میں پورا سٹ [سویٹ] لے لیا ہے۔ دو بیڈ روم، باتھ روم، ڈرائنگ روم سب لے لیا ہے۔ سجاد بھی آ گئے، مجید تین بجے پڑھ کر آئیں گے۔ لنچ سے پہلے سرکار سجّاد سے یہ کہہ کر سدھارے کہ ''میاں میرا لنچ تو باہر ہے، مسٹر ہِگ بیگم کو لینے آئیں گے، ٹھیک تین بجے یہ تیار رہیں۔ تم ان کے ساتھ محمود کو اور بیگم کو روانہ کر دینا اور اُن سے کہہ دینا کہ میں تین بجے اُدھر سے اِدھر ہی آ جاؤں گا۔''

لنچ کے بعد ہم سب بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ۲ بجے سجّاد نے کہا کہ ''اب آپ تیار ہو جایئے۔'' میں نے ہاتھ منہ دھویا اور کپڑے پہن کر تیار ہوگئی۔ محمود بھی ڈرس کر کے تیار ہو گئے۔ ویٹر نے کارڈ لا کر دیا کہ ''مسٹر ہِگ آ گئے۔'' ہم تینوں نیچے اترے۔ عبّاس یہ کہہ کر ٹھہر گئے کہ ''میں تو رات کو ۹ بجے جاؤں گا۔'' میں اور محمود مسٹر ہِگ کے ہمراہ ٹکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ سجّاد اور مسٹر ہِگ میں خوب باتیں ہوئیں۔ یہ اچھے آدمی ہیں، ان کی میم صاحبہ سے ہم دو دفعہ حیدرآباد ریزیڈنسی میں مل چکے ہیں۔ اُردو خوب بولتے ہیں۔ یہ آرزو ہے کہ ''میں ریزیڈنٹ ہو کر حیدرآباد جاؤں۔'' سجّاد کو بہت پسند کیا۔ مجھ سے کہا کہ ''تمھارا بھائی اچھا آدمی ہے۔'' میں نے کہا کہ ''بہت اچھا ہے۔'' اسی طرح باتیں کرتے ہوئے پاس تک آئے۔ اب ہم تینوں اُترے۔ یہاں خوب باقاعدہ پہرا ہے۔ سب نے ہم کو دیکھ کر ٹوپی اتاری۔ ہم اندر داخل ہوئے۔ ایک بڑے میدان کو طے کر کے کمرے میں داخل ہوئے۔ سرکار سامنے ہی کھڑے تھے۔ مسٹر ہِگ سے باتیں کرنے لگے۔ ایک اور صاحب بھی تھے۔ سب نوکر برابر صف لگائے کھڑے تھے۔ یہاں بھی سب نے ٹوپی اُتاری۔ پھر ہم ہال کے اندر جا کر چمنی کے پاس بیٹھ گئے۔ میرے پہنچنے کے ۵ منٹ بعد پرنس اور پرنسز تشریف لائے۔ میں کھڑی ہوگئی۔

اوّل پرنس نے مجھ سے ہاتھ ملایا پھر سرکار سے۔ پھر پرنسز نے اوّل سرکار سے ہاتھ ملایا پھر مجھ سے۔ پھر پرنسز بیٹھ گئیں اور مجھ کو بھی اپنے پاس ہی بٹھا لیا۔ پرنس آف ویلز کھڑے سرکار سے باتیں کرتے رہے۔ پرنسز نے محمود اللہ سے باتیں کیں اور کہا کہ ''یہ لڑکا خوب انگریزی بولتا ہے۔'' میں نے کہا کہ ''یہ یہاں ہی اسکول میں پڑھتا ہے۔'' پھر کہا کہ ''مجھ کو تمھاری وہ نظم جو تم نے میرے متعلق لکھی تھی، یاد ہے۔ اس کو تم ترجمہ کر کے دے سکتی ہو؟'' میں نے کہا کہ ''ضرور ضرور یہاں سے ہندوستان جاتے ہی ترجمہ کرا کر بھیج دوں گی۔'' پھر پرنسز نے اپنے بچّوں کا ذکر کیا کہ ''سب اسکول میں ہیں۔ ۶ بچّے ہیں، ۵ لڑکے اور ایک لڑکی۔ حیدرآباد مجھ کو پسند آیا تھا۔ اگر تم نظام سے ملو تو میرا سلام کہنا اور اگر کسی وجہ سے ان سے سلام نہ کہہ سکو تو ان کی بیگم تک میرا سلام پہنچا دینا۔'' میں نے کہا کہ بہت بہتر ہے، میں آپ کا سلام پہنچا دوں گی۔ پھر پرنس میری طرف متوجہ ہوئے اور پرنسز سرکار سے گفتگو کرنے لگیں۔ پرنس نے کہا کہ ''ضرور تم مجھ کو نظم کا ترجمہ کرا کر بھیجنا۔'' میں نے عرض کیا کہ ''ضرور''، پھر فرمایا کہ ''لندن تم کو پسند آیا؟'' میں نے عرض کیا کہ ''بہت پسند آیا۔'' فرمایا ''ہندوستان بہت اچھا ہے۔'' میں نے کہا، ''وہ بھی آپ کا ہی ہے'' ایک گھنٹے تک گفتگو کرتے رہے، پھر وہ رخصت ہو کر دوسرے کمرے میں گئے۔ ہم لوگ باہر نکلے پھر سب نے ٹوپیاں اُتاریں۔ جب گیٹ کے قریب پہنچے تو جھٹ ایک سپاہی نے بڑھ کر ٹکسی منگوائی۔ مسٹر ہگ ہمارے ہمراہ یہاں تک آئے۔ یہاں ٹکسی منگوانے کا یہ قاعدہ ہے کہ سیٹی بجائی اور ٹکسی آ گئی۔ ہم تینوں مسٹر ہگ سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔ ہوٹل پہنچے تو ڈنر کا وقت تھا، عبّاس کو جلدی سے ڈنر کھلایا، ہم سب نے بھی کھا لیا، پھر اوپر آئے۔ عبّاس کو مجید کے ہمراہ رخصت کیا۔ مجید، عبّاس کو ریل میں بٹھا کر پھر آ گئے۔ ۱۱ بجے تک باتیں ہوا کیں۔ پھر سرکار نے کہا کہ ''جاؤ تم دونوں سو رہو، اس طرح روزانہ دیر تک جاگنے سے صحت خراب ہو جائے گی۔'' سجّاد اور مجید رخصت ہوئے، ہم سب بھی سو رہے۔

۱۱؍ مارچ۔ حسب دستور اٹھے، تیار ہو کر ناشتہ کیا۔ آج بھی سرکار کا لنچ باہر ہے، وہ تو

سدھارے۔ سجّاد اور مجید آ گئے اور سب مل کر ہواخوری کو گئے۔ سجّاد بیگ نے ایک بہت عمدہ بکس ہم کو خرید کر دیا اور ایک چمڑے کا بکس ہمارے سامان کے لیے بنوا کر لائے۔ ہمارا سب سامان سجّاد بیگ اور عبدالمجید نے باندھ کر تیار کر دیا۔ عینک بھی بن کر آ گئی۔ سجّاد نے احتیاطاً دو بنوا دیں کہ شاید کوئی ٹوٹ جائے۔ ان ہی باتوں میں دن گزر گیا۔ سرکار بھی آ گئے، حسب معمول ڈنر کے بعد سجّاد و مجید رخصت ہوئے۔

۱۲/مارچ۔ سرکار تو آج صبح ۴ بجے ہی اپنے دوست سرفٹزل سے ملنے پلے ماؤتھ روانہ ہوگئے اور کہہ گئے، ''میں شب کے ۳ بجے واپس آؤں گا۔ ۹ بجے لنڈن سے روانگی ہے، تیار رہنا۔'' سجّاد اور مجید آج سویرے سے ہی آ گئے۔ میں مس ہولڈن کے پاس جا کر اپنا کارڈ چھوڑ آئی اور وہاں سے مسز امیر علی سے جا کر مل آئی، کیوں کہ آج پانی برس رہا ہے۔ محمود اللہ کا اسباب بھی پیک کر دیا۔ آج ایک بجے شب تک سجّاد اور مجید جاگتے رہے اور نہایت ہی دلچسپ گفتگو ہوتی رہی۔ سجّاد بیگ کو میں نے بہت تاکید کی کہ ''جس قدر جلدی ہو سکے، واپس ہندوستان آؤ، سیر کا خیال اب چھوڑ دو۔'' مگر اُن کو قسطنطنیہ دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ دولہا بھائی نے اُن کو کئی تعارفی خط بھی دے دیے ہیں، پاسپورٹ وغیرہ انھوں نے لے لیا ہے۔ تاہم میں نے اُن کو بہت کچھ سمجھا دیا ہے اور امید ہے کہ وہ سمجھ گئے ہوں گے کیوں کہ ماشاء اللہ وہ بہت عقلمند، لائق اور خلیق ہیں۔ مجید بھی انشاء اللہ امتحان پاس کر کے محمود اللہ کو لے کر ڈیڑھ ماہ بعد بحکم خدا ضرور واپس آ جائیں گے۔ عبّاس نے ماشاء اللہ بہت جلدی اور بہت زیادہ ترقی کی ہے، اُن کو دیکھ کر بہت دل خوش ہوا۔ شب کے ایک بجے یہ دونوں روانہ ہوئے کہ ''ہم صبح ہی آئیں گے۔'' سرکار بھی ۴ بجے آ گئے۔

ہندوستان کو واپسی:

۱۲/مارچ کی صبح کو ہم بالکل تیار ہوگئے۔ محمود اللہ بھی اٹھے۔ ناشتہ بھی کر لیا مگر نہ مجید آئے نہ سجّاد آئے۔ خیر روانہ ہو کر ہم اسٹیشن پر آ گئے، یہاں بھی کوئی نہ ملا۔ محمود اللہ کا سامان

ہوٹل میں چھوڑا تھا کیوں کہ اُن کو پلے ماؤتھ جانا ہے۔ میرا خیال تھا کہ ''اسٹیشن پر ضرور سجّاد اور مجید ملیں گے تو محمود کو اُن کے ہمراہ بھیج دوں گی۔'' مگر جب کوئی نہ آیا اور ریل کا وقت قریب آ گیا تب محمود اللہ کے لیے کارڈ پر ہوٹل کا پتہ لکھ کر اسٹیشن پر چھوڑ دیا اور ان دونوں کے نہ ملنے کا بہت ہی خیال رہا۔ راستہ میں سے ایک تار بھی دے دیا کہ ''محمود اللہ کو دیکھ لینا'' اور ایک تار ہوٹل [میں] دیا کہ ''بچّہ کو ہشیاری سے رکھنا۔'' اسی خیال میں ایک رات اور ایک دن گزرا۔

لندن سے روانگی:

۱۳/مارچ ہوگئی۔ مجھ کو کل سے برابر محمود اللہ اور سجّاد و مجید کا خیال ہے کہ ''کیا وجہ ہوئی کہ وہ دونوں نہ آ سکے۔'' خیر غربیہ [جہاز] پورٹ میں سوار ہو کر ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے مگر میں فکرمند رہی۔ غرضکہ اسی خیال میں یہ شب گزری۔

۱۴/مارچ۔ سمندر نہایت پُرشور ہے۔ متلی کی شکایت ہو رہی ہے۔ مجھ کو اور میری ہم سفر میموں کو کئی مرتبہ قے ہوئی۔ خدا خدا کر کے شام تک مزاج درست ہوا۔ جہاز کے ڈاکٹر نے دوا پلائی۔ سمندر کی شوریدگی کم ہوگئی۔ یہ شب بھی بفضلِ خدا گزر گئی۔

۱۵/مارچ۔ آج کا دن بھی نہایت اچھی طرح گزرا۔ ایک پارسی لیڈی سے ملاقات ہوئی۔ اس دفعہ جو انگریز ہم سفر ہیں وہ سب کے سب برسوں سے ہندوستان میں رہتے ہیں۔ ان کے اخلاق مجھ کو ہرگز پسند نہ آئے۔ جیسے کہ اکثر یورپین مرد و عورت کو خلیق دیکھا تھا۔ یہ ویسے کہاں، سچ ہے: خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد ۔ ہر قوم میں اچھے بُرے ضرور ہوتے ہیں۔

۱۶/مارچ۔ آج ہم ۱۲ بجے پورٹ سعید پہنچے۔ یہاں بہت سے بے چارے عرب چیزیں بیچنے کو لاتے ہیں۔ ہم نے آج تو ان سے خوب عربی میں باتیں کیں۔ تمام لیڈیز کو حیرت ہوئی۔ میں نے کہا کہ ''ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا قرآن پاک عربی میں ہے، ہم خوب عربی جانتے ہیں۔''

آج ۱۲ بجے دن سے لے کر رات کے ۴ بجے تک جہاز ٹھہرے گا، ۴ بجے صبح کے روانہ ہوگا۔ ڈاک ولایت سے، برنڈیزی سے آتی ہے، اُس کے لیے ٹھہرتا ہے۔ ۹ بجے شب تک خرید وفروخت ہوتی رہی۔ ہم تو بعد ڈنر کے آ کر سو رہے۔

۱۷/مارچ۔ آج مجھ کو خیال ہے کہ رات ولایت کی ڈاک آ گئی ہوگی، ضرور مجید کا خط ملے گا۔ اس عرصہ میں مجید کا خط مل گیا، جس سے خیریت ان کی اور محمود اللہ کی معلوم کر کے بہت ہی دل خوش ہوا۔ مجید نے لکھا تھا کہ ''وہ اور سجّاد بیگ ایک ہی جگہ سوتے رہے، اس لیے آنے میں دیر ہوگئی۔ ۹ بج گئے اور ہم روانہ ہوگئے۔ تب یہ دونوں ہوٹل پہنچے۔ محمود اللہ ماشاء اللہ خود ہی ان کے آنے سے پیشتر ہوٹل چلا گیا تھا۔ پھر اُس کو مجید نے اسکول روانہ کر دیا، اُس کے وہاں اترنے کا بندوبست کر دیا۔ وہاں تار دے دیا کہ ''محمود اللہ آ رہا ہے۔'' کیوں کہ محمود اللہ کو پلے ماؤتھ جانا ہے۔ یہ مقام دو چار اسٹیشن آگے ہے۔ خیریت معلوم ہونے سے بہت خوشی ہوئی۔ اب ذرا دل کو قرار آیا۔

وطن کو واپسی: (۹۴)

یہی آنسو کے قطرے گوہر مقصود بن جاتے
جو آجاتا تمھارا عکس میرے دیدۂ تر میں

صبح اٹھی۔ نماز ادا کی۔ غسل کیا اس کے بعد تیار ہو کر برکفاسٹ کھایا۔ سامان سب تیار تھا، ہوٹل والے نے سامان باہر نکلوایا، اسٹیشن روانہ کر دیا۔ میں منتظر ہوں خواجہ عبدالمجید اور برادرم ڈاکٹر عثمان نواز جنگ بہادر آ جاویں تو ہم دونوں اسٹیشن روانہ ہو جائیں تا کہ نور چشم محمد محمود اللہ خاں کو جو میرے پاس ہیں اور ان کی عمر صرف ۸ سال کی ہے، ان کو خواجہ عبدالمجید کے سپرد کر دوں مگر انتظار بسیار کے بعد جب ان دونوں میں سے وقت پر کوئی نہیں آیا تو ہم دونوں محمود اللہ کو ہمراہ لے کر ۹ بجے تک اسٹیشن پر آ گئے اور یہاں بھی دونوں کا انتظار کیا۔ جب وہ نہ آئے، ریل کے چلنے کا وقت ہوگیا تو مجبوراً نور چشم محمد محمود اللہ کے ہاتھ میں ہوٹل کا نام پتہ لکھ کر

دے دیا کہ تم وکٹوریہ پر بیٹھ کر ہوٹل پہنچ جاؤ، وہاں ماموں اور بھائی مل جائیں گے۔ یہ کام کر تو دیا مگر میرا دل دھڑکتا رہا اور بے قرار رہا کہ بچّہ کو اس طرح اسٹیشن پر چھوڑ دیا بلکہ مجھ کو رونا آ گیا مگر مجبور تھی۔ ریل لندن سے روانہ ہوگئی کوئی ۱۰ بجے کے قریب۔ یہ راستہ میرا پریشان گزرا۔ ریل میں چند امریکن لیڈیز ملیں، ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ ایک بجے کے قریب ہم ''دور'' [ڈووَر] پر اُترے۔ یہاں لنچ کھایا اور پھر جہاز پر وہی چینل کراس کر کے ۳ بجے کے قریب پیرس پہنچے۔ جہاز سے سامان ریل پر بھیج دیا اور میں اِدھر اُدھر ٹہلتی رہی۔ اس کے بعد ۸ بجے شب کے رسٹوران میں ڈنر کھایا۔ سرکار نے فرمایا میں پاونڈ بھُنا لاتا ہوں تم ریل پر جاؤ، اپنے درجہ میں بیٹھ جاؤ۔ روانگی کا وقت قریب ہے۔ میں تنہا ریل کے قریب اسٹیشن پر آئی تو ریل بہت ہی لانبی تھی۔ میں نے شروع سے آخر تک دیکھا تو میرا درجہ مجھ کو ملا ہی نہیں۔ اب میں پریشان کہ الٰہی ریل کی روانگی کا وقت قریب ہے اور میرا درجہ میرا سامان کہاں ہے۔ ایسا نہ ہو سرکار کو خیال ہو کہ بیگم تو بیٹھ گئی ہوں گی اور وہ ٹھیک وقت پہنچ کر کسی اور درجہ میں جلدی میں سوار ہو جائیں اور میں یہاں ہی رہ جاؤں اور کیوں کہ میری دور کی نظر کمزور ہے اس لیے مجھے سرکار آتے ہوئے نظر ہی نہیں آویں گے۔ چاندنی رات ہے اور سب انگریزوں کے جسم پر سیاہ سوٹ ہیں، سرکار کے جسم پر بھی سیاہ سوٹ ہے، میں کیسے پہچانوں گی، یہ خیال کر کے میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس پر یہ اور مصیبت کہ پیرس کی زبان فرنچ ہے جو مجھ کو نہیں آتی۔ کسی سے بات بھی کرنا چاہوں تو وہ انگریزی بولنا نہیں جانتا۔ اسی پریشانی میں کھڑی تھی کہ دور سے سرکار کو دیکھا کہ پکارتے آ رہے ہیں، جلدی دوڑو ریل چلی۔ بس میں آواز پر دوڑی۔ شکر ہے کہ درجہ مل گیا اور ہم دونوں بیٹھ گئے۔ سرکار نے کہا کہ یہ تم کو کیا ہوا کہ تم اسٹیشن پر کھڑی ہو۔ میں نے کہا مجھ کو درجہ نہیں ملا تھا۔ جب میں نے شروع میں درجہ دیکھا تھا تو دو ایک درجے لگے ہوئے تھے، سامان رکھا ہوا تھا، واپسی میں ریل اتنی لمبی ہوگئی کہ مجھ کو میرا درجہ نہیں ملا۔ میں پریشان رہی، ڈر رہی تھی کہ آپ کسی اور درجہ میں جلدی میں بیٹھ نہ جاویں اور

خیال کرلیں کہ میں تو بیٹھ گئی ہوں گی۔ بس کھڑی رو رہی تھی، پھر خیال آیا اگر میں بیٹھ گئی اور آپ وقت پر نہ آ سکے تو میں اکیلی ہی چلی جاؤں گی، اسی لیے اسٹیشن پر کھڑی رہی۔ خیر اب ہم دونوں صبح ٦ بجے برنڈزی پہنچے۔ وہاں سے ہم کو جہاز ملا، وہی پی۔ اینڈ۔ او کمپنی کا جہاز ہے جو ہندوستان کے لیے روانہ ہو رہا ہے۔ میں وطن تو واپس جارہی ہوں مگر میرا خیال محمود اللہ کی طرف لگا ہوا ہے۔ یہاں ایک ڈاکٹر کی بی بی سے دوستی ہوگئی جو کہ منصوری پہاڑ پر رہتی ہے۔ اب ہم چوتھے روز سوئز پہنچے۔ وہاں انتظار تھا کہ مجھ کو شاید کوئی ڈاک جولندن سے چلی ہو وہ مل جائے تو محمود اللہ کی خبر معلوم ہو جائے مگر نہیں ملی۔ دوسرے روز پورٹ سعید پہنچے۔ **الحمدللہ** کہ ڈاک ملی۔ خواجہ نے اور بھائی نے مجھ کو لکھا ہے کہ ہم لوگ افسوس کہ دیر سے پہنچے، ریل سامنے سے جاتی نظر آئی آپ سے نہ مل سکے، مگر محمود اللہ کو ہم نے ہمراہ لے لیا اور اُسی روز اُن کو پلے ماؤتھ اسکول میں پہنچا دیا، آپ فکر نہ کریں۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ پورٹ سعید پر عرب لوگ بہت سامان فروخت کے لیے لائے۔ میں نے بھی کچھ موزے اور دو کامدانی کی شال خریدی، پھر ہمارا جہاز روانہ ہوگیا اور چوتھے روز عدن پہنچا اور وہاں سے روانہ ہوکر چوتھے روز بمبئ آ گیا۔ جہاز کو چھوڑا۔ یہاں پروفیسر معین الدین اسٹیشن پر ملے اور ہم کو اپنی کوٹھی پر لے گئے۔ دن بھر کھانا کھلایا۔ یہاں لیڈی حیدری اور ایک رشتہ بی بی سے ہے، جا کر میں مل آئی اور کچھ سامان بمبئ سے میں نے خرید کیا۔ شام کو ہم دونوں اسٹیشن پر آئے اور حیدرآباد دکن کے لیے روانہ ہوگئے۔ دوسرے روز شام کو ۴ بجے حیدرآباد پہنچے۔

حیدرآباد میں:

بیگم پیٹ کے اسٹیشن پر سرکار نے مجھ سے کہا کہ تم یہاں اُتر جاؤ۔ میں نے تار دے دیا تھا تمھارے لیے سواری موجود ہوگی۔ حیدرآباد دکن کے اسٹیشن پر عہدے داروں اور دوستوں کا ہجوم ہوگا، تم کو پریشانی ہوگی۔ میں بیگم پیٹ کے اسٹیشن پر پہنچتے ہی اُتر گئی۔ یہاں لیڈی ڈاکٹر لیڈی حیدری اور میری والدہ میرے لینے کے لیے اسٹیشن پر تشریف فرما تھیں اور میری منجھلی

بھاوج بیگم ڈاکٹر عثمان نواز جنگ اور شیلا واکر بھی موجود تھیں۔ میں ترکی برقعہ اور سیاہ نقاب پہنے ہوئے تھی۔ یہاں پہنچنے کے بعد سب سے ملنے کے لیے نقاب الٹا تو حرمین شریفین کی زیارت کی برکت سے اور یورپ کی آب و ہوا سے میرا رنگ بدلا ہوا تھا، چہرہ سُرخ وسفید تھا۔فوراً شیلا واکر نے کہا، کیا آپ نے گلابی رنگ گالوں پر لگا رکھا ہے۔ میں نے کہا،نہیں غور سے دیکھ لو، یہ اللہ کا عطا کیا ہوا وہ نور ہے جو دربارِ رسول سے مجھ کو عطا ہوا ہے۔ میں معہ والدہ و بھاوج کے گھر آرام سے پہنچی۔ یہاں والدہ صاحبہ نے اور سب بھائی بہنوں نے ہم دونوں پر سے صدقے اتارے۔ یہ سب خدا کی مہربانی اور سردارِ مدینہ کا طفیل ہے جو عزیزوں نے اس طرح سے میری خاطریں کیں اور عزیزوں نے مہربانیاں کیں۔ گھر پہنچ کر بچّوں سے مل کر دل کو آرام وقرار آ گیا۔خصوصاً والدہ صاحب کی قدم بوسی سے سکون قلب حاصل ہوا۔قربان سرکار مدینہ کی جن کے طفیل میں، میں نے مشرق سے لے کر مغرب تک کی سیاحت کر لی اور قربان آقائے دوجہاں کے جن کے آستانہ کی حاضری کی بدولت مجھے سیاحت کا شرف حاصل ہوا۔

بیگم صاحبہ کے اِس سفر نامہ کی تمام آمدنی

لڑکیوں کی اصلاح

کی اُس مفید تحریک پر صرف کی جائے گی جس کا
دستور العمل بیگم صاحبہ نے تیار کیا ہے

موجودہ زمانہ کی لڑکیاں مغربی طوفان میں بہی چلی جا رہی ہیں اور مشرقی خصوصیات کو برباد کر رہی ہیں جس کا اصل سبب غلط طریقۂ تعلیم ہے، اس غلط طریقۂ تعلیم نے نہ صرف لڑکیوں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے بلکہ ہندوستان کے مستقبل کو بھی تاریک کر دیا ہے۔ بیگم صاحبہ نواب سربلند جنگ نے ملک اور ملک کی بیٹیوں کی اس تباہی کو محسوس کرتے ہوئے لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک نہایت مفید اسکیم تیار کی ہے، اس اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ لڑکیوں کے لیے دہلی اور بیرون دہلی میں ایسی تربیت گاہیں کھولی جائیں جن میں نہ صرف لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دی جا سکے بلکہ ان کو ایسے ہنر بھی سکھائے جائیں جو ان کو فکر معاش سے آزاد کریں اور تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو اس درس گاہ میں اخلاق اور انسانیت [کے] سانچے میں بھی ڈھالا جا سکے۔ یہ اہم اسکیم اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک کہ ملک کے ذمہ دار حضرات، بیگم صاحبہ کے معاون نہ ثابت ہوں۔ بیگم صاحبہ نے اس تربیت گاہ کی مالی امداد کی غرض سے اس سفر نامہ کی تمام آمدنی کو

اس مفید ادارہ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ جو حضرات لڑکیوں کی تعلیم و ترقی کے حامی ہیں، ان کو چاہیے کہ سفر نامہ کی اشاعت میں حصّہ لے کر بیگم صاحبہ کی ہمت افزائی کریں اور جن حضرات کو لڑکیوں کی تربیت کے اہم مسئلہ سے دلچسپی ہے، وہ ''بیگم صاحبہ نواب سر بلند جنگ، دریا گنج دہلی'' کے پتہ پر ایک کارڈ لکھ کر لڑکیوں کی تربیت اور اصلاح کی اسکیم منگا سکتے ہیں۔

پبلشر

نوٹ: یہ اشتہار کتاب کے آخر میں ہے۔ اس اشتہار سے واضح ہو جاتا ہے کہ بیگم سر بلند جنگ نے یہ کتاب منافع کی غرض سے نہیں شائع کروائی تھی۔

حواشی

۱۔عراق کا نام غلطی سے لکھ دیا گیا ہے۔بیگم سربلند نے عراق کا سفر نہیں کیا تھا، البتہ قسطنطنیہ و یونان گئی تھیں۔کتاب کے دیباچہ میں بھی یہ غلطی دہرائی گئی ہے۔

۲۔محمد حمیداللہ خان سربلند جنگ کا انتقال سن ۱۹۳۰ء میں ہوا تھا۔ یہ دیباچہ ان کے گذر جانے کے چار یا پانچ سال بعد لکھا گیا تھا۔

۳۔بیگم سربلند غالباً دوسری بار ۱۹۳۴ء میں گئی تھیں، اور پھر اس سفرنامے کے شائع ہونے کے بعد تیسری بار ۱۹۳۷ء میں گئی تھیں۔

۴۔سکندر زمانی بیگم کی پیدائش ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی۔ عین غدر کے وقت جب ان کے والدین بحالتِ مجبوری اپنا وطن چھوڑ کر دربدر پھر رہے تھے۔ان کی والدہ ریاست لوہارو کے نوابی خاندان سے تھیں۔ان کے والد ریاست الور کے وزیر تھے۔ان کی شادی دلّی میں سن ۱۸۷۴ء میں نواب آغا مرزا سے ہوئی تھی۔ان کے کم سے کم دس بچے ہوئے۔شادی کے بعد سکندر زمانی حیدرآباد میں منتقل ہوگئیں اور بظاہر اپنے انتقال تک وہیں رہیں۔ وہ ۱۹۱۹ء تک زندہ تھیں۔

۵۔بیگم سربلند کے والد آغا مرزا بیگ ریاست حیدرآباد کا سربرآوردہ اور عہدساز شخصیت میں شمار تھا۔ان کی پیدائش ۱۸۴۸ء میں ہوئی تھی اور ان کا بچپن شاہجہاں آباد کے محلّہ فراش خانہ میں گذرا۔ ان کی رہائش مرزا غالبؔ کے گھر سے بہت قریب تھی اور اصل میں ان کی رشتہ داری بھی تھی۔(کارنامۂ سروری،ص۲۱)۔ان کی والدہ کا نام منور زمانی بیگم تھا جو اپنے زمانے میں غیرمعمولی طور پر تعلیم یافتہ تھیں۔ان کے والد مرزا جواد بیگ عرف مغل بیگ تھے جو فارسی، عربی اور ریاضی کے جیّد عالم تھے۔ غدر کے زمانے میں ان کے خاندان نے دہلی چھوڑ کر

سیتاپور میں پناہ لی جہاں مرزا بیگ کے چچا مرزا عباس بیگ کا قیام تھا جو ماسٹر رام چندر کے شاگرد بھی رہے تھے۔ آغا مرزا بیگ نے کیننگ کالج میں انگریزی پڑھی اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد حیدرآباد چلے گئے، جہاں وہ سالار جنگ کے فرزندوں اور نظام میر محبوب علی خان کے ''استاد خاص'' مقرر ہوگئے۔ وہ نظام کے مشیرِ خاص بھی رہے۔ نظام سے ان کا رشتہ اتنا قریب تھا کہ نظام کے بعد انھیں کا حکم چلتا تھا۔ ۱۸۷۹ء میں کچھ سیاسی مسائل کی وجہ سے انھوں نے حیدرآباد چھوڑ دیا اور اپنی باقی زندگی لکھنؤ، دلّی اور شملہ میں گزاری۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ''کارنامۂ سروری''۔

۶۔ نظام ریاست حیدرآباد، میر محبوب علی خان۔

۷۔ حیدرآباد کی علمی اور ادبی محفلوں میں ''لیڈی حیدری'' کے نام سے مشہور تھیں۔ ان کا اصل نام امینہ حیدری تھا۔ ان کے شوہر اکبر حیدری، حیدرآباد کے مدار المہام تھے۔ امینہ حیدری نے نسوانی تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے اہم خدمات انجام دیں۔ لیڈی حیدری کے سوانحی کوائف اور ان کی علمی اور سماجی سرگرمیوں کے لیے دیکھیے: فیض محمد صدیقی، ''لیڈی حیدری''۔

۸۔ عزیز مرزا والے واقعے کے متعلق دیکھیے: محمد اکبر علی بیگ، محمد عزیز مرزا۔

۹۔ اصل نام خواجہ عبد المجید (۱۸۸۵-۱۹۶۲ء)، ادبی دنیا میں عبدالمجید خواجہ کے نام سے معروف۔ یہ خواجہ محمد یوسف کے بیٹے تھے جو مولوی سمیع اللہ خاں کے جگری دوست اور رشتہ دار تھے۔ کیمبرج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد علی گڑھ اور پٹنہ میں وکالت کی۔ ۱۹۱۹ء میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی کے بانیوں میں سے تھے اور وہ اسی یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ اور امیر جامعہ بھی رہے۔ بعد میں عبدالمجید الہ آباد منتقل ہوگئے اور یہاں بھی کورٹ میں وکالت کی۔ اپنی آخری عمر میں وہ علی گڑھ منتقل ہوگئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

۱۰۔ خورشید بیگم ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئیں۔ بیگم سربلند کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ ان کی شادی

عبدالمجید خواجہ سے ہوئی تھی۔ تمام عمر اپنی والدہ کے ساتھ رہیں اور خود نسوانی حقوق اور تعلیم کے لیے سرگرم رہیں۔ ان کا انتقال ۱۹۸۱ء میں ہوا تھا۔

۱۱۔ محبوبیہ گرلز اسکول سب سے پہلے اسکولوں میں سے تھا جو خاص شریف لڑکیوں کے لیے قائم ہوا۔

۱۲۔ مہاراجا کشن پرشاد تخلص شاد (۱۸۶۴۔۱۹۴۰ء) حیدرآباد کے وزیر اعظم یا مدارالمہام تھے۔ دوران زندگی میں انھوں نے ۱۳ سفرناموں کے علاوہ متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں۔ ان کی ۷ بیویاں تھی، ہندو ومسلم، جن میں غوثیہ بیگم ان کی لاڈلی بیوی تھیں۔ ان کی چند بیویوں کا ذکر آگے آئے گا۔ دیکھیے: مہدی حسن خان، مہاراجا کشن پرشاد کی زندگی کے حالات۔

۱۳۔ اپنے والد کے نام، آغا مرزا بیگ۔

۱۴۔ مولوی عبدالباری فرنگی محلی (۱۸۷۸۔۱۹۲۶ء) مشہور ومعروف صوفی تھے۔ ان کے عقیدت مندوں اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع تھا جن کو وہ اکثر ڈاک کے ذریعے ہدایات دیتے تھے۔

۱۵۔ ڈیم اُنا اوڈائر نے ہندوستان میں بہت سے خیراتی تنظیمیں قائم کیں۔ ان کے شوہر کا نام مایکل اوڈائر تھا جس نے جلیاں والا باغ میں قتل عام کرایا تھا۔

۱۶۔ اپنے سفرنامہ ''سفرنامہ مدینہ منورہ'' میں نواب سربلند اس دن کی مصروفیات یوں بیان کرتے ہیں: ''بمبئی کے مختلف اجنٹوں کے دفتروں میں کوئی ایسا واقف کار نہ تھا جو مدینہ منورہ کی جدید ریلوے کے ٹھیک حالات اور اوقات بتا سکتا یا یہ اطلاع دے سکتا ہے کہ حجاز ریلوے ان ایّام میں چل رہی تھی یا کسی وجہ سے راستہ خراب ہو گئے تھے۔ میں نے زیادہ دیر لگانی مناسب نہ سمجھی اور اللہ کا نام لے کر چند گھنٹے ہی میں انتظام کر کے پی۔اینڈ۔او کے جہاز سالسیٹ نامی میں سوار ہو گیا۔ بطریقِ پیش بندی، بندر سعید تک کا ٹکٹ لیا۔'' یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ انھوں نے ''میں'' کا اسم ضمیر استعمال کیا ہے حالاں کہ وہ تین لوگ تھے:

نواب صاحب، بیگم صاحبہ اور امینہ بی۔حمید اللہ خان، سفر نامہ مدینہ منورہ، ص ا۔

۱۷۔سن ۱۹۰۹ء میں موسیٰ ندی میں طغیانی آئی تھی۔ اس آفت عظیم میں پانی ساٹھ فٹ کی اونچائی تک پہنچ گیا تھا۔تقریباً پچاس ہزار افراد جاں بحق ہوئے۔ دو پل بہہ گئے اور بے شمار عمارتیں تباہ ہوگئیں۔

۱۸۔اصل مصرع اس طرح ہے:

ساقیا مے دہ کہ ما دُردی کش میخانہ ایم (سعدی شیرازی)

(ترجمہ: اے ساقی ہمیں شراب دے کہ ہم تلچھٹ پینے والے ہیں۔)(مرتب)

۱۹۔تم مسلم ہو۔ یہ سب کافر ہیں۔تم اچھی ہو۔**الحمدللہ، ماشاء اللہ** مسلمان۔

۲۰۔''کوک'' سے مراد مشہور ٹراول ایجنٹ تھامس کوک ہے۔اس کمپنی کی شروعات انگلستان میں ہوئی تھی۔ برطانیہ میں مقبولیت پا کر کوک کمپنی پوری دنیا میں پھیل گئی۔ یہ کمپنی عموماً انگریزی اور یورپین مسافروں کے لیے خدمات انجام دیتی تھی مگر ہندوستانی امراء کو بھی اس کے بدولت غیر ممالک میں گھومنے کا موقع ملا۔کسی زمانہ میں تھامس کوک کمپنی ہندوستانی حجاج کے لیے خدمات دیتی تھی۔ یہ کمپنی ۱۸۴۱ء سے لے کے ۲۰۰۱ء تک جاری رہی۔

۲۱۔تم عربی جانتی ہو۔

نہیں، صرف تھوڑی عربی آتی ہے۔ مجھے ہندی آتی ہے

ٹھیک ہے۔تم میرے پاس بیٹھو۔

یہ کیا ہے؟

یہ اچھا دِکھتا ہے۔

تم، کنیز، یہاں آ جاؤ۔

۲۲۔ جہاز بیت المقدس نہیں، جافہ جاتا ہے۔

۲۳۔ یہ جہاز جرمن نہیں بلکہ آسٹرین تھا۔نواب سربلند کے مطابق اس کا نام امپیراٹریس تھا۔

“APilgrimage to Medina I.” The Leader (Allahabad), October 2, 1913.

۲۴۔نواب سر بلند کے سفرنامے کے مطابق یہ جگہ جافہ ہی ہے۔انھوں نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ نہیں بلکہ ’’پورا دن‘‘ سامان اتارتے، چڑھاتے رہے۔

۲۵۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

یہ بہت اچھا ہے۔

یہاں سے کہاں جاتے ہیں؟ [اس کا مطلب صاف نہیں ہے]

یہاں سے جانے کے بعد میں مکّہ اور مدینے کی سیر کو جاؤں گی۔

پیو۔

میں پیتی نہیں ہوں۔

تم پیو۔ یہ ہندوستانی سگریٹ ہیں۔

۲۶۔عیسائی مذہب کے مطابق حضرت عیسیٰ کی پیدائش بیت اللحم میں ہوئی تھی اور اسلام کے علماء بھی اکثر اس بات سے متفق ہیں۔ البتہ نظرت میں آنحضرتؐ نے اپنے ایامِ طفولت گذارے۔

۲۷۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت مریم کا گھر تھا جس میں حضرت جبریل نے آکر وحی پہنچائی کہ وہ حضرت عیسیٰ کی ماں بننے والی ہیں۔

۲۸۔ جو کچھ انھوں نے دیکھا بتفصیل نواب سر بلند کے سفرنامے میں درج ہے۔حمیداللہ خان، سفرنامہ مدینہ منورہ، ص ۵۔

۲۹۔ایک عثمانی سکّہ۔

۳۰۔اس کی ضرورت نہیں ہے۔

۳۱۔بحیرۂ طبریہ

۳۲۔ یہ حجاز ریلوے کی ایک شاخ تھی جو حیفا سے درعا جنکشن تک جاتی تھی۔

۳۳۔ میں مسلم ہوں۔

۳۴۔حجاز ریلوے ۱۹۰۸ء میں کھلا تھا۔اس وقت یہ ریل دمشق سے مدینہ جاتی تھی۔

۳۵۔جس کاتب نے اس سفرنامے کو تیار کیا تھا اس نے یہاں اور کئی اور جگہوں میں بھی اصل متن میں اضافہ کیا ہے اور اپنی دعائیں اور رائے دی ہے۔ واضح رہے کہ یہ بیگم سربلند کا کوئی رشتہ دار نہ تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اضافے بیگم کی اجازت کے بغیر لکھے گئے ہوں کیوں کہ کہیں کہیں اس نے بیگم سربلند کی باتوں کو رد کر دیا ہے اور صاف صاف لکھا ہے کہ بیگم صاحبہ کا یہ بیان غلط ہے۔

۳۶۔ نظام حیدرآباد سے مراد ہے۔ یہ مکان جس میں وہ ٹھہرے تھے، حیدرآباد کے سابق مدارالمہام آسمان جاہ ۱۸۳۹–۱۸۹۸ء کے خاندان کی جائیداد تھی۔نواب سربلند نے اس کا نام ''شمسیہ باغ'' لکھا ہے۔سفرنامہ مدینہ منورہ، ص ۳۱۔

۳۷۔سلطان عثمانیہ

۳۸۔ یہ اضافہ کاتب کی طرف سے ہے۔مزید معلومات کے لیے دیکھیے ص ۴۱۔

۳۹۔ اتفاق سے اسی سن میں ایک اور حیدرآبادی خاتون امتہ الغنی بھی اسی ہوٹل میں ٹھہری تھیں۔ امتہ الغنی نورالنساء ریلوے کے ذریعے مدینہ سے دمشق گئی تھیں اور پھر بیروت کے لیے روانہ ہوئی تھیں۔ موازنہ کے لیے دیکھیے: امتہ الغنی نورالنساء، سفرنامۂ حجاز وشام ومصر، ص ۲۶۔۳۸۔

۴۰۔ ہوٹل میں حمام نہیں ہے، حمام شہر میں واقع ہے۔

۴۱۔مرحبا، خوش آمدید، آیئے۔

۴۲۔صبر کرو۔

نہیں، جلدی کرو۔

میں ہندوستانی ہوں۔ ہندوستان میں حمام گھر میں ہوتا ہے، شہر میں حمام نہیں ہوتا، لیکن یہاں

میں نے دیکھا ہے کہ حمام سب شہر میں ہیں، گھر میں نہیں ہیں۔ مجھے اس پر تعجب ہے۔

میری بہن، یہاں صرف خواتین ہیں۔

ہاں لیکن میں پھر بھی رومال پہننا چاہتی ہوں۔

مت جاؤ مت جاؤ، بیٹھو، بیٹھو تھوڑی دیر۔

میں اور دیر نہیں رہوں گی۔ مجھے جلدی ہے۔ میرے شوہر باہر انتظار کر رہے ہیں۔

اے ہندوستانی، آپ ٹھیک ہیں؟

بالکل ٹھیک ہوں۔

۴۳۔نہیں، ظہر کے بعد کھلے گا۔

بسم اللہ، آیئے، ہم چلتے ہیں۔

خوش آمدید، آیئے۔

آیئے بہن ہمیں حمام جانا چاہیے۔

جی۔

۴۴۔ بشلک: ایک عثمانی سکّہ کا نام۔

۴۵۔ یہ جہاز بھی آسٹرین تھا۔

۴۶۔ مجھے عربی آتی ہے، انگلش نہیں آتی، فرنچ نہیں آتی۔

۴۷۔ یہ بات قابل غور ہے کہ بیگم سربلند جنگ حیدرآبادی تھیں، سمندر اور جہاز کی اصطلاحات سے زیادہ واقف نہ تھیں، لہٰذا وہ بندر کو اسٹیشن کہتی ہیں اور ڈک کو پلاٹفارم، وغیرہ۔

۴۸۔ خدیو مصر، یعنی عباس حلمی پاشا جو عثمانوی مصر کے آخری گورنر تھے۔ انگریزوں نے ان کو راج سے ہٹا کر مصر کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔

۴۹۔نواب سربلند جنگ لکھتے ہیں کہ اس جہاز کا نام ''رحمانیہ'' تھا۔حمیداللہ خان، سفرنامہ مدینہ منورہ، ص ۲۱۔

۵۰۔یعنی خیر ہے رہنے دو۔

۵۱۔ میں مسلم ہوں، آپ مسلم ہیں۔ چلتا ہے۔

۵۲۔نہیں، میں خانم ہوں، بیگم نہیں ہوں۔ [بظاہر یہاں بیگم کے خطاب جھٹلانے سے وہ دراصل یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ بھوپال کی بیگمات کی طرح نہیں ہیں یعنی سلطان جیسی دولت ان کے پاس نہیں ہے۔]

۵۳۔ یہاں سکندر بیگم بھوپال کی بات ہو رہی ہے۔

۵۴۔ وہ نظام حیدرآباد افضل الدولہ کے ایک رباط میں ٹھہرے جو ۱۸۶۰ء میں خریدا گیا تھا۔ یہ رباط شامی بازار کے محلے میں واقع تھا۔حمید اللہ خان، پلگرمج ٹو دی مڈل ایسٹ،ص ۵۵۔

۵۵۔حطیم کو حجر اسمٰعیل بھی کہتے ہیں۔

۵۶۔اصل میں مسافت تقریباً ۵۲۴ میٹر کی ہے۔

۵۷۔ایک حیرت انگیز بات ہے کہ بیگم سربلند کا بچہ حلیم اللہ جو اکتوبر ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوا تھا اور صرف چند ماہ کی عمر کا تھا، اپنی انا کے ساتھ حج کے لیے گیا تھا، اور حج کے بعد اپنی انا کے ساتھ واپس حیدرآباد آ گیا۔ اس سلسلے میں حلیم اللہ کے فرزند نجیب جنگ کا مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔

۵۸۔ یہ شعر نواب علی اصغر کا ہے۔ (شعری ضرب الامثال، (اردو کے ضرب المثل اشعار کے انتخاب کی پہلی قسط)، مرتبہ شمس بدایونی، بدایوں،۱۹۸۲ء ص ۱۵)

۵۹۔اے بہن، کیا آپ کو [حجر اسود کا] بوسہ چاہیے؟

’’جی حضور‘‘، اس کا مطلب صاف نہیں ہے۔’’روح من هنا ‘‘ اس کا مطلب شاید’’اب جاؤ یہاں سے۔‘‘

۶۰۔گاڑی، گاڑی۔

میرے شوہر قہوہ خانہ میں ہیں۔ ان کو گاڑی چاہیے۔تم جاؤ یہاں سے، پھر دوبارہ آ جاؤ۔ وہ قہوہ

خانہ عمرہ والی مسجد کے پاس ہے۔

تم بھی چلو کچھ دیر میرے ساتھ۔تم خود ہی ڈھونڈ لینا۔

۶۱۔نواب سر بلند جنگ کے سفرنامے کے مطابق یہ جگہ جبل ابی قبیس ہے، جبل النور نہیں۔ دیگر مقامات کے نام بھی نواب صاحب کے سفرنامے میں درج ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں: حمیداللہ خان، پلگرمج ٹو دی مڈل ایسٹ، ص ۲۷۔

۶۲۔ یہاں کاتب نے اپنی رائے لکھ ڈالی جو بیگم سر بلند کی رائے سے مختلف ہے۔

۶۳۔ مادرم، کیا آپ یہ پانی چاہتی ہیں؟

جی ہاں، میں چاہتی ہوں۔

۶۴۔مصنفہ کی بیٹی۔

۶۵۔نواب صاحب کو کافی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا تھا جوانھوں نے اپنے سفرنامہ میں بیان کیا ہے۔دیکھیے: حمیداللہ خان، پلگرمج ٹو دی مڈل ایسٹ، ص ۶۷۔

۶۶۔اصل شعر یوں ہے:

ساقیا مے دہ کہ ما دُردی کش میخانہ ایم

با خرابات آشنا و از خِرد بیگانہ ایم

(سعدی شیرازی)

(ترجمہ: اے ساقی ہمیں شراب دے کہ ہم تلچھٹ پینے والے ہیں، ہم میخانہ سے آشنا ہیں اور ہم پر جنون طاری ہے۔) (مرتب)

۶۷۔ یہ شہراب از میر کے نام سے مشہور ہے۔

۶۸۔سمیع اللہ خان جب اپنے بیٹے حمیداللہ خان کو پہنچانے کے لیے لندن گئے تھے، ان کو سوئز سے سکندریہ جانا پڑا۔اس وقت حمیداللہ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔سمیع اللہ نے اس سفر کا مکمل حال لکھا تھا اور اس کو ''علی گڑھ گزٹ'' میں چھپوایا تھا۔انھوں نے مصر کے اسٹیشن اور ریلوں کی

خوب تعریف کی تھی۔ اس اسٹیشن کا ذکر ''علی گڑھ گزٹ'' میں ۴ ستمبر ۱۸۸۰ء کو چھپا تھا۔ یہ کتابی صورت میں دوبارہ چھپا۔ محمد سمیع اللہ، سفرنامہ، ص ۳۳-۳۴۔

۶۹۔ حمیداللہ

۷۰۔ یعنی اِسفنکس (Sphinx)۔

۷۱۔ نواب سربلند نے اس کا نام اسمٰعیلیہ لکھا ہے۔ حمیداللہ خان، سفرنامۂ قسطنطنیہ، ص ا۔

۷۲۔ اس زمانے میں کوئی ایسا پل نہیں تھا جو آبنائے باسفورس کے پار جاتا ہو، البتہ ایک پل ضرور تھا جو خلیج یا گولڈن ہارن کے پار جاتا تھا، مگر وہ پل یورپ کی طرف ہی ہے۔

۷۳۔ درحقیقت وہ سفارت خانہ انگلشیہ گئے تھے۔ انھوں نے لارڈ کرامر کا سفارشی خط دکھا کر سفیر سے ملاقات درخواست کی تھی۔ نواب صاحب کی اہم سرگرمیاں ان کے سفرنامہ میں درج ہیں جو اسی کتاب کے ضمیمہ میں شامل ہیں۔

۷۴۔ وہ صدرِ اعظم، ابراہیم حقی پاشا سے ملنے گئے تھے۔

۷۵۔ مسجدوں کی مکمل فہرست نواب صاحب کے سفرنامہ میں درج ہے۔ حمیداللہ خان، سفرنامۂ قسطنطنیہ، ص ۳۷-۴۸۔

۷۶۔ حضرت ایوب انصاری۔

۷۷۔ ملاحظہ فرمائیں: حمیداللہ خان، سفرنامۂ قسطنطنیہ، ص ۴۹-۵۱۔

۷۸۔ یہ صاحبہ دراصل مصری نصرانی تھیں۔ یہاں اور دیگر مقامات پر بھی بیگم سربلند ''نصرانی'' کی جگہ ''انگریزی'' لکھتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے اور لوگوں کے مذہب کو دیکھتی تھیں، نسلیت نہیں، اور یہ بھی کہ ان کے لیے عیسائیت ایک یورپین مذہب ہے، ایشیائی نہیں۔

۷۹۔ نواب صاحب کا کہنا ہے کہ یہ صاحب حمّاد پاشا، وزیر اوقاف تھے۔

۸۰۔ جس مقام پر وہ گئے تھے اب توپ کاپہ یا توپ خانہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اب یہ میوزیم بن گیا ہے۔ اس زمانہ میں محل تھا، مگر سلطان وہاں نہیں بلکہ دولمہ باغچہ محل میں مقیم تھے۔

۸۱۔ یہ محل یلدز ہے، یہ بیشکاش کی پہاڑی پر واقع ہے۔ پہلے یہ عبدالحمید ثانی کی رہائش گاہ ہوا کرتا تھا اور بعد میں پارک بنا دیا گیا۔

۸۲۔ یہ بزرگ سلسلہ شاذلیہ کے تھے۔

۸۳۔ وہ ایک مولوی خانقاہ پر گئے تھے۔

۸۴۔ بندرگاہ پٹریوس۔

۸۵۔ آکروپولیس۔

۸۶۔ رہبری کی کتاب۔

۸۷۔ ان لڑکوں کے نام رولس اور ریمس تھے۔

۸۸۔ لیک جنیوا۔

۸۹۔ یہ بات قابل غور ہے کہ یورپ میں بیگم سربلند فرانسیسی، اطالوی الفاظ، انگریزی تلفظ کے کے مطابق لکھتی ہیں۔ مثلاً مگزین ڈی لوور دراصل ماگازاں دولوور ہونا چاہیے۔ اس بات سے معلوم ہوتا ہے وہ ہر وقت یورپ کو انگریزی نظر سے دیکھتی تھیں اور یورپ میں جو اختلافات ہیں ان پر توجہ نہیں کی۔

۹۰۔ ۱۹۰۹ء میں حیدرآباد میں موسی ندی کی بہت بڑی طغیانی ہوئی تھی۔ یہاں اسی سیلاب سے موازنہ کیا جا رہا ہے۔

۹۱۔ ایفل ٹاور۔

۹۲۔ لوور میوزیم۔

۹۳۔ مصنفہ کا بیٹا۔

۹۴۔ یہاں بیگم سربلند اپنی واپسی کا سفر نئے سرے سے سناتی ہیں۔ شاید انھوں نے پریشانی اور خستگی کے باعث اپنا روزنامہ لکھنا چھوڑ دیا تھا اور پھر واپس آنے کے بعد سفرنامہ مکمل کیا۔

متن میں شامل انگریزوں کے نام

درج ذیل فہرست میں متن میں شامل انگریزوں کے نام انگریزی حروف میں لکھے جا رہے ہیں تا کہ ان کا صحیح تلفظ معلوم ہو سکے۔

۔کیسن واکر [Casson Walker]

۔ڈیزی [Dessy]

۔شیلا [Sheila]

۔مسز مکلنٹاک [Mrs. McClintock]

۔مسز ہوگاف [Mrs. Hogalf]

۔مسز اوائر [Mrs. O'Dwyer]

۔لیڈی گرفن [Lady (Henry Daly) Griffin]

۔سالسٹ [Salsette]

۔مسز کنگ [Mrs. King]

۔مسز شین [Mrs. Shane]

۔مسز کاچ [Mrs. Koch]

۔مسز جارج وب [Mrs. George Webb]

۔مسز لائل [Mrs. Lyall]

۔مس اسٹوڈس [Ms. Studes]

۔فٹس ماریس [Fitz Maurice]

فرہنگ

اسٹورڈ (Steward): اسٹیوارڈ، جہاز کا بیرا یا ویٹر۔

اسٹوک(Stoke) : کمرے کو گرم رکھنے کا آتش دان۔

اسکیل (Scale): (موسیقی) سرگم۔

ایرنگ (Earrings): کانوں کے بندے، گوشوارے۔

بروچ (Brooch): جڑاؤ پھول یا ہلال وغیرہ میں جڑا ہوا کانٹا جو عورتیں ساری میں یا سر کے جوڑے میں لگاتی ہیں۔

بروم (Brougham) : ایک گھوڑے والی بند دو پہیہ یا چو پہیہ گاڑی جس کے سامنے کوچوان کی اونچی نشست ہوتی ہے اور جس میں دو سے چار سواریاں بیٹھتی ہیں۔

بِشلِک: عہد عثمانیہ کے ایک سکّے کا نام۔

بگل(Bugle): باجا، (Horn)

بل (Bell): گھنٹی

بلٹ (Belt): کمر پیٹی، بیلٹ۔

بیفٹی (Beef tea): گائے کے گوشت کی یخنی۔

پِس پاٹ (Piss Pot): پیشاب دان، حاجتی، پیشاب کرنے کے لیے مستعمل برتن۔

پوسی (Pussy): بلّی (پیار میں)۔

توال: تولیہ۔

حِزبُ البحر: ایک دعا اور خاص وظیفہ اور ورد کا نام۔

ڈانک لگنا: متواتر قے ہونا، ڈاک لگنا۔

ڈِرافٹ (Draughts): شطرنج کے مُہروں سے اُس کی بساط پر کھیلا جانے والا کھیل جس میں صرف پیادے یعنی پیدل کام آتے ہیں۔

ڈراگومین (Dragoman): مشرق قریب کے مما لک میں ترجمان۔

ڈک (Deck): پانی کے جہاز کا کھلا حصّہ، عرشہ۔

رَف (Rough): طوفانی، تلاطم خیز، موّاج۔

سیلر (Sailor): سمندری سفر کرنے والا۔

سی باتھ (sea bath): سمندر کے پانی سے نہانا۔

شاپس (Sharps): (موسیقی) معمول سے بہت اونچی سُر، بم۔

شُغدُف: محمل، کجاوہ، ہودج۔

فلڈ (Flood): سیلاب۔

کیابن (Cabin): کیبن۔

گوُندا: ایک رنگ جو جسم کے کسی حصّے خصوصاً ہاتھ یا بازو کو گود کر اس میں بھرتے ہیں۔

گیالری: گیلری۔

لَینڈو (Landau): گھوڑا بند بگھّی، چار پہیوں کی گھوڑا گاڑی جس کی چھت گرائی جا سکے، بگھّی۔

مجیدی: تُرکی کے شاہ سلطان عبدالمجید کے عہد کا سکّہ جو تقریباً دو روپے دس آنے کے برابر ہوتا تھا۔

موزک (Mosaic): پچّی کاری کیا ہوا، موزائیک۔

ہِلَل: عربی سکّے کا نام۔

ضمیمہ ۱

نواب حمید اللہ خان سربلند کے سفرنامے

حمید اللہ خان کے سفرناموں پر ایک نظر

مارچ ۱۹۱۰ء کے اواخر میں اختر النساء بیگم سر بلند جنگ و نواب محمد حمید اللہ خان سر بلند جنگ حج و زیارت کا شرف حاصل کر کے اور سلطنتِ عثمانیہ و یورپ کی سیر و سیاحت سے سیر ہو کر واپس حیدر آباد آئے۔ ان کی آمد پر صحافیوں کا جمِ غفیر اسٹیشن کے باہر نواب صاحب کے استقبال کا منتظر تھا تا کہ ان کے تاثرات قلم بند کر کے ریاستی اخباروں میں چھپوائے جا سکیں۔ نواب سر بلند کی شخصیت واقعی بلند تھی اور ان کی رائے مستند مانی جاتی تھی۔ ہر خاص و عام تک اپنے سفر کے متفرق خیالات کی رسائی کی خاطر نواب صاحب نے چار سفرنامے لکھے اور کم از کم چار مضامین بھی لکھے۔ غالباً کل شمار اس سے زیادہ ہوگا لیکن باقی مضامین پرانے اخبارات کے سفید اوراق کا کفن پہن کر انھیں میں دفن ہو گئے۔ جو کتابیں اور مواد ابھی موجود ہے، وہ زیادہ تر انگریزی زبان میں ہے، لیکن خوش قسمتی سے ان کے دو قیمتی سفرنامے اردو میں بھی موجود ہیں۔ میں حمید اللہ کے انگریزی کے سفرنامے شائع کروا چکا ہوں۔ اس ضمیمے میں ان کی موجودہ اردو تحریریں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

یہ دونوں سفرنامے انگریزی سفرناموں سے بالکل مختلف ہیں۔ انگریزی کتابوں میں حمید اللہ انگریزوں سے مخاطب تھے۔ وہ بھیس بدل کر سیاح اور مصنف رِچرڈ برٹن کی طاعت کرتے ہیں، جو ایک افغانی طبیب کے لباس میں مکہ جاتے ہیں اور پھر اس ''دلیری'' کی داستان کا ذکر ایک سفرنامے میں کرتے ہیں۔ حمید اللہ برٹن کی پیروی میں اتنے مشغول ہو گئے کہ ان کا ایمان بھی سائنس پرستی کے سائے تلے دب گیا۔ لیکن اردو تحریروں میں حمید اللہ کی شخصیت

بالکل مختلف نظر آتی ہے، ان تحریروں میں ان کو اسلامی تاریخ کا گہرا شوق ہے، اولیاء اللہ اور تصوف سے بڑی رغبت ہے، اور وہ دنیا کی مسلمان قوموں سے صادق اخوت رکھتے ہیں۔ ان تحریروں میں بہت تضاد ہے، مگر ان کا بغور مطالعہ کر کے بھی ہم ان کے اس اصل روپ تک نہیں پہنچ سکتے، جس سے وہ تماشائے اہلِ کرم دیکھ رہے تھے اور اس ابہام کی کیفیت سے نکلنا مشکل ہے۔ حمیداللہ مغلیہ سلطنت کے وارث تھے، جنھوں نے کیمبرج سے تعلیم حاصل کی اور ایک دُہری زندگی گزاری۔ ان کے سفرنامے اس بات کی بخوبی عکاسی کرتے ہیں۔

اس ضمیمہ میں نواب سربلند جنگ کے دو سفرنامے، ''سفرنامۂ قسطنطنیہ'' اور ''سفرنامۂ مدینہ منورہ'' پیشِ خدمت ہیں۔ ان میں آپ کو بیگم سربلند کے سفرنامے کی طرح جوش و جذبہ تو نہیں ملے گا، لیکن ان میں ہم یہ ضرور دیکھ سکتے ہیں کہ صاحب موصوف کی دلچسپیاں کیا تھیں اور ان کی کیا مصروفیات رہیں۔ مزے کی بات یہ بھی ہے کہ یہ دونوں سفرنامے ''دنیا عورت کی نظر میں'' کی طرح تاریخ وار ہیں، نتیجتاً ہم میاں اور بیوی کے تاثرات کا مقابلہ بہ آسانی کر سکتے ہیں اور اکثر ان میں زمین و آسمان کا فرق پاتے ہیں۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا مزاج اور مذاق الگ الگ تھا، مگر اس بات کو بھی مدّ نظر رکھنا چاہیے کہ نواب صاحب دنیا کے لیے لکھ رہے تھے، جبکہ بیگم صاحبہ خود اپنے اور اپنے اقارب کے لیے۔

وثوق سے تو نہیں کہہ سکتے لیکن ایسا لگتا ہے کہ حمید اللہ کی ان دو کتابوں میں سے ''سفرنامۂ قسطنطنیہ'' پہلے منظرِ عام پر آیا، تقریباً ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء میں، جب وہ حیدرآباد میں مقیم تھے۔ سفرنامہ وہیں سے شائع ہوا۔ یہ قیاس بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے سفر کی یہ داستان اس لیے پہلے آ گئی کیوں کہ حیدرآباد کے لوگ جاننا چاہتے تھے کہ سلطنت عثمانیہ کے سفر اور عثمانیہ سلطان و خلیفۂ اسلام سے ملاقات نے ان پر کیا اثر ڈالا؟ اس وقت دنیا میں فتنہ پھیل رہا تھا اور قسطنطنیہ اور ان کی املاک یورپ کے اور خصوصاً برطانیہ کے نشانے پر تھیں۔ اس وجہ سے اس سفرنامے کو زیادہ مفصل اور دلچسپ کہا جا سکتا ہے، یہ کافی طویل بھی ہے۔ حالاں کہ نواب

صاحب واقعہ بیانی میں کم سخنی پسند کرتے تھے۔ گو وہ اپنے جذبات غلطی سے بھی نہیں ظاہر ہونے دیتے تھے مگر اس کتاب میں کہیں کہیں اس کی جھلک ہمیں مل جاتی ہے۔ ان کے ذاتی رجحانات بھی نظر آتے ہیں، مثلاً وہ کئی بار سیاسی دنیا کو فراموش کر کے استانبول کے مولوی زاویوں میں جا کر ذکر الٰہی اور صوفیانہ صحبت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

بیگم سر بلند کے سفرنامہ کی طرح یہ کتاب بھی نستعلیق میں چھپی لیکن املا پرانے انداز کا ہی رہا۔ اس نئے اڈیشن میں اس کی تجدید کی گئی ہے۔ اس میں جو اضافی حاشیے ہیں، ان کو اس ضمیمہ کے مقاصد کے لیے کم ضروری سمجھ کر حذف کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کی ضرورت اس لیے پڑی کیوں کہ اب اس کم یاب تصنیف کی صرف ایک کاپی بچی ہے، جو اردو اکاڈمی، دہلی کے کتب خانے میں ہے۔

حمید اللہ کا دوسرا اردو روزنامچۂ سفر یعنی ''سفرنامۂ مدینہ منورہ'' بالکل الگ نوعیت کا ہے اور تقریباً ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سفرنامہ ۱۹۱۴ء میں الہ آباد سے چھپا تھا جس میں تقریباً ۲۵ صفحے اردو میں اور ۵ انگریزی میں ہیں۔ انگریزی والا حصہ دراصل ایک مضمون تھا: اس سفر کی کہانی ''دی لیڈر'' اخبار میں قسط وار شائع ہوتی تھی، لیکن کسی وجہ سے اس کی پانچویں قسط اخبار میں نہیں بلکہ ان کے اردو سفرنامے کے آخر میں منسلک کی گئی۔ لہٰذا انگریزی والے حصہ کے مقابلے میں اردو کا متن زیادہ مفصل و مکمل لگتا ہے، لیکن نواب صاحب کی کم سخنی یہاں بھی قابلِ دید ہے۔ عموماً مدینہ کی زیارت کے خیال سے ہی لوگوں پر ایک قسم کی سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، مگر نواب صاحب کے یہ اوراق جذبات سے بالکل عاری ہیں بلکہ ایک دو بار اس بات کا احساس کروایا گیا ہے کہ وہ پہلے بھی مدینہ آ چکے تھے اور اس لیے اب وہ جنون نہیں رہا جو نئے زائروں میں عام طور پر ہوتا ہے، بلکہ اس بار ان کا رجحان حجاز ریلوے کی طرف ہے جو ابھی ابھی کھلا تھا اور جس کے بارے میں ان کے تجسس کا ٹھکانہ نہ تھا اور جس کے لیے حیدر آباد کا نظام بھی ایک بہت بڑا حامی تھا۔

اس سفرنامے کے متعلق ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا خط نسخ تھا اور یہ ٹائپ کیا گیا تھا۔ ٹائپ رائٹر کی اردو کو ہمیشہ سے بدشکل مانا گیا ہے۔ یہ بیزاری قطعی بے محل نہیں ہے!۔ اور اس وجہ سے اس ٹائپ میں کتاب پڑھتے وقت آنکھیں جواب دینے لگتی ہیں۔ اصل متن میں پرانے املا کے مطابق کافِ عربی اور گاف فارسی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یائے مجہول اور معروف میں بھی کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ ہکاری آوازوں کو دوچشمی ہ کے بجائے ہائے ملفوظی (چھوٹی ہ) سے لکھا گیا ہے۔ لفظوں کے آخر میں چھوٹی ی کے نیچے دو نقطے لگائے گئے ہیں۔ ٹ اور ڈ کے اوپر ط کا نشان نہیں بلکہ اس کی جگہ ایک لکیر کے نیچے دو نقطہ لگائے گئے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اس متن کو پڑھنے میں بہت دشواری ہوتی ہے اور عام قاری کے لیے شاید اس متن کو پڑھنا نہایت مشکل ہو۔ ادب کے مورخین کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اس کتاب کی دستیابی نہ ہونا ہے: اب اس کم یاب کتاب کی صرف ایک کاپی ہی رہ گئی ہے، جو انگلستان کی برٹش لائبریری کی زینت ہے اور اس کی رسائی کے لیے اکثر ہفت خواں طے کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام دشواریوں کا ازالہ کرنے کے لیے اب اس کتاب میں اردو متن نستعلیق اور جدید املا میں ٹائپ کرایا گیا ہے۔

قصہ کوتاہ، ان دو سفرناموں اور انگریزی کے دونوں سفرناموں کو ملا کر، ہم کو نواب سر بلند جنگ کے خیالات اور مصروفیات کی ایک تصویر مل جاتی ہے جس کے عکس میں بیگم سر بلند کا سفرنامہ زیادہ پُر معانی اور عمیق معلوم ہوتا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحیم

مردان خدا

حجاج وزائرین کے ناموں پر معنون

سفر نامۂ مدینہ منورہ

محمد حمید اللہ عفی عنہ جاروب کش روضہ مبارک

A

PILGRIMAGE

TO

MEDINA

BY

ALHAJ AFZAL-UL-ULEMA NAWAB SARBULAND

JANG BAHADUR

M. HAMEED ULLAH KHAN, M.A (CANTAB)

BARRISTER-AT- LAW.

1914

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حصہ اوّل

حامداً و مصلیاً

بمبئی کے مختلف ایجنٹوں کے دفتر میں کوئی ایسا واقف کار نہ تھا جو مدینہ منورہ کے جدید ریلوے کے ٹھیک حالات اور اوقات بتا سکتا یا یہ اطلاع دے سکتا کہ حجاز ریلوے ان ایّام میں چل رہی تھی یا کسی وجہ سے راستے خراب ہو گئے تھے۔ میں نے زیادہ دیر لگانی مناسب نہ سمجھی اور اللہ کا نام لے کر چند گھنٹے ہی میں انتظام کر کے پی۔ اینڈ۔ او کے جہاز سالسیٹ(۱) نامی میں سوار ہوگیا، بطریق پیش بندی، بندر سعید تک کا ٹکٹ لیا۔ پانچویں دن جہاز عدن پہنچا۔ راستہ میں کسی قسم کی بدمزگی یا تکلیف نہ ہوئی، حالاں کہ بیگم صاحبہ کا پہلا ہی سفر دریائی تھا۔ بعض دوستوں نے صلاح دی تھی کہ عدن میں اتر کر جدّہ جانے والے جہاز پر سوار ہو جانا، مگر یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔ دوسرے یہ مناسب وقت بھی نہ تھا کیوں کہ عدن میں جہاز کا انتظار کرنا اور حاجیوں کے ساتھ کامران میں سات روز تک قرنطینہ میں رہنا پڑتا۔ ایسا کم ہوا ہوگا کہ کوئی شخص پی۔ اینڈ۔ او کے جہاز میں سوار ہو کر حج کو گیا ہو۔ بالآخر عدن سے پی۔ اینڈ۔ او کمپنی کے دوسرے جہاز چائنا نامی میں سوار ہو کر سوئیز پہنچے۔ یہاں بعض لوگوں نے کہا تھا کہ جو جہاز جدّہ جاتا ہو اسی میں سوار ہو جایئے گا، مگر مشکل یہ آ پڑی کہ اس روز کوئی جہاز جدّہ نہیں جا رہا تھا اس لیے یہی رائے قرار پائی کہ توکّل بخدا اسی جہاز میں بندر سعید تک چلے چلیں، شاید وہاں پہنچ کر کوئی صورت نکل آئے۔

سوئیز سے بندر سعید تک ایک نہر ہے جس کا طول تخمیناً ۱۰۰ میل ہے۔ بجلی کی روشنی ساتھ

لے کر جہاز رات دن برابر آتے جاتے ہیں۔ سنا جاتا ہے کہ اس کا عرض بڑھایا جا رہا ہے۔ سوئیز سے چل کر خلیج سوئیز پڑتی ہے اور اس کے بعد نہر شروع ہوجاتی ہے۔۹۰ میل کے نشان کے قریب دارا بادشاہ کا بُت ملتا ہے اور یہیں قصبہ شلوف ہے جس میں گھڑیال کے دانت اور دریائی بچھڑے کی ہڈّیاں ملی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی بحرِ متوسط اور بحرِ قلزم ملے ہوئے تھے، مگر امتدادِ زمانہ کے باعث یہ آبنائے مسدود ہوگئی۔ راستہ میں روشنی کے دو مینار بھی ہیں جو ۶۵ فٹ کے قریب بلند ہیں۔ آگے چل کر دو کھاری جھیلیں ملیں جن کو انجیل میں مرہ (۲) لکھا ہے، پھر خلیج تمساح (۳) سے ہو کر جبل مریم کے پاس گزرے۔ یہاں سے جزیرہ نما سینا صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس سے آگے چل کر جھیل بولہ (۴) کو عبور کر کے القنطرہ پہنچ گئے جس میں سے مصر و شام کے قافلے گزرا کرتے تھے۔ اس سے آگے جھیل منزالہ (۵) پڑی اور بالآخر بندر سعید پہنچ گئے اور یہاں جہاز سے اتر پڑے۔ جب بندر سعید پہنچے تو معلوم ہوا کہ جدّہ جانے والا جہاز تو وہاں کوئی نہیں لیکن اُسی روز آسٹرین لائڈ کمپنی کا جہاز حیفہ جا رہا تھا، اس کو فالِ نیک سمجھ کر ہم اسی جہاز پر سوار ہو گئے۔ بحرِ متوسط کی اس حصہ میں جدھر یافہ اور حیفہ ہے، اس زمانہ میں بہت تلاطم رہتا ہے اور اس سے پہلے ہفتہ میں بہت طوفان رہا تھا، لیکن اس ہفتہ میں طغیانی بند ہوگئی اور سفر بہت آرام سے گزرا۔ اس جہاز میں سوار ہونے کے بعد کچھ کچھ حالات حجاز ریلوے کے بھی معلوم ہونے شروع ہوگئے۔

بندر سعید: دوشنبہ کی شام کے چھ بجے ہم آسٹرین لائڈ کمپنی کے جہاز امپواٹرس نامی میں سوار ہو کر بندر سعید سے روانہ ہوئے۔ ایک کمرہ جس میں چار پلنگ تھے، ہمارے قبضہ میں تھا۔ اس جہاز کے کمرے ایسے صاف وعمدہ نہ تھے جیسے پی۔ اینڈ۔ او میں ہم کو ملے تھے۔ رات کو سات بجے جرمنی طریقہ پر کھانا چنا گیا اور آخر میں قہوہ دیا گیا۔ ہم تتق پر بھی گئے۔ تتق کے مسافروں میں بہت سے شامی، ترک وعرب وغیرہ تھے۔ بندر سعید پر بہت سے سوداگر اور میوہ والے چڑھ آئے تھے۔ ان میں بعض جہاز پر رہ گئے، شاید یہ لوگ شام کے بندرگاہوں کو جا رہے ہیں۔ ہم ایک ترکی خاتون اور اُس کے بھائی سے جو تتق کے مسافروں میں تھے، باتیں کرتے رہے۔ اس خاتون کے چہرہ پر چند داغ تھے، دریافت کرنے پر اس نے بیان کیا کہ ڈاکوؤں نے اس پر حملہ کر کے اس کا تمام مال واسباب چھین لیا تھا اور چہرہ پر داغ دیے تھے۔

یہ اب مغلانی گری کرتی ہیں اور شام کے کسی مدرسہ میں ملازم ہیں۔ ان کے علاوہ مسافروں میں بہت سے مرد اور عورتیں بھی تھیں۔ ان میں سے بعض گرجاؤں میں ملازم ہیں اور بعض تجارت پیشہ ہیں۔ جہاز کے بعض عہدہ دار فرانسیسی بولتے ہیں۔ ایک افسر سے ہم کو مدینہ منورہ جانے والے جدید ریلوے کے بعض حالات معلوم ہوئے۔

یافہ: سہ شنبہ کے دن قبل طلوعِ آفتاب ہم یافہ پہنچ گئے۔ تمام دن جہاز پر اسباب چڑھتا اور اترتا رہا۔ غروب آفتاب کا نظارہ اور چاروں طرف کا سین بہت دلفریب ہے۔ واپسی کے وقت ہم دوبارہ یافہ آئے۔ یہاں کے جو کچھ حالات دونوں موقعوں پر ہم کو معلوم ہوئے ہیں، وہ درج کیے جاتے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اس بندرگاہ سے تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ مچھلی انھیں نگل گئی (یونس، باب اوّل، آیت ۳)۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں بھی یہ مقام بیت المقدس کی بندرگاہ تھا (۲۔ تواریخ، باب ۲، آیت ۱۶)۔ سترہویں صدی کے آخر میں اس کی گودی (۶) بنائی گئی۔ یہاں ایک بازار عربوں کا ہے جس میں بڑی رونق رہتی ہے۔ علاوہ ازیں بہت سی مسجدیں اور سرائیں اور اہل اطالیہ کا ایک شفا خانہ جس کی تعمیر سنہ ۱۶۵۴ء میں ہوئی تھی۔ ایک باغ عامہ اور گھنٹہ گھر قابل ذکر عمارتیں ہیں۔

یافہ (جس کے لغوی معنی خوبصورت کے ہیں) کی آبادی ۴۵۰۰۰ ہے۔ ہر سال یہاں ہو کر تقریباً ۲۰۰۰۰ زائرین گزرتے ہیں۔ یہاں کی سب سے زیادہ شاندار عمارت کلیسائے یونانی کا ایک مینار ہے جو یافہ کی ہموار چھتوں پر نکلا ہوا علیحدہ معلوم ہوتا ہے۔ شفاخانہ انگریزی بھی دیکھنے کے قابل ہے، اس کی تعمیر مس مارگن کی کوشش سے ہوئی ہے اور اس کے خرچ اخراجات صرف چندہ کی آمدنی سے چلتے ہیں۔ جہاز ساحل سے ذرا فاصلہ پر لنگرانداز ہوتے ہیں۔ جہازوں کے پہنچتے ہی بے شمار کشتیاں مسافروں کے اتارنے اور سامان کے لے جانے کے لیے چاروں طرف سے دوڑ پڑتی ہیں، اس وقت بڑی چہل پہل ہو جاتی ہے۔ یافہ کے ملاحوں کی پھرتی اور چالاکی دیکھ کر ہم کو بڑی حیرت ہوئی، طوفان کے زمانہ میں بھی یہ اپنی کشتیاں ایسی عمدگی سے چلاتے ہیں کہ شاذ و نادر ہی حادثہ وقوع میں آتے ہیں۔ مسافروں کو چاہیے کہ یہاں اپنے مال واسباب کا بہت خیال رکھیں خواہ وہ کمروں میں ہو یا اتارا جا رہا ہو اور نیک صلاح تو یہ ہے کہ صرف ان ملاّحوں کو مقرر کریں جو کسی مشہور ایجنسی مسافران کے ملازم ہوں اور ہمیشہ

جہاز سے اترنے سے پہلے کرایہ چکائیں۔ یہاں عموماً ۲ فرینک فی کس کشتی کی اتروائی کا دیا جاتا ہے۔ یافہ کی سب سے بڑی حرفت وتجارت ان بے شمار مسافروں اور زائرین کی فراہمی سامان خور ونوش ہے جو بیت المقدس جاتے ہوئے یہاں ٹھہرتے ہیں۔ موسم سرما و بہار میں مسافروں کو یہاں ہر قسم کا سامان مل سکتا ہے۔

مقامات قابل دید: مینارہ روشنی کے قریب شہر کے جنوبی پہلو پر سائمن نامی موچی کا قدیم تاریخی مکان جو ایک مسجد کے بیچ میں آ گیا ہے۔

شہر کے چاروں طرف رنگتروں کے باغ ہیں اور میوہ زیادہ باہر بھیجا جاتا ہے۔ فروری اور مارچ میں ان درختوں میں پھل آتا ہے اور ستمبر کے بعد یہ پھل پک کر تیار ہو جاتا ہے۔ سیاحوں کو چاہیے کہ باغوں میں داخل ہونے سے پہلے اجازت حاصل کریں۔ یافہ، سرونا اور ریشان زاین(۷) میں اہل جرمنی اور یہودی کاشتکاروں کے باغات ہیں۔ انھیں لوگوں کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ یہاں انگور کی کاشت ہونے لگی ہے اور اب ان کی عرق ریزی سے سرخ اور سفید دونوں طرح کے انگور پیدا ہونے لگے ہیں۔ چند برسوں سے یافہ اور بیت المقدس کے درمیان ریل بن گئی ہے اور بہت کارآمد ثابت ہوئی ہے۔ ہر روز یہاں ایک گاڑی آتی ہے اور ایک ہی یہاں سے جاتی ہے۔ اگر یہاں سے اوپر کی طرف جائیں تو حیفہ تک بالکل سیدھا ساحل ملتا ہے اور راستہ میں زمانۂ قدیم کی بندرگاہیں اپولونیا(۸) اور قیصریہ پڑتی ہیں، آخر الذکر بندرگاہ شام کے اس حصہ کا دارالخلافہ تھا جو اہل اطالیہ کے قبضہ میں تھا مگر اب یہ مقام ریت سے بالکل بھر گیا ہے۔ بندر قیصریہ سے گزر کر جبل کارمل صاف دکھائی دیتا ہے۔ اس کے دامن میں ایتھلٹ (۹) جس کو کیسٹیلم پیریگنورم(۱۰) بھی کہتے ہیں، واقع ہے۔ یہ ان مقاموں میں سے ہے جن کا شمار مجاہدین صلیبی کے بڑے قلعوں میں کیا جاتا تھا۔

چہار شنبہ کے دن طلوعِ آفتاب سے قبل ہم حیفہ پہنچ گئے۔ یہاں سے جبل کارمل دکھائی دیتا ہے۔ بااعتقاد لوگوں کی نگاہوں میں مذہبی اعتبار سے جبل زائن(۱۱) کے بعد اس پہاڑ کا رتبہ ہے۔ قلّۂ کوہ پر ایک خانقاہ عین اس غار میں بنی ہوئی ہے جہاں حضرت الیاس علیہ السلام اہاب(۱۲) سے بچ کر پناہ گزیں ہوئے تھے۔

حیفہ کو زمانۂ قدیم میں سیکا مینیم (۱۳) کہتے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت قصبہ جبل

کارمل کے دامن اور خلیج عکہ کے انتہائے جنوبی کنارے پر آباد ہے، اس کی آبادی سولہ ہزار ہے جس میں تقریباً نصف عیسائی ہیں۔ یہاں اہل جرمنی کی بھی ایک خاصی بستی ہے، انھیں لوگوں کی صنعت و دستکاری کی وجہ سے اس مقام کو موجودہ رونق و ترقی حاصل ہوئی ہے۔ بحیثیت بندرگاہ حیفہ نے عکہ کی شہرت کو بہت کم کر دیا ہے۔ اناج، تیل اور سمسم [سیسم] (۱۴)، ہر قسم کی دالیں وغیرہ ممالکِ غیر کو روانہ کیے جاتے ہیں۔ انگور کی کاشت بکثرت ہوتی ہے۔ یہاں صابون کے دو کارخانے بھی ہیں۔ خانقاہ جبل کارمل تک ایک معقول سڑک ہے جس پر گاڑیاں وغیرہ بخوبی چلتی ہیں۔ پیدلوں کے لیے ایک قریب کا راستہ بھی ہے۔ خانقاہ تک ایک پگڈنڈی سے ہو کر کوئی ۳۰ منٹ میں پہنچتے ہیں۔ نپولین نے جب سنہ ۱۷۹۹ء میں عکہ کا محاصرہ کیا تھا تو اس خانقاہ کو شفاخانہ بنایا تھا۔ سنہ ۱۸۲۱ء میں ترکوں نے اس کو مسمار کر دیا لیکن بعد ازاں اس کی دوبارہ مرمت ہوگئی۔ جبل کارمل پر رات کو اوس بہت پڑتی ہے اور اسی وجہ سے یہ پہاڑ بارہ مہینے سرسبز رہتا ہے۔ ایسی شادابی کنعان میں کسی دوسری جگہ دیکھنے میں نہیں آتی پہلے اس کو جبل الہدا کہتے تھے اور یہیں حضرت الیاس نے اپنے معجزے دکھائے ہیں (سلاطین، کتاب اول، (باب ۱۸)۔ حیفہ سے آدمی گاڑی میں بیٹھ کر یا گھوڑے پر سوار ہو کر عکہ جا سکتا ہے۔ عکہ کا قدیم نام ٹولی مائیس (۱۵) ہے۔ اور اس کی تاریخ محاصروں، لڑائیوں اور فتوحات سے بھری پڑی ہے۔ یہی مقام تھا جہاں مجاہدینِ جنگِ صلیبی لنگر انداز ہوتے تھے۔ یہاں کا قلعہ و مدرسہ اسی زمانہ کی یادگاریں ہیں۔ حیفہ سے چل کر سمندر کے کنارے کنارے چلنا اور راستہ میں دریائے قیسون و بیلس کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ خلیج عکہ میں ایک قسم کا گھونگا ہوتا ہے جس سے شہر ٹائر (۱۶) کا مشہور ارغوانی رنگ تیار کیا جاتا ہے۔ ہم تین گھوڑوں کی لینڈو گاڑی میں سوار ہو کر شہر حیفہ کے مضافات میں پھرتے رہے اور ناصرہ کی طرف جو پل وادی رشمغہ پر بنا ہوا ہے، اس کو عبور کیا۔ یہ لینڈو ہمارے ایجنٹ نے ہمیں کرایہ پر لے دی تھی، جس کے پاس ہم اپنا کچھ اسباب بھی چھوڑ گئے۔ ساڑھے ۹ بجے کے قریب روانہ ہو کر ہم نے میدان قیسون کو جو ریلوے لائن کے محاذی چلا گیا ہے، عبور کیا۔ السعدی کے کھاری چشموں کے پاس سے گزرے۔ یہاں سے تین میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے جس کو بلدالشیخ کہتے ہیں، اس سے نکل کر ہم زیتون کے جھنڈوں میں پہنچے۔ قریب ہی ایک شیریں کنواں ہے جس کا نام بیر مریم ہے۔ یہاں سے چل

کر ہم کو شہتوت کا بڑا باغ اور موضع الیجور، وادی اشماریہ وطل عمر ملا۔ اس ٹیلہ پر سے گردونواح کا بخوبی نظارہ ہوتا ہے۔ چند غیر معروف مقامات سے گزر کر ہم آخر کار الحرثیہ میں داخل ہوئے، اس کو زمانہ قدیم میں حروست جو ہم کہتے تھے۔(قاضیوں کی کتاب، باب چہارم، آیت دوم) وادی جیدا(۱۷) سیمونیہ معلول مجیدیل اور جافہ (جس کا ذکر یشوع[یسوع] کی کتاب کے باب ۱۹، آیت ۱۲ میں ہوا ہے) کے گردونواح میں شاہ بلوت [بلوط] کے بے شمار درخت ہیں۔ جافہ اب ایک بڑا شہر ہو گیا ہے، یہاں بہت سے گرجے اور مدرسے تعمیر ہو گئے ہیں۔ جوسیفس (۱۸) نے اس کی فصیل بڑے اہتمام سے تیار کرائی تھی۔ یہ روایت زبان زدِ عام ہوگئی ہے کہ زبیدی(۱۹) اور اس کے لڑکوں جیمس اور جان کا یہی مولد تھا۔ جافہ کے گردونواح سے ناصرہ کی سڑک دور تک دکھائی دیتی ہے۔ ناصرہ کے راستہ میں اہل اطالیہ کا گرجا میری ڈی ٹریمور(۲۰) پڑتا ہے۔ روایت یہ ہے کہ حضرت مریم یہاں کھڑی ہوئی تھیں جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو پہاڑ کی چوٹی پر سے ڈھکیلنا چاہا تھا (لوقا کی انجیل)۔ طبرس کے راستہ میں آگے چل کر ہتین (۲۱) واقع ہے۔ سنہ ۱۷۹۹ء میں نپولین نے یافہ کو فتح کر کے عکہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے میدان جزریل میں ترکوں کو شکست دی اور سفید و ناصرہ تک بڑھتا چلا گیا۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں نپولین نے عکہ پر گولہ اندازی کر کے اسے فتح کر لیا۔ سہ پہر ۳ بجے کے قریب ہم الناصرہ پہنچے اور ہوٹل جرمانیہ میں مقیم ہوئے۔

الناصرہ: جبل الشیخ کے جنوبی ڈھلان پر واقع ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی ۱۶۰۰ فٹ ہے یہاں ناگ پھنی کی جھاڑیاں، انجیر کے درخت اور زیتون کے جھنڈ بکثرت ہیں۔ شہر میں تقریباً چار ہزار مقلدینِ کلیسائے یونانی، ایک ہزار پیروانِ کلیسائے یونانی متحدہ، ڈیڑھ ہزار اہل اطالیہ، دو سو میری اونٹس (۲۲) اور کوئی ڈھائی سو پروٹسٹنٹ آباد ہیں۔ کلیسائے بشارت خانقاہ لاطینی کے اندر بنی ہوئی ہے۔ اس کی تعمیر سنہ ۱۷۳۰ء میں ختم ہوئی تھی۔ اس کا طول ۲۳ گز اور عرض ۱۶ گز ہے۔ اس میں ایک وسطی حصہ (۲۳) اور دو غلام گردشیں ہیں۔ وسطی حصہ پر لداؤ کی چھت چار محرابوں پر قائم کی گئی ہے۔ یہ محرابیں چار زبردست ستونوں پر اٹھائی گئی ہیں۔ دونوں طرف دو قربان گاہیں ہیں جن میں سے بڑی قربان گاہ حضرت جبریل کے نام پر معنون ہے۔ اس گرجا میں بے شمار تصاویر ہیں:

(۱) تصویر بشارت پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔

(۲) اسپین کے مصور ٹیرلیو (۲۴) کی بنائی ہوئی میٹر دولوروسا (۲۵) کی تصویر۔

اور تصاویر بھی قابل دید ہیں۔قربان گاہ کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے جس کو کلیسائے فرشتہ کہتے ہیں۔ وہاں جانے کے لیے نہایت خوبصورت سنگ مرمر کا زینہ ہے۔مشرق کی طرف دائیں جانب سینٹ جواخم (۲۶) اور بائیں طرف حضرت جبریل کی قربان گاہیں ہیں۔ ان دونوں قربان گاہوں کے بیچ میں کلیسائے بشارت کا دروازہ ہے جس پر لاطینی میں ایک کتبہ اس مضمون کا کندہ ہے کہ ''یہاں کلام کو جسم عطا ہوا۔'' ایک مدوّر مینار اس جگہ بنا ہوا ہے جہاں حضرت جبریل آ کر کھڑے ہوئے تھے۔ دوسرا مینار حضرت مریم کا ہے۔ یہ ایک سنگ سرخ کا ٹکڑا ہے جو چھت سے لٹکا ہوا ہے اور اس کے متعلق روایت ہے کہ یہ اس جگہ معجزہ سے قائم ہے جہاں حضرت مریم کو فرشتہ نے پیغامِ الٰہی پہنچایا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہاں پہاڑی پر حضرت مریم کا مکان تھا۔ لوگ اس مکان کو اکھیڑ کر لے گئے ہیں اور اس کو انکونا (۲۷) کے قریب لوریٹو (۲۸) میں بنا دیا ہے۔قریب ہی ایک تاریک حجرہ ہے جس کو سینٹ جوزف کا گرجا کہتے ہیں۔ اس میں ایک قربان گاہ ہے جو ہجرت مصر کی قربان گاہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے کتبہ پر یہ الفاظ کندہ ہیں ''یہاں وہ ان کا ماتحت تھا۔'' اس کے پاس ہی ایک قدیم حوض ہے جس کو حضرت مریم کا باورچی خانہ بیان کرتے ہیں اور حوض کے منہ کو دودھ کش کہتے ہیں۔ہم نے یوسف نجار کے کارخانہ اور اس کی ہیکل کی بھی سیر کی جہاں حضرت عیسیٰ نے وعظ کہا تھا (لوقا کی انجیل، باب چہارم، آیت ۱۶)۔ منڈی سے گزر کر ہم پہاڑی پر جو قصبہ کے مغربی رُخ پر واقع ہے حضرت عیسیٰ کی میز دیکھنے گئے۔ سنہ ۱۶۸۱ء میں اطالیہ والوں نے یہاں گرجا بنا دیا ہے۔ یہ میز کہربا کی ہے۔ اس کا طول ساڑھے ۱۱ فٹ اور عرض ساڑھے ۹ فٹ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے مصلوب ہونے سے پہلے اور دوبارہ اُٹھنے کے بعد اس پر اپنے حواریوں کے ہمراہ عشاءِ ربانی نوش فرمایا تھا۔ ایک بڑی مسجد بھی یہاں ہے جس میں ہم نے نمازیں پڑھیں اور مختلف مقامات پر فاتحہ پڑھیں۔ دوسرے روز کسی قدر دیر سے ہوٹل میں ناشتہ کر کے ہم طبریہ کو روانہ ہوئے اور راستہ میں عین مریم کی سیر کی۔ عین مریم کلیسائے جبرئیل کے قریب ہی واقع ہے۔ اس کی تعمیر اٹھارہویں صدی میں ہوئی ہے۔ اس کا نصف حصہ زمین کے اندر اور

نصف باہر ہے۔اس چشمہ کا پانی قربان گاہ کے بائیں طرف سے نکالا ہے۔زائرین یونانی اس متبرک چشمہ میں سراور آنکھیں دھوتے ہیں۔شہر بھر میں یہی ایک چشمہ ہے۔

پنج شنبہ کے دن ولی سایمن(۲۹) کی پہاڑی پر گئے۔ یہاں کا نظارہ ایسا دلکش ہے کہ تمام کنعان میں ایسا کہیں میسر نہیں ہوتا۔ایک نگاہ میں تمام ملک انکھوں کے آگے پھر جاتا ہے اور رہ رہ کر یہی خیال آتا ہے کہ یہ وہی مقام ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت پسند تھا۔ مغرب کی جانب نظر ڈالو تو عکہ کی خوشنما خلیج دکھائی دیتی ہے۔اس میں ایک پہاڑ دور تک چلا گیا ہے یہ جبل کارمل ہے اوراس کی چوٹی پر ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے۔جنوب کی طرف کوہستان سمریا(۳۰) اور جنوب مشرق کی جانب جنین کی پہاڑیاں دکھائی دیتی ہیں۔مشرق کی طرف کوہستان غباد نظر آتا ہے۔ان پہاڑوں اور سیاح کے بیچ میں عسقلان کا خوشنما میدان پھیلا ہوا ہے۔ زمین پر سبز مخمل کا فرش بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس پر دریائے قیشون کی نقرئی گوٹ لگی ہوئی ہے۔شمال کی جانب نظارہ کی دلفریبی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔سامنے جبل الشیخ کی سفید دیوار نیلگوں آسمان کے مقابلہ میں عجب خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ اس کے نیچے گیلیلی (۳۱) کی پہاڑیاں ہیں۔غرض چاروں طرف مختلف دلکشا و دلکش نظارے ہیں۔

ناصرہ تا طبریہ: بیر مریم سے روانہ ہوکر ہم الخواق (قواغ) کی پہاڑی پر چڑھے۔ یہاں اور بھی لطف حاصل ہوا۔ سامنے ناصرہ کی خاموش عمارتیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ پہاڑی سے اتر کر ہم الرینہ (۳۲) پہنچے۔ وہاں سے المشہب (۳۳) (غالبًا اس کا نام المشہد ہے)۔ کہتے ہیں کہ یہی مقام حضرت یونسؑ کا مولد ہے۔ بعدازاں ہم کفرکناں (۳۴) میں داخل ہوئے۔ (یوحنا کی انجیل، باب دوم، آیت ۱و۲)۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ نے اپنا پہلا معجزہ دعوت کے موقع پر دکھایا تھا۔جس جگہ مجاہدینِ صلیبیہ کی گرجا تھی وہاں اب اہل اطالیہ کا کلیسا تعمیر ہوگیا ہے۔جس وقت گرجا کو بڑھانا چاہا اس وقت پہلی عمارت کے آثار ملے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مجاہدین کی گرجا ایک قدیم کلیسا کے اوپر بنائی گئی تھی۔تیسری یا چوتھی صدی کا ایک عربی کتبہ قربان گاہ کے سامنے لگا ہوا ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جوزف نامی ایک شخص نے اس کی تعمیر کی تھی۔گمان غالب یہ ہے کہ یہ جوزف طبریہ کا کاؤنٹ جوزف ہے جو پہلے یہودی تھا، جب وہ عیسائی ہوگیا تو قسطنطین اعظم نے اس کو کاؤنٹ کا خطاب دیا۔اس

نے بہت سے کلیسا تعمیر کرائے ہیں۔ چند قدیم کھنڈرات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتیں کسی ہیکل کی یادگاریں ہیں۔ اس مقام کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ نے پانی کو شراب بنانے کا معجزہ دکھایا تھا(یوحنا کی انجیل، باب دوم)۔ یہاں کی کلیسائے یونانی میں پتھر کے چند مرتبان دکھائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ معجزہ کے موقع پر یہی استعمال میں آئے تھے۔ روایتوں سے نیتھنل (۳۵) کے مکان کا بھی یہیں پتہ چلتا ہے۔ (یوحنا کی انجیل، باب اوّل، آیت ۴۵)۔ کنا سے سڑک شمال مشرق کی طرف مڑ جاتی ہے اور وادی رمانیہ کے وسیع و شاداب حصہ میں ہوکر گزرتی ہے۔ یہ وادی میدان البطوف کے پہلو کی ایک گھاٹی ہے۔ کوئی ۳۵ منٹ چلنے کے بعد ہم برکت مسکنہ کے ویرانوں اور حوضوں پر پہنچے اور بیس منٹ کی مسافت کے بعد اس پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے جس پر موضع لوبیہ آباد ہے۔ لوبیہ کے قریب سنہ ۱۷۹۹ء میں فرانسیسیوں کا مقابلہ ترکوں کی ایک بڑی فوج سے ہوا۔ فرانسیسی فوج جنزیل جونو کے زیر کمانڈ تھی۔ یہاں ہمارا گزر ایک چھوٹے سے ٹیلہ پر ہوا جس پر سے میدان اور دریائے یاردان سے پرے کے پہاڑوں کا دلفریب نظارہ دکھائی دیتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہی وہ متبرک پہاڑ ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ نے اپنا وعظ فرمایا تھا۔ ڈین اسٹینلی (۳۶) کہتے ہیں کہ جو پتہ انجیل میں بتائے ہیں وہ یہاں کے بالکل مطابق ہیں۔ لوبیہ سے آگے کی سڑک بہت خراب ہے اور بعض جگہ تو بالکل ناقابل گزر ہوگئی ہے۔ اس مقام پر سڑک طبور (۳۷) بھی ملی ہے۔ شمال کی جانب قرن حنین بھی نظر آنے لگتا ہے۔ صلاح الدین نے مجاہدینِ صلیبی کو ایسی شکست فاش دی کہ ہمیشہ کے لیے ان کا قلع قمع ہوگیا۔ ہم پہاڑ کے دامن میں تقریباً ۵۰ منٹ چل کر سطح مرتفع کے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم نے بحیرہ طبریہ کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ شمال کی طرف پہاڑوں کی چوٹی پر موضع سفید دکھائی دیتا ہے اور کوئی آدھ گھنٹہ چل کر طبریہ بھی نظر آنے لگتا ہے۔ پہاڑوں کے چکردار راستوں کو پون گھنٹہ میں طے کر کے شہر میں داخل ہوجاتے ہیں۔ جس وقت ہم ڈھلانوں پر سے اتر رہے تھے تو ہمیں ایک ایسا مقام ملا جہاں ایک دفعہ ہی بحیرہ طبریہ کوئی ایک ہزار فٹ نیچے ہمارے سامنے آ گیا۔ یہاں ہم نے مغرب کی نماز پڑھی۔ غروبِ آفتاب کے بعد ہم طبریہ پہنچ گئے اور ہوٹل طبریہ میں جو ایک یورپین کے اہتمام سے جاری ہے، مقیم ہوئے۔ یہاں کی ہر جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے

تاریخی تعلق رکھتی ہے۔جھیل جنیسرتھ (۳۸) ایک ایسا مقام ہے جو تمام ملک کے بحیروں میں سب سے زیادہ متبرک مانا جاتا ہے۔ یہ بڑا قصبہ ہے جہاں ۵۰۰۰ کی آبادی ہے جس میں زیادہ تر ملک پولنڈ کے یہودی ہیں۔ مگڈالا (۳۹) جو میری میگ ڈلین (۴۰) کا وطن تھا اور میدان جنیسرتھ کے علاوہ اُن مقامات کے اصلی موقعہ کا پتہ نہیں چلتا جو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں سمندر کے ساحل پر بڑے تجارتی شہر تھے۔ گمان غالب یہ ہے کہ شمال کی جانب طبریہ، مگڈالا اور میدان جنیسرتھ کے بعد کیپرنیم (۴۱)، بیت سیدہ (۴۲) اور چوریزم (۴۳) آباد تھے اور یہ تمام شہر جھیل کے مغربی کنارہ پر واقع تھے۔ بحیرہ طبریہ (۴۴) کو بحیرہ گیلیلی (۴۵) بھی کہتے ہیں۔ اس کی کم از کم گہرائی ۱۳۷ فٹ اور زیادہ سے زیادہ گہرائی ۱۵۷ فٹ ہے۔ اس کا طول ۱۳ میل ہے اور عرض ۶ میل ہے۔ اس کی سطح بحر متوسط کی سطح آب سے ۶۸۱ فٹ نیچی ہے۔ اس میں انواع و اقسام کی عمدہ عمدہ مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور کرومس سمانس (۴۶) ہے جس کا نر انڈوں اور بچوں کو منہ میں دبائے پھرتا ہے۔ دوسری قسم کی عمدہ مچھلی کوریشینس آف جوزیفس (۴۷) ہوتی ہے۔ ایک اور قسم کی مچھلی بھی یہاں پائی جاتی ہے جس کو عرب بربر کہتے ہیں، اس میں سے ایک قسم کی آواز نکلتی رہتی ہے۔ جب ناصرہ کی سڑک طے کر کے ہماری گاڑی شہر کے قریب پہنچی تو اولاً بائیں جانب ہمیں ایک سرائے دکھائی دی جس کے بے شمار گنبد تھے۔ سڑک کی دائیں طرف ایک مسجد ہے۔ قلعہ کا وسیع کھنڈر شمال کی طرف ہے، اس کے قریب ہی ایک مسجد ہے جس میں کھجور کے چند درخت ہیں۔ شہر میں یہودیوں کی تقریباً دس ہیکلیں اور بعض مشہور یہودیوں کی قبریں ہیں۔ شہر کے قریب ہی نہانے کے لیے گرم پانی کے حمام مختلف لوگوں کے واسطے علیحدہ علیحدہ عمارتوں میں بنے ہوئے ہیں۔ ان میں نہانے کی شرح بھی مختلف ہیں۔ سب سے بڑے چشمہ کی حرارت ۱۴۳ درجہ فارن ہائٹ رہتی ہے۔ اس کے پانی میں گندک اور کولورائڈ آف میگ نیشیم کے اجزاء شامل ہیں۔ حماموں سے چل کر سفرڈیم (۴۸) کا ہیکل اور اش کمازن (۴۹) کا مدرسہ ملتا ہے اور ان سے آگے یہودیوں کے مقتدا میر (۵۰) اور اس کے دو شاگردوں کی قبریں ہیں۔ دریائے جارڈن (۵۱) جس کو عبرانی میں یاردان اور عربی میں الشریعت الکبیر کہتے ہیں، جبل الشیخ (۵۲) سے نکلتا ہے۔ اس کے منبع کی بلندی سطح آب سے ۱۷۰۶ فٹ ہے۔ اس دریا کا پانی دو جگہ جمع ہوتا ہے۔ اوپر کے خزانہ کو

بحیرہ حولہ(۵۳) کہتے ہیں اور یہ سطح سمندر سے کئی فٹ اونچا ہے۔ دوسرا خزانہ جو پہلے خزانہ سے بڑا ہے، بحیرہ طبریہ کہلاتا ہے۔ یہ خزانہ کی سطح بحر متوسط سے ۶۸۲ فٹ نیچے ہے۔ بحیرہ طبریہ سے لے کر بحیرہ لوط تک اس دریا کا نشیب ۶۱۰ فٹ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہ دریا اس قدر ہیر پھیر سے بہتا ہے کہ اس کا طول ۱۸۵ میل سے زیادہ ہوگیا ہے۔ اگر سیدھا ناپا جائے تو دونوں بحیروں کا فاصلہ ۶۰ میل سے کچھ ہی زیادہ نکلے گا۔ اس دریا کی پست وادی کو عرب الغور کہتے ہیں۔ عبرانی میں وادی کے اس حصہ کا نام جو بحیرہ طبریہ اور بحیرہ لوط کے درمیان واقع ہے ''عربا'' ہے۔ زمانۂ قدیم سے یہ دریا قدرتی حدِ فاصل رہا ہے کیوں کہ وادی کی تمام ڈھلانیں جو دریا کے کنارے تک آتی ہیں، بہت سخت و دشوارگزار ہیں۔ وادیِ مذکور کا زیادہ تر شمالی حصہ زرخیز ہے۔ اس کے جنوبی حصہ میں کہیں ویرانہ ہے اور کہیں سرسبز نخلستان ہے۔ اس دریا کے بہت سے معاون اور خاص کر وہ ندیاں [جو] جنوب کی طرف سے آتی ہیں، سال بھر میں کبھی خشک نہیں ہوتیں۔ امتدادِ زمانہ سے یہ دریا دورُخ بدل چکا ہے۔ ہم پرانے راستہ پر پہلے پہنچے اور کوئی پاؤ گھنٹہ میں اس سے پار ہوئے۔ موجودہ راستہ زیادہ عمیق نہیں ہے اور اس کا عرض کوئی سو فٹ ہے، لیکن یہ دریا موسم برسات میں کناروں سے باہر گزر جاتا ہے۔ اس کی جھاڑیاں جنگلی سوروں اور بے شمار پرندوں کے مسکن ہیں۔ پہلے زمانہ میں یہاں شیر بھی رہتے تھے (جیرومی، باب ۴۹، آیت ۱۹)۔ اس دریا کے پانی کا رنگ گندلا ہے کیوں کہ تیز روانی میں مٹی وغیرہ بھی اس میں مل جاتی ہے۔ پانی کی حرارت عموماً زیادہ رہتی ہے۔ اس دریا میں مچھلیاں بھی بہت ہیں۔ زمانۂ قدیم سے اس وقت تک چند ہی گھاٹ ہیں جہاں سے اس دریا کو عبور کرسکتے ہیں (یکم سیمول، باب ۱۳، آیت ۷، دوم سیمول، باب ۱۰، آیت ۱۸ - ۳۱)۔ سب سے مشہور گھاٹ کا نام مہدت حجلہ ہے(۵۴) جو گھاٹ ذرا جنوب کی طرف واقع ہے اس کو الھینو (۵۵) کہتے ہیں۔

شنبہ کے دن ہم طبریہ سے سوار ہوئے تھے۔ وہ گندک کے گرم حمام دیکھے جو یہودیوں کے مشہور مقتدا میر کے مرقد کے قریب واقع ہیں۔ آگے چل کر ہمیں بعض گاؤں اور کئی کھنڈرات ملے۔ یہاں سے ہم سمخ کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ راستے میں دریائے یاردان (شریعت الکبیر) کو شام کے پانچ بجے عبور کیا۔ جہاں سے ہماری گاڑی پار ہوئی وہاں صرف ۳

فٹ گہرا پانی تھا۔ یہ مقام اس گھاٹ کے قریب ہے جس کو باب التوم کہتے ہیں۔ حیفہ سے سمخ تک ریل بھی ہے جس کا فاصلہ ساڑھے ۵۳ میل ہے۔

یکشنبہ کے دن ہم ریل میں سوار ہوئے اور پونے نو بجے دن کو الحمیٰ ہو کر اس دلکشا و مشہور وادی یرموک کے کنارے سے گزرے جہاں کسی زمانہ میں اہل روما کے حمام گدارا بنے ہوئے تھے۔ یہاں سے ریل ان پہاڑی حصوں میں داخل ہوتی ہے جو دریائے یاردان کے مشرق میں واقع ہے اور پھر وادی یرموک پر چڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس دریا کو عربوں کے ایک قبیلہ المنادریہ کی وجہ سے شریعت المنادرہ کہنے لگے ہیں۔ توریت میں اس کو یرموک لکھا ہے جس کو اہل یونان نے بگاڑ کر ہیرومیکس (۵۶) کر لیا ہے۔ یہ دریا حوران و جولان سے چل کر جبل اجلون کے قریب جولان سے کٹ کر جنوب کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اس میں تقریباً اتنا ہی پانی ہے جتنا دریائے یاردان میں ہے۔ جس نشیبی گھاٹی میں یہ بہتا ہے وہ چونے کی پہاڑیوں میں سے ہو کر جاتی ہے۔ دریائے مذکور کو دو دفعہ عبور کرنے کے بعد ریلوے لائن الحمیٰ پہنچتی ہے جو حیفہ سے ۶۳ میل پر واقع ہے۔ یہاں گدارا جس کو اماتھا بھی کہتے ہیں، اس کے مشہور گرم چشمے ہیں۔ ان چشموں کی صحت بخش صفتوں و خاصیتوں کے بیان میں یوسیبیس (۵۷) اور دیگر قدیم مورخوں نے بہت مبالغہ کیا ہے۔ ماہ اپریل میں اب بھی بہت آدمی آتے ہیں۔ سب سے مشہور چشمے دریا کے دائیں جانب ایک مختصر مگر کشادہ میدان میں واقع ہیں۔ بڑے حوض کا کچھ حصہ مصنوعی ہے اور اس کے گرد حماموں کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ پانی میں گندک کی بو اور گندک ہی کا مزا ہے۔ یہ پانی ظاہراً صاف معلوم ہوتا ہے مگر پتھر پر ڈالنے سے گاد بیٹھ جاتی ہے اور دوائیوں میں کام آتی ہے۔ بدوی ان مقامات کو حرم مانتے ہیں یعنی اس قطعہ پر کوئی فساد نہیں ہوتا۔ قدیم شہر گدارا جس کو مقیش کہتے ہیں، دریا کے جنوب کی طرف بلندی پر آباد ہے اور چشموں سے وہاں تک کوئی گھنٹہ بھر کی مسافت ہے۔ ریلوے لائن وادی یرموک کے محاذی چلی گئی ہے اور آخر کار اس کے جنوبی حصہ کو قطع کرتی ہے۔ یہ تنگ گھاٹیاں جن کے پہلوؤں پر سیدھی چٹانیں ہیں اور جن پر برسات کے موسم میں ندیاں بڑے شور سے بہتی ہیں، عجب دلفریب و دلکش ہیں۔ بہت سی عمیق وادیاں دونوں پہلوؤں سے آ کر وادی یرموک میں مل جاتی ہیں۔ وادی عین الغزال (جو جنوب کی جانب بائیں طرف ہے) کے دہانہ تک پہنچنے سے ذرا

پہلے ریلوے لائن اس وادی کے شمالی حصہ پر گزرتی ہے۔ اس جگہ بہت سے مسقّف راستے (بھواری) ہیں۔ اس مقام پر جنوب کے بائیں طرف وادی خلیط آ کر مل جاتی ہے۔ حیفہ سے ساڑھے ٦٦ میل پر وادی خلیط کا اسٹیشن ہے۔ اس کے دائیں طرف شمال کے جانب نہر الرقاد ہے جو جبل الشیخ کے جنوبی ڈھلان سے نکلتی ہے اور دریائے یرموک میں آ ملتی ہے۔ جولان میں یہی سب سے بڑا دریا ہے لیکن گرمی میں یہ بھی خشک ہو جاتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کا مقامِ اتصال سمندر سے ١٠٧ فٹ نیچے ہے۔ حیفہ سے ٧٦ میل پر الشجرہ (٥٨) اور ٧٧ میل پر طل المکارم (٥٩) کے اسٹیشن ہیں۔ طل المکارم تین دریاؤں کا مقامِ اتصال ہے۔ جنوب مشرق سے وادی الشلالح (٦٠)، جنوب سے وادی الزیدی اور شمال مشرق سے دریائے یرموک یہاں آ کر ملتے ہیں۔ دریائے آخر الذکر کے اوپر کے حصہ کو وادی التحریر کہتے ہیں۔ ریلوے لائن یہاں سے وادی یرموک کو چھوڑ کر بہت ہی ہیر پھیر کے راستہ سے اوپر چڑھتی ہوئی زیزون پہنچتی ہے، جو حیفہ سے ٨٤ میل پر واقع ہے۔ یہ مقام سطح سمندر سے ٨٢٠ فٹ بلند ہے اور وادی الزیدی شمالی پہلو پر واقع ہے۔ اس وادی کو یہاں مویت زیزون کہتے ہیں۔ المزیریب کا اسٹیشن حیفہ سے ساڑھے ٩٢ میل ہے۔ فرانسیسیوں کے حوران ریلوے کا یہ بھی ایک اسٹیشن ہے۔ اِس اسٹیشن سے اُس اسٹیشن کا فاصلہ تقریباً دو میل ہے۔ درعا کا فاصلہ حیفہ سے سو میل ہے۔ ہم ایک بجے دن کو یہاں پہنچ گئے۔ یہ مقام سطح سمندر سے ١٧٣٥ فٹ بلند ہے۔ اس کو زمانۂ قدیم میں ادری (٦١) کہتے تھے۔ یہ شہر وادی الزیدی کی جنوبی ڈھلان پر آباد ہے۔ یہ حجاز ریلوے کا بھی اسٹیشن ہے۔ دمشق یہاں سے ساڑھے ٦٧ میل اور المعان ساڑھے ٢٨ میل ہے۔

درعا اسٹیشن کے قریب ہی ایک ہوٹل اور چند دکانیں ہیں۔ یہاں ہم نے چند چیزیں خریدیں۔ سردی زیادہ ہونے کی وجہ سے بیگم کی خادمہ کے لیے ایک صدری اور بطور رگ استعمال کرنے کے واسطے بھیڑ کی کھال کا ایک چوغا خریدا۔ یہاں اور جگہ کی نسبت ڈیوڑھی قیمت لیتے ہیں۔ ہم کو ایک حمال (قلی) بھی مل گیا۔ یہ انتہا درجہ کا خوش مذاق تھا اور ہمارے ہمراہ ہر جگہ چلنے کو تیار تھا۔ لیکن ہم نے انعام دے کر اس کو درعا ہی میں چھوڑ دیا۔ یہاں کے چند ریلوے انجینیر فرانسیسی جانتے تھے۔ مجھ کو ان سے بہت سے حالات معلوم ہوئے۔ ہوٹل

والے سے چند کھانے پینے کی چیزیں خریدیں، کافی تو اچھی تھی، باقی سب اشیاء نکمّی نکلیں۔اس جگہ تر کی تار گھر بھی ہے۔اس کی آبادی ۴۰۰۰ ہے اور یہاں ایک حاکم مقامی رہتا ہے۔ جب عیسائیوں کا عمل دخل ہوا تو یہاں ایک اسقف رہنے لگا۔ وادی الزیدی کے دامن میں ساڑھے ۶۴ گز لمبا، ۵۹ گز چوڑا اور ۶ فٹ گہرا ایک تالاب ہے۔ اس تالاب کے مغربی پہلو پر حمام السکنانی واقع ہیں جو قدیم اطالیہ حمام کے کھنڈر معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے قریب ہی مقبرہ السکنانی ہے جہاں پہنچنا اس زمانہ میں غیرممکن ہے۔ شہر کے جنوب مشرق میں ایک مقامِ عبادت ہے، اس کا طول ساڑھے ۶۵ گز اور عرض ساڑھے ۳۱ گز ہے۔اس کے گرد ستون کی دوہری قطار ہے۔ اس کی تعمیر سنہ ۱۲۵۳ء میں ہوئی تھی اور اس میں مختلف وضع کے ۸۵ ستون اور ۳ دروازے تھے۔اس کے صحن میں قبر کا صندوق ہے، جس کے کناروں پر دو شیروں کے سر ہیں۔شمال مغربی کنارے پر ایک بلند مینار المید انی واقع ہے۔ایک قدیم گرجا کی چھت کا حصہ اب بھی جنوب کی طرف دکھائی دیتا ہے۔ یہاں کی زمین دوز بھول بھلیّاں بہت عجیب ہیں۔ ان میں اکثر ایسی ہیں کہ گھٹنوں کے بل ان میں گھسنا پڑتا ہے۔ان کا راستہ وادی الزیدی میں ہے۔ درعا سے ریلوے کی ایک شاخ حیفہ جاتی ہے۔ دوسری چھوٹی سی شاخ یہاں سے المزیریب گئی ہے جو حوران ریلوے کا مقامِ اختتام ہے۔ درعا سے ریلوے لائن جنوب مشرق کی طرف جا کر وادی الزیدی طے کر کے جبل الزملہ کے مشرقی پہلو کے کنارے کنارے چلی گئی ہے۔ یہ پہاڑی مقام ہے لیکن اس کی بلندی کسی جگہ سطح میدان سے (جو سطح سمندر سے ۲۳۰۰ فٹ بلند ہے) ۳۳۰ فٹ سے زیادہ نہیں بڑھی ہے۔ یہ ٹکڑا شمال سے جنوب تک کوئی ۳۷ میل ہے۔اس کے مغربی پہلو صحراء الحماء کو گھیرے ہوئے ہیں جس میں نہ کوئی پانی کا چشمہ ہے اور نہ آبادی۔صرف کہیں کہیں صحرائی گھاس کے قطعے ہیں۔علمِ جمادات کی رو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبل حوران کا مادّہ آتشی رفتہ رفتہ جبل اجلون کی کھریا مٹّی کی شکل میں منتقل ہوگیا ہے کیوں کہ ان پہاڑیوں میں پتھر اور کھریا کے بے شمار ریزے پائے جاتے ہیں۔ دمشق کی جانب سے جو ریل آتی ہے اس میں سوار ہوکر ایک روز ہم روانہ ہوئے۔ساڑھے ۱۰۰ میل پر قلعہ المفرق ملا۔ یہاں سے ریلوے لائن سڑک حجاز میں داخل ہوتی ہے۔ ۱۰۵ میل پر قلعہ الثمرہ اور ۱۲۶ میل پر قلعہ الزرقہ واقع ہے۔قریب ہی اسی نام کا ایک چشمہ ہے۔ یہاں

ریلوے لائن وادی الزرقہ کے اوپر والے حصہ پر پہنچ کر وادی مذکور کے پل پر سے گزرتی ہے۔ اب ہم وادی کے اوپر والے حصہ پر چڑھنا شروع کرتے ہیں جس کو وادی عمان کہتے ہیں اور بالآخر عمان پہنچ جاتے ہیں۔

عمان: یہ شہر دمشق سے ۱۳۸ میل پر واقع ہے۔ خود شہر اور پہلے قصبہ کے کھنڈرات اسٹیشن سے جنوب مغرب میں تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہیں۔ یہاں سے ریلوے لائن وادی سے گزر کر سطح مرتفع پر پہنچ جاتی ہے۔ رات کے وقت ہمارا گزر چند مشہور و معروف مقامات پر سے ہوا۔ ایک یورپین سیاح جو انگریزی بولتا تھا، ایک شاہی مترجم کے ہمراہ جو کوک اینڈ کمپنی کا ملازم تھا، ہمارے برابر والے درجہ میں داخل ہوا اور کسی درمیانی اسٹیشن پر اُتر گیا۔ یہاں سے وہ اپنی سیاحت شروع کرے گا۔ ان میں سے بعض کو ریلوے لائن کی حفاظت کے لیے تنخواہیں ملتی ہیں۔ عمان جس کی بلندی سطح سمندر سے ۲۷۴۵ فٹ ہے، حجاز ریلوے کا ایک اسٹیشن اور ایک مدیر کا صدر مقام ہے۔ یہاں گورنمنٹ نے قوم سرکیشی کی ایک نو آبادی قائم کر دی ہے۔ زمانۂ قدیم میں اسے رباہ (۶۲) یا رباہ عمان کہتے تھے، یہ امونائیٹس (۶۳) کا دارالخلافہ تھا اور اس کو جوب (۶۳) نے محاصرہ کر کے فتح کر لیا تھا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ بعدازاں پھر یہ شہر امونائیٹس کے قبضہ میں آ گیا۔ مصر کے بادشاہ ٹولمی دوم نے اس کی مرمت کر کے اس کا نام فیلاڈلفیا رکھا اور کئی صدیوں تک ڈکاپولس کے زیر نگیں رہ کر یہ شہر بڑی رونق پکڑ گیا، لیکن اس کا اصلی نام مفقود نہ ہوا اور صرف یہی نام بعدازاں عربوں میں مشہور ہوا۔ دریائے یاردان (شریعت الکبیر) کے مشرقی حصہ میں عمان کے کھنڈرات سب سے زیادہ قابل دید مقامات ہیں، لیکن افسوس ہے کہ جس قدر قوم سرکیشی کی آبادی بڑھتی جاتی ہے، اسی قدر یہ یادگاریں مفقود ہوتی جاتی ہیں۔ شمال کی جانب ایک پہاڑی پر قلعہ عمان اس طرح واقع ہے کہ جنوب مغرب میں ایک زاویہ بن گیا ہے اور شمال کی جانب نشیب دے کر (صناعی کی عمدہ مثال ہے) باقی حصہ پہاڑی سے جدا کر دیا ہے۔ اس قلعہ کے تین چبوترے ہیں۔ یہ چبوترے مشرق سے شروع ہو کر مغرب میں ختم ہو جاتے ہیں۔ قلعہ کا دروازہ جنوبی طرف واقع ہے۔ اس کی چوڑی فصیل بڑے بڑے پتھروں سے بنائی گئی ہے جس میں چونا بالکل نہیں لگا۔ مغربی جانب سب سے بلند چبوترے پر ایک مندر کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ جنوبی فصیل میں ایک مینار

اچھی حالت میں قائم ہے۔ یہ تمام عمارتیں اہل روما کی یادگار ہیں۔ لیکن سب سے بلند چبوترہ پر عربی دستکاری کے بھی بہت نمونے ہیں۔ عمارت کے اندر کی صنّاعی لاجواب ہے۔ قلعہ پر کھڑے ہو کر تمام کھنڈرات بخوبی دکھائی دیتے ہیں۔ نیچے اتر کے وادی میں اگر مغرب سے مشرق کی طرف چلیں تو مفصّلہ ذیل عمارتیں نظر آتی ہیں:

(۱) دریا کے بائیں کنارے پر اس وادی کے دہانہ کے قریب جو مغرب کی جانب سے آئی ہے، خاندانِ عباسیہ کی تعمیر کی ہوئی ایک مسجد ہے۔ اس سے مشرق میں دریا کے قریب ہی بازانٹاین (۶۵) نمونہ کا ایک قلعہ ہے اور اس کے پاس ہی عربوں کے ایک قدیم بازار کے کھنڈر ہیں۔

(۲) شمال مشرق میں تھرمی کا ویرانہ ہے۔ اس کی جنوبی دیوار ابھی قائم ہے۔ اس کی دو خوبصورت محرابیں اندر کی محرابوں سے مل گئی ہیں۔ ستون اب بھی باقی ہیں مگر ان کے اوپر کے حصے غائب ہو گئے ہیں، بہت بلندی پر خوشنما طاق ہیں اور ان کے سوراخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عمارت میں بڑے ہنر کا کام کیا ہوا تھا۔ شمالی طرف دریا کے محاذی آب رسانی کے لیے ایک نہر بنائی ہے۔ حماموں کے عین جنوب مشرق میں ایک پرانا پل ہے اور اس کے قریب ہی گھاٹ کے کھنڈر ہیں۔ دریا کے کنارے کنارے جائیں تو ذرا آگے بڑھ کر ایک خوبصورت رواق ملتا ہے۔

(۳) مسجد سے چل کر ایک قدیم بازار ملتا ہے جس میں ستون ہی ستون ہیں۔ یہ قدیم شہر میں دریا کے بائیں کنارے کے محاذی ۹۸۵ گز تک چلا گیا ہے۔ اب صرف چند ستون کھڑے رہ گئے ہیں۔ اس بازار کے بائیں طرف نافِ شہر میں اہل روما کے وقت کے ایک مندر کے کھنڈر ہیں۔ یہ شاید چوک تھا۔ اس بازار کے مشرقی کنارے پر کے ویرانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شہر کا کوئی دروازہ تھا۔

(۴) ندی کے دائیں طرف (اس ندی میں مچھلیاں بہت ہیں) تماشہ گاہ تھیٹر ہے۔ یہ اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ تماشہ گاہ سے اسٹیج تک ستون کی ایک قطار ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مغربی کنارے سے شمال کی طرف دریا تک ستونوں کی دوسری قطار تھی۔ اسٹیج اب بالکل نیست و نابود ہو گیا ہے۔ نشست کی صفوں کے درمیان سیڑھیاں ہیں، نیچے والے حصّہ

میں پانچ، اس سے اوپر چودہ اور تیسرے درجہ میں سولہ صفیں بیٹھنے کے لیے بنی ہوئی ہیں۔ دوسرے اور تیسرے درجہ کے درمیان اور تیسرے درجہ کے عین اوپر تماشہ دیکھنے والوں کی نشستیں ہیں، جو بات اسٹیج پر کہی جائے، وہ سب سے اونچی آخری صف تک صاف سنائی دیتی ہے۔ اس تھیٹر میں ۳۰۰۰ آدمی آسکتے ہیں۔ تھیٹر کے سامنے شمال مشرق کی طرف ایک چھوٹے سے ناچ گھر کے کھنڈر ہیں۔ اس کے سامنے کی طرف بہت سے سوراخ ہیں جن میں کھونٹیاں لگا کر سامان آرائشی آویزاں کر دیا جاتا تھا۔ اسٹیج کے اگلے حصے میں دونوں پہلوؤں پر دو مینار ہیں، جنوبی رُخ والا مینار ابھی قائم ہے۔

(۵) ندی پر جا کر باغوں کے بیچ میں اہل روما کی بنائی ہوئی فصیل ملتی ہے۔ کسی زمانہ میں اس ندی پر ۳۰۰ گز لمبی لداؤ کی چھت تھی۔ آگے بڑھ کر ایک خشک وادی بائیں طرف سے ندی میں مل جاتی ہے۔ اس پر کوئی ۷۵ گز چڑھنے کے بعد ایک اعلیٰ درجہ کا مقبرہ جسے قبر السلطان کہتے ہیں، بائیں طرف ملتا ہے۔ اس کے بڑے جلوخانہ میں دائیں بائیں دو محرابیں ہیں جن میں طاق بنے ہوئے ہیں۔ وسطی کمرہ سے ایک حجرہ میں راستہ گیا ہے جہاں تین الماری نما قبریں بنی ہوئی ہیں۔

(۶) ستونوں والے بازار کے دونوں طرف مکانوں کے کھنڈر ہیں۔ اس کے قریب ہی قبرستان اور بے شمار مدفن واقع ہیں۔

اس کے بعد ہم مفصلہ ذیل مقامات سے ہو کر گزرے:

فلاڈلفیا، قطرانس، الحسا، الدرویش، انیسہ۔

معان: سہ پہر کو ہم معان پہنچے اور یہاں چند گھنٹے قیام کیا۔ اسٹیشن سے کچھ فاصلہ پر چند دکانیں ہیں۔ اس مقام پر بھی بہت سے عیسائیوں نے شراب کی دکانیں کھول لی ہیں۔ یہاں بہت سے ہندوستانی فقیر بھی ملے۔ اب کی سال محمل شامی بذریعہ ریل جارہا ہے اس لیے یہ اس کے ہمراہ مدینہ منورہ نہ جاسکے، لیکن انھیں پاپیادہ سفر کرنے کی عادت ہوگئی ہے، اس لیے وہاں پہنچنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہاں ہم نے کچھ کھانے پینے کی چیزیں اور میوے خریدے۔ میں شہر دیکھنے بھی گیا جو ریل سے کسی قدر فاصلہ پر واقع ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ یہاں خط کے ٹکٹ مل سکتے ہیں، لیکن مجھ کو تو کہیں نہ ملے۔ جس قطعہ زمین پر سے آج

ہمارا گزر رہوا اس کا ہر حصہ تاریخی دلچسپی سے خالی نہیں۔

غروب آفتاب کے قریب ہم معان سے روانہ ہو کر رات کو العقبہ کے قریب پہنچے۔ یہ مقام دمشق سے ۳۰۰ میل پر واقع ہے۔ العقبہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہاں ایک قلعہ ہے جس میں چند سپاہی حجاج کے قافلوں کی حفاظت کے لیے متعین ہیں۔ یہ مقام کوہ طور سے ۲۹ میل اور خلیج عقبہ سے ڈھائی میل پر واقع ہے۔ قصبہ کے قریب کھجوروں کے گھنے گنج ہیں۔ یہاں پانی بکثرت ہے اس لیے میوے اور ترکاریاں بہت ہوتی ہیں۔ عقبہ گو بظاہر چھوٹا سا قصبہ ہے پھر بھی تاریخی لحاظ سے بہت مشہور ہے۔ غالباً یہ اس جگہ واقع ہے جہاں زمانۂ قدیم میں شہر الات آباد تھا اور یہیں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیڑا اوفیر (٦٦) کی جانب روانہ ہوا تھا۔ اہل روما کے زمانہ میں اس کو ایلانا (٦٧) کہتے تھے اور یہاں رومیوں کی فوج کی دسویں رجمنٹ رہتی تھی۔ عربوں کے زمانہ میں اس کا نام ہیلا (٦٨) یا ایلات ہو گیا اور رفتہ رفتہ یہ مقام دسویں صدی عیسوی میں کنعان کی مشہور بندرگاہ اور حجاز کی بڑی منڈی بن گیا۔ جنوب کی طرف سمندر میں تھوڑے فاصلہ پر کچھ کھنڈر ہیں، خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں ازاین گبر (٦٩) آباد تھا۔ سنہ ۱۸۹۲ء میں یہ قصبہ خدیو مصر کے قبضہ سے نکل کر ترکوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ یہاں اب بھی خاصی تجارت ہوتی ہے۔ اس کے بعد مقاماتِ ذیل سے ہو کر ہم گزرے:

قلعۃ المدورہ	دمشق سے	۳۵۰ میل پر واقع ہے
ذات الحج	ایضاً	۳۷۵ میل پر واقع ہے
تبوک	ایضاً	۴۰۰ میل پر واقع ہے

تبوک ایک تاریخی مقام ہے اور آنحضرت صلعم کا آخری غزوہ اسی مقام پر [ہوا] تھا۔ آپؐ کی وفات سے چند مہینے قبل یہ افواہ آئی کہ شہنشاہ ہرقل بہت سی فوج لے کر مدینہ منورہ پر چڑھا آ رہا ہے۔ آنحضرت صلعم بھی تیس ہزار مجاہدین ہمراہ لے کر روانہ ہوئے لیکن تبوک پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ افواہ بالکل غلط ہے۔ یہاں کے چند قبائل سرکش ہو گئے تھے اس لیے تبوک کے قریب لڑائی ہوئی اور آخرکار بہت سے یہودی و عیسائی قبائل مطیع ہو گئے۔ اس غزوہ کے موقعہ پر سورہ توبہ نازل ہوئی ہے۔ اُس زمانہ میں گرمی سخت اور پانی کی قلّت تھی۔ بعض لوگوں نے ہمراہ رکاب جانے سے انکار کیا۔ اس پر اللہ جل شانہٗ کا عتاب ہوا، ملاحظہ ہو پارۂ واعلموا،

سورہ توبہ، رکوع ۵

یَا اَیُّھَا الَّذِیۡنَ آمَنُوۡ... فِیۡ رَیۡبِھِمۡ یَتَرَدُّدوۡنَ کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں کی خطا معاف ہوئی۔ ملاحظہ ہو پارہ **یعتذرون**، **سورہ توبہ**، رکوع ۱۳ و ۱۴۔ **لَقَدۡ تَابَ اللّٰہُ... اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡم**۔

اس کے بعد مفصلہ ذیل مقامات سے گزر رہوا:

جنائن القاضی	دمشق سے	۴۸۵ میل
المعظم	ایضاً	۵۱۵ میل
الدارالحمراء	ایضاً	۵۴۵ میل

ہمارا گزر اس سرزمین پر ہوا جہاں حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ یہاں کے ایک اسٹیشن کا نام مدائن صالح ہے جو دمشق سے ۵۸۵ میل ہے۔ مدائن صالح کو زمانۂ قدیم میں الحجر کہتے تھے۔ یہ مقام قومِ ثمود کا دارالخلافہ تھا۔ حضرت ہود و حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی زمانہ میں اس قوم کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو خلعتِ نبوت مرحمت ہوا۔ حضرت صالح نے تمام معجزے اس شہر اور اس کے گردونواح میں ظاہر فرمائے ہیں۔ قومِ ثمود نے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ معجزہ دکھایئے کہ الحجر کے پہاڑوں سے ایک اونٹنی پیدا ہو اور وہ بچہ دے۔ حضرت صالح نے درگاہِ رب العزت میں دعا کی چنانچہ ایک حاملہ اونٹنی نکلی اور اس نے نکلتے ہی بچہ جنا لیکن وہ لوگ ایمان نہ لائے اور اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور تمام قومِ ثمود سوائے اُن لوگوں کے جو راہ راست پر آ گئے تھے، رعد کی کڑک اور زلزلہ سے ہلاک ہوگئے۔ ملاحظہ ہو پارہ **ولو اننا**، **سورۃ الاعراف** ۔ **والیٰ ثمود اخاھم صالحاً... عاقبۃ المجرمین** ۔ بعدازاں حضرت صالح مع ان تمام لوگوں کے جو ایمان لے آئے تھے، کنعان چلے گئے اور پھر مکہ معظّمہ میں آ کر مقیم ہوئے اور یہیں ان کا انتقال ہوا۔ یہاں کسی زمانہ میں کوہِ آتش فشاں پھٹا ہے کیوں کہ پہاڑ، شہر اور تمام چیزیں الٹ گئی ہیں۔ یہ تمام معکوس اور الٹے ہوئے مکانات عجیب وغریب اور بہت خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ ہم مفصلہ ذیل مقامات سے گزرے:

قلعۃ الزمرد	دمشق سے	۶۴۰ میل

البرالجدید	ایضاً	۶۶۰میل
ہدیہ	ایضاً	۷۰۰میل
اصطبل عنتر	ایضاً	۷۳۵میل
ابیارناصف	ایضاً	۷۶۵میل
ابوجابر	ایضاً	۸۰۰میل

ہم جس قدر مدینہ منورہ کے قریب پہنچتے جاتے تھے، اسی قدر شادابی بڑھتی جاتی تھی۔ ابوجابر سے چل کر مدینہ منورہ کے مکانات دکھائی دینے لگتے ہیں اور ایک روحانی قسم کا اثر متمیّز ہوتا ہے۔ جو لوگ پہلے مدینہ منورہ ہو آئے ہیں، وہ دور سے نوواردوں کو مقاماتِ متبرک دکھاتے ہیں۔ آخرکار ہم ۴ بجے شام کو اس متبرک شہر میں داخل ہوگئے۔ (دمشق سے ۸۱۵ میل) اور باغ شمسیہ کی رباط میں مقیم ہوئے۔ یہ مکانات سرآسماں جاہ مرحوم کی پائے گاہ سے متعلق ہیں۔ مکان جانے سے پہلے ہم نے عصر و مغرب کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی۔ مسجد میں شب کو خوب روشنی تھی کیوں کہ محمل شامی یہاں پہنچ گیا تھا اور یہ مسجد آج تمام رات کھلی رہی۔ کچھ حالات مدینہ منورہ اور یہاں کے متبرک مقامات کے لکھے جاتے ہیں۔

حدودِ اربعہ حجاز: عرب میں قدرتی حدود نہ ہونے کی وجہ سے حجاز کی حدودِ اربعہ بیان کرنی مشکل ہیں۔ حجاز کی زمین ایک بے قاعدہ مستطیل کی شکل کی ہے جو تقریباً دوسو پچاس میل لمبی ہے اور ایک سو پچاس میل چوڑی ہے۔ اس کے جانب شمال ینبوع ہے اور جانبِ جنوب جدّہ واقع ہے۔ کوہ طائف اس کے مشرق [مشرقی] جانب واقع ہے اور جانبِ غرب بحیرہ قلزم واقع ہے۔

مدینہ منورہ: وسط عرب میں ایک بڑے میدان پر نجد کے کنارے ''مدینۃ النبی'' واقع ہے۔ مقدس مقام کا احاطہ حدودِ حرم کہلاتا ہے۔ اس کے جانبِ شمال تقریباً تین میل کے فاصلہ پر جبلِ احد ہے۔ جنوب مغربی جانب جبل آئر شہر سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جانبِ غرب مسجد ''ذی الحلیفہ'' واقع ہے۔ مشرقی جانب کسی قسم کے حدود کا نشان نہیں ہے۔ پانی بکثرت ہونے کی وجہ سے یہاں کی سرزمین سرسبز و شاداب ہے اور قدیم سے مدینہ منورہ کی کھجوریں نہایت عمدہ ہوتی ہیں۔

عین الزرقہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں شمالی میدانوں میں سے بذریعہ نہر پانی لایا گیا تھا۔ موجودہ زمانہ میں ''عین الزرقہ'' کے چشمہ سے پانی آتا ہے۔ اس کی نسبت بعض کا بیان ہے کہ جبل آئر کے دامن سے چشمہ نکلتا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ قبہ کے کھجوروں کے جھنڈ میں سے پانی آتا ہے۔

نہر مدینہ منورہ: حضرت معاویہ کے زمانہ میں مروان نہر لایا تھا جو اب بیس فٹ سطح زمین سے نیچے بہتی ہے۔ بعض مقامات پر کھلی ہوئی بھی ہے اور عام لوگوں کے آرام کے لیے اس میں سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ یہ سلطان سلیمان کے زمانہ کی یادگار ہے۔

موسم و بیماریاں: مدینہ منورہ میں برسات کا موسم ماہ اکتوبر میں شروع ہو جاتا ہے اور مناسب وقفہ کے ساتھ چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

یہاں مختلف اقسام کی بیماریاں مثلاً بخار، چیچک وغیرہ ہوتی ہیں اور پھوڑے پھنسیاں بھی بکثرت ہوتی ہیں۔ جب کوئی مریض ہوتا ہے تو اس کو خیمہ میں رکھا جاتا ہے اور شروع دو تین روز تک اونٹنی کا دودھ پلایا جاتا ہے۔

حصّے اور وسعت: مدینہ منورہ تین حصوں پر مشتمل ہے (۱) شہر خاص (۲) قلعہ (۳) بیرون کی آبادی جو خاص شہر سے کسی قدر کم ہے۔ شہر تقریباً مکہ معظّمہ کا نصف ہے۔ شہر کی چہار دیواری ہے اور چار دروازے ہیں:

باب الشامی: شمال مغربی جانب باب الشامی واقع ہے۔ اس جانب سے جبلِ اُحد مقبرہ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے پہاڑوں کو راستہ جاتا ہے۔

باب الجمعہ: شرقی جانب ہے۔ یہاں سے نجد کو سڑک جاتی ہے اور جنت البقیع کے قبرستان کو بھی راستہ جاتا ہے۔

باب الضیافہ: باب الشامی اور باب الجمعہ کے درمیان جانب شمال باب الضیافہ

ہے۔

باب المصری: جانبِ غرب باب المصری ہے جہاں سے برالمناخہ کے میدانوں کی جانب راستہ جاتا ہے۔

مشرقی ومصری دروازوں کی عمارت نہایت عمدہ ہے۔ ان کے ہر دو جانب برج بنے ہوئے ہیں اور وہ سرخ وزرد رنگ سے رنگے ہوئے ہیں۔

دروازوں کے اندرونی جانب نہایت سرسبز و شاداب زمینیں ہیں۔ سپاہی حفاظت کے لیے مقرر ہیں۔ اونٹ والے اپنے جھگڑے چکاتے ہیں اور بہت سے بےفکرے جمع ہوکر آرام اٹھاتے ہیں۔

دروازہ کے سامنے جو راستہ مسجد کو جاتا ہے وہاں بڑا بازار ہے۔ بیرونی جانب سوق الخضر یہ (سوداگروں کی منڈی) اور سوق الحبابہ (اناج کی منڈی) واقع ہیں اور جابجا قہوہ خانہ بنے ہوئے ہیں۔

آنخضرت صلعم کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے اطراف میں چہاردیواری نہ تھی بلکہ ''قاسم الدولت الغوری'' نے اس کو تعمیر کروایا ہے اور شہر کو دوبارہ آباد کیا۔

یہاں چند عام عمارتیں ہیں اور مشہور ''وکالے'' تعداد میں چار ہیں (۱) وکالت باب السلام جو حرم شریف کے قریب واقع ہے۔ (۲) وکالت جبارتی ہے اور (۳ و ۴) ''باب المصری'' کے اندر واقع ہیں۔

کاروان سرائے: مدینہ منورہ کی کاروان سرائیں سکونت کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں بلکہ ان میں ذخیرہ رکھا جاتا ہے۔ اس لیے مسافروں کو رہنے کے لیے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ ان کو یا تو خانگی مکانات سکونت کے لیے تلاش کرنے پڑتے ہیں یا خیموں میں زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ صرف معمولی قہوہ خانہ ہیں۔ ''ہرات زراوان'' میں ایک نہایت عمدہ حمام ہے اور وہ شہر کے اندر واقع ہے اور ترکی حمام کے نمونہ پر بنا ہوا ہے۔ شہر میں تقریباً پچاس ساٹھ گلیاں و بازار ہیں۔ سات ہزار مکانات ہیں اور تخمیناً چالیس ہزار کی آبادی ہے۔

قلعہ: شہر کے شمالی مغربی جانب قلعہ واقع ہے۔ قلعہ کے چاروں طرف برج ہیں اور وہاں کنوئیں وغیرہ بھی ہیں اور آلاتِ حرب بھی موجود ہیں۔ یہ جبرالٹر کے قلعہ کے طرز پر ہے۔ نصف فوج یہاں اُترتھ کی ہے (جو آٹھ سو سے ہزار آدمیوں تک ہوتا ہے)۔ چار سو آدمیوں کی نصف کمپنی نظام انفنٹری کے نام سے موسوم ہے اور وہ ایک پاشا کے زیرِ حکم ہے۔ نیز پانسو کردوالبین ین وباش بزوک سپاہیوں پر بھی حکومت کرتا ہے جو قافلہ کی حفاظت کے لیے ہمراہ جاتے ہیں اور خزانہ لے جانے پر بھی مقرر ہیں۔

قلعہ کے شمالی جانب سڑک اُحد پر بہت سی کھڑکیوں کی ایک لمبی عمارت ہے۔ وہ پیشتر داؤد پاشا کا محل تھا اور اب مصر کے عباس پاشا نے خرید لیا ہے۔

مدینہ منورہ کے جنوب و مغرب کی جانب بیرون کی آبادی ہے۔ جانبِ جنوب ایک چوڑی سڑک درب الجنازہ ہے۔

درب الجنازہ: اس کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ جنازوں کو بعض دروازوں میں سے گزرنے کی اجازت نہیں ہے، وہ اس دروازہ سے اپنے قبرستان میں جنازہ کو لے جا سکتے ہیں۔ قبرستان باب الجمعہ یا مشرقی دروازہ کے باہر واقع ہیں۔

جانبِ غرب مدینہ منورہ کے قریب المناخہ چوتھائی میل کی لمبائی میں واقع ہے اور تین سو گز چوڑا ہے۔ بیرون میں چھوٹے چھوٹے دروازے ہیں جو دوسرے مقامات کی طرف جاتے ہیں۔ اِن میں جو سب سے بڑا ہے وہ مصر کے باب النصر کی نقل ہے۔ مغربی دروازہ کا نام عمباری ہے جس میں سے ہو کر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہیں۔ بیرون میں کوئی عمارت قابلِ تذکرہ نہیں ہے۔ صرف ایک عمارت قاشقیہ ہے جو گورنر (صوبہ) کے رہنے کا مکان ہے۔ ایک معمولی عمارت المناخہ کی ہے۔ خمسہ مساجد یا پانچ مسجدیں ہیں جن کو ہر ایک زائر کو دیکھنا مناسب ہے۔

(۱) مسجد محمدی: مناخہ میں واقع ہے۔

(۲) مسجد ابوبکرؓ: عین الزرقہ کے قریب واقع ہے۔

(۳) مسجد علیؓ: مناخہ کے ''زکاک طیار'' میں واقع ہے بعض مصنفین نے اس کا نام ''مصلیٰ عید'' رکھا ہے کیوں کہ پیغمبر خدا صلعم یہاں عیدین کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔

(۴) مسجد عمرؓ: یہ مسجد مناخہ کے بابِ قبہ میں واقع ہے اور ''السایۂ'' کے قریب ہے۔

(۵) مسجد بلالؓ: اس مسجد میں کتب کا ذخیرہ بہت تھا مگر اب وہاں کوئی کتاب نہیں ہے۔

چوں کہ یہ سب مسجدیں آپس میں مشابہ ہیں لہٰذا صرف ایک مسجد کی تفصیل یہاں کرنا کافی ہوگا۔

''مسجد محمدی'' مناخہ میں اس مقام پر واقع ہے جہاں خیال کیا جاتا ہے کہ مسجد لھامہ واقع تھا۔ بعض خیال کرتے ہیں ''مصلیٰ نبی'' کے اوپر اس مسجد کی بنیاد کو قائم کیا گیا ہے جہاں آنحضرت صلعم نے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد پہلے عید کی نماز ادا کی تھی اور وہاں اکثر نماز ادا کیا کرتے تھے اور ان حواریوں کو جو حرم شریف سے فاصلہ پر رہا کرتے تھے، تعلیم و تلقین فرمایا کرتے تھے۔ یہ مسجد اینٹ و پتھر سے بنی ہوئی ہے۔ اس پر ایک بڑا اور چار چھوٹے گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مینار رومی میناروں کی شکل کے بنے ہوئے ہیں۔ ان سب پر سفیدی کی ہوئی ہے اور وسط کے گنبد پر ایک بڑا ہلال لگا ہوا ہے۔

مکّہ معظّمہ و مدینہ منورہ کی آب و ہوا عمارت کے لیے کچھ مفید نہیں ہے کیوں کہ موسمِ سرما میں مرطوب اور موسمِ گرما میں خشک رہتی ہے۔ چونا ناقص ہوتا ہے۔ کھجور کے درخت کا چوبینہ جلد خراب ہو جاتا ہے اور چند سال کی غفلت میں عمارت نیست و نابود ہو جاتی ہے۔

جنوبی اطراف: اطرافِ مدینہ منورہ جو جانبِ جنوب واقع ہے، گاؤں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور ان کے درمیان کاشت ہوتی ہے اور باغات ہیں جو عموماً یک منزل مکانات کے سامنے لگائے جاتے ہیں۔ ان احاطوں میں باشندے مویشی بھی رکھتے ہیں جس میں مضبوط دروازے لگے ہوتے ہیں۔ اطراف و جوانب کے رہنے والے عموماً بدوی لوگ ہیں۔ ان کے علاوہ جنوبی اطراف میں اور شمال و شمال مشرقی جانب کھجوروں کے باغات ہیں اور زراعت کا دور تک سلسلہ چلا گیا ہے۔

مسجد النبوی: مسجد النبوی منجملہ تین مساجد کے ایک ہے جو بلحاظ اپنے تقدس کے دنیا میں مشہور و معروف ہیں۔اول مسجد الحرام جو مکّہ معظّمہ میں واقع ہے اور حضرت ابراہیم کی یادگار ہے۔

دوسرے مسجد الاقصیٰ جو بیت المقدس میں واقع ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی یادگار خیال کی جاتی ہے۔

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسجد النبوی میں ایک وقت کی نماز ادا کرنا، ہزار نمازیں پڑھنے کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لیے ہر حاجی کا فرض ہے کہ وہ پنج وقتہ نماز وہاں ادا کیا کرے۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے بعد باب السلام سے زیارت کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد باب الرحمہ میں داخل ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ، حرم شریف علیٰ صاحبہا افضل الصلوۃ والتسلیم کے پانچ دروازہ ہیں یعنی باب السلام، باب الرحمۃ، باب النساء، باب جبریل، باب المجیدی۔

طول وعرض ونقشہ: مسجد النبوی کا صحن مستطیل ہے جو تقریباً چار سو بیس فٹ طویل و تین سو چالیس فٹ عریض ہے۔شمال و جنوب کی جانب ایک لمبی چاردیواری کا سلسلہ چلا گیا ہے۔مسجد النبوی کا باغ تقریباً اسّی فٹ طویل ہے اور نہایت محنت سے تیار کیا گیا ہے۔ سطح مرتفع سے چار قدم نیچے چار تنگ راستے ہیں۔

مجیدی رواق: شمال کی طرف چھوٹی دیوار کے اندرونی جانب مجیدی رواق کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ یہ رواق سلطان عبدالمجید خاں نے تعمیر کروایا ہے اور انھیں کے نام سے موسوم ہے۔اس عمارت کی تیاری اور ستونوں کی بلندی کا اندازہ کر کے یہ حصہ دیگر حصوں پر سبقت لے گیا ہے۔اسی کے سلسلہ میں چاردیواری کے اندرونی جانب چاروں طرف متعین ستونوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔

مسجد رواق: جانبِ شمال ایک چھوٹی سی دیوار کا سلسلہ چلا گیا ہے اور اسی جانب مسجد

رواق ہے۔

باب الرحمۃ: جانبِ غرب رواق باب الرحمۃ ہے۔

باب النساء: جانب شرق باب النساء ہے۔ چوں کہ یہ دروازہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مزارِ مبارک کے قریب واقع ہے۔ مسجد النبوی میں داخل ہونے کے وقت مستورات اسی سے جاتی ہیں۔ جنوبی دیوار کے اندرونی جانب متعدد ستون واقع ہیں اور روضۂ مبارک کا راستہ اسی مقام پر واقع ہے۔ چاروں رواق کے بیرونی جانب محرابیں ہیں اور اندرونی جانب مختلف اشکال کے متعدد سنگ سماق کے ستون تراشے ہوئے ہیں۔

ممبر [منبر] سلیمانی اور محراب النبوی: ابتدائی نماز مواجہات الشرفاً میں ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بائیں جانب ایک چھوٹی سی قدِ آدم دیوار ہے جس میں چار دروازے ہیں اور ان کا راستہ مواجہات کی جانب ہے۔ یہاں محراب سلیمانی یا منبر اور محراب النبوی واقع ہیں اور اس کو زائرین مصلیٰ شافعی بھی کہتے ہیں۔ اس منبر کو سلطان سلیمان نے قسطنطنیہ سے تیار کروا کر بھجوایا تھا، اسی بادشاہ نے مینار سلیمانیہ بھی تیار کروایا تھا۔ یہ منبر متعدد نازک ستونوں کا بنا ہوا ہے اور مختلف رنگ کا سنگ مرمر بھی اس میں لگایا گیا ہے۔ جابجا نہایت خوش نمائی کے ساتھ خطِ ثلث میں مختلف آیات قرآنی کے کتبے کندہ کیے ہوئے ہیں۔

روضۂ مبارک: روضۂ مبارک چھوٹی دیوار کے مغربی چھوٹے دروازہ سے گزرنے کے بعد وہ مشہور و معروف مقام آتا ہے جو روضۂ مبارک کے نام سے موسوم ہے۔ جانبِ جنوب چھوٹی دیوار کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور جانبِ شرق جس کی حد مغربی جانب تک ہے، وہیں مزارِ مبارک ہے۔ روضۂ مبارک میں سنگ مرمر کا فرش کیا ہوا ہے اور اس پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔ روضۂ مبارک کے اطراف نہایت مصفّا چاندی و تانبے و پیتل کی بنی ہوئی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور ان پر سونے کا ملمع کیا ہوا ہے۔ یہ جالیاں قاید بے مملوک سلطان مصر نے

بطورِ نذر تیار کروا کر لگوائی ہیں۔ سلطان المعظم کی جانب سے بڑے بڑے شمع دان جن میں نہایت موٹی مومی بتّیاں روشن ہوتی ہیں، چڑھائے گئے ہیں۔ رات کے وقت اس قدر روشنی ہوتی ہے کہ روشنی کی چمک سے جو جالیوں پر پڑتی ہے، آنکھ ان کو دیکھنے سے عاجز رہ جاتی ہے۔ روضۂ مبارک ایک حجرہ کی شکل کا بنا ہوا ہے جو پچپن فٹ طویل اور پچاس فٹ عریض ہے۔ روضۂ مبارک جنوبی مشرقی جانب واقع ہے۔ مسجد اور روضۂ مبارک کے درمیان چھبیس فٹ عریض جانبِ جنوب ایک راستہ ہے اور وہی راستہ جانبِ شرق بیس فٹ عریض ہے۔ روضۂ مبارک مسجد سے علیحدہ ہے کیوں کہ آنحضرت صلعم نے جناب باری میں دُعا کی تھی کہ یا خدا اپنے بندوں کو ہدایت کر کہ وہ میری قبر کو پرستش گاہ نہ بنائیں۔ اسی وجہ یہاں احرام باندھ کر حاضر ہونے اور طواف کرنے کا حکم نہیں ہے۔ روضۂ مبارک کے اندر کہا جاتا ہے کہ چار قبروں کی جگہ ہے لیکن تین مزارات بنے ہیں۔ ان کے اطراف میں ایک سنگین دیوار احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس میں کوئی دروازہ نہیں ہے۔ احاطہ بیرونی کی اندرونی جانب تنگ و تاریک راستہ ہے اور یہاں خطِ ثلث میں آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔ اندرونی چار دیواری کے اندر کسی فرد بشر کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱) جانبِ شرق باب فاطمہ ہے۔

(۲) جانبِ غرب باب التوبہ اور وہ روضۂ مبارک کی جانب نکلتا ہے۔

(۳) تیسرا باب الشامی ہے جس کو باب المواجہہ بھی کہتے ہیں۔

ماسوائے اس دروازہ کے جو باب فاطمہ کے نام سے موسوم ہے، دوسرے دروازے بند رہتے ہیں اور اس دروازہ میں صرف خواجہ سرا اہل خدمت جو فرش جھاڑنے، روشنی کرنے اور نذر نیاز چڑھانے کے لیے متعین ہیں، جاتے ہیں۔ مزارِ مبارک کے اوپر چھوٹی کھڑکیاں ہیں۔ چار دیواری کے جنوبی جانب تین چھوٹی کھڑکیاں ہیں جو صرف نصف فٹ مربع ہیں اور سطح زمین سے چار پانچ فٹ اوپر واقع ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مزارِ مبارک سے تین یا چار فٹ کے فاصلہ پر ہیں۔

(۱) جو کھڑکی جانبِ غرب واقع ہے اس کا نام شباک النبی ہے اور وہ ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ مبارک کے اوپر واقع ہے۔

(۲) دوسرے بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے مزار کے اوپر واقع ہے۔

(۳) مشرقی جانب جو کھڑکی ہے وہ حضرت عمر فاروق ؓ کے مزار کے اوپر واقع ہے۔

گنبد و کلس: مزارِ مبارک کے اوپر سبز گنبد بنا ہوا ہے اور اس پر ہلالی شکل کا کلس لگا ہوا ہے۔

مزارِ مبارک کے اطراف میں ایک پردہ یا غلاف پڑا ہوا ہے جو سلطان المعظم کی طرف سے بطور ہدیہ بھیجا جاتا ہے اور اس کو کسوا کہتے ہیں۔ یہ غلاف سبز ریشم کا بنا ہوا ہوتا ہے اور کارچوبی کام کے طلائی و روپہلے حروف میں خطِ ثلث سے آیاتِ قرآنی لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جب نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے تو پرانے غلاف کو بطورِ تبرک پارچہ کر کے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

حضرت بی بی فاطمہؓ کا مزارِ مبارک حجرۂ مبارک کے متصل ہے اور ایک پتلی دیوار کھنچی ہوئی ہے، اس کی دوسری جانب ہے اس میں داخل ہونے کا راستہ باب النساء کی جانب ہے۔

باب السلام: یہ دروازہ پہلے باب الاطاق کے نام سے موسوم تھا۔ یہ دروازہ مسجد کی طویل دیوار کے جانب مغربی حصہ کی جانب ہے۔ یہ ایک نہایت خوشنما محراب ہے جس کے اوپر نہایت خوبصورتی کی ساتھ سنگ مرمر کی پچی کاری کی گئی ہے۔ اس کے ہر دو جانب متعدد کتبے سنہرے حرفوں میں لکھے ہوئے نصب ہیں اور وہ رات کے وقت روشنی میں نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ دروازے لکڑی کے بنے ہوئے ہیں، ان پر پیتل کا پتّر چڑھا ہوا ہے اور اسی کی کیلیں لگی ہوئی ہیں۔ دروازہ کے بیرونی جانب ایک چھوٹی سی سبیل لگی ہوئی ہے۔ زائرین یہاں مسجد کے دروازہ کی بیرونی سیڑھیوں پر جمع ہوتے ہیں۔ دروازہ کے اندر قریب ہی کتب خانہ مسجد نبوی ہے۔

باب الرحمۃ: مغربی دیوار کے تقریباً وسط میں باب الرحمۃ ہے۔ جب مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کسی مردہ کو لاتے ہیں تو اسی جانب سے لے جانے کی اجازت ہے۔ اس میں بڑے بڑے تہ ہونے والے دروازے لگے ہوئے ہیں اور ان پر لوہا منڈھا ہوا ہے۔ بیرونی جانب سے چند سیڑھیاں چڑھ کر اس میں داخل ہوتے ہیں اور اس پر چند کتبے بھی نصب کیے گئے ہیں۔

باب مجیدی: یہ دروازہ سلطان عبدالمجید خاں کا بنایا ہوا ہے جو شمالی دیوار کے وسط میں واقع ہے۔ ماسوائے باب السلام کے دوسرے دروازوں سے زیادہ خوشنما ہے۔

باب النساء: یہ دروازہ باب الرحمۃ کے سامنے مشرقی دیوار میں ہے۔ اس کا سلسلہ فرش الحجر سے جا ملتا ہے۔ پتھروں کا فرش سطح دہلیز کی دو تین سیڑھیوں سے نیچے واقع ہے۔ یہ دروازہ سب سے پہلے ۳ بجے شب کے قریب کھلتا ہے۔

باب جبرئیل: یہ سب سے آخری دروازہ ہے جو مشرقی دیوار کے جنوبی حصہ میں واقع ہے۔ اِن تمام دروازوں کی جانب مختلف بازار ہیں اور ہر ایک دروازہ میں چند سیڑھیاں چڑھنے کے بعد داخل ہونا پڑتا ہے کیوں کہ بیرونی زمین سے مسجد نبوی کی سطح مرتفع زیادہ بلند ہے۔ عموماً دروازے عشاء کی نماز کے بعد ہی خواجہ سرا جو دروازوں کی حفاظت پر متعین ہیں، بند کر دیتے ہیں مگر ماہِ رمضان المبارک میں اور حج کے زمانہ میں جبکہ زائرین وہاں جمع ہوتے ہیں، کھلے رہتے ہیں۔ باب جبرئیل کے سامنے کچھ بڑھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مکان ہے اور اسی مکان میں آپ شہید کیے گئے۔

مینار: مسجد کے مینار تعداد میں پانچ ہیں لیکن شکل، وضع و بلندی وغیرہ میں یکساں نہیں ہیں۔

(۱) شکیلیہ: عمارت کے شمال مغربی جانب واقع ہے۔

(۲) مینار باب السّلام۔ یہ مینار باب السّلام کے دروازہ کے قریب ہی واقع ہے۔ یہ

ایک نہایت لمبا اور خوشنما مینار ہے، اوپر کا گنبد مخروطی شکل کا ملمع کیا ہوا ہے۔

(۳) مینار باب الرحمۃ: یہ مینار مغربی دیوار کے وسط میں واقع ہے بہ نسبت دوسری میناروں کے، اس کی وضع سادہ ہے۔ اس میں دو اندرونی راستے بنے ہوئے ہیں۔ اس کا اوپر کا حصہ گول ہے اور اس پر مخروطی شکل کی چھت بنی ہوئی ہے۔

(۴) مینار سلیمانیہ: مسجد نبوی کے شمال مشرقی زاویہ پر مینار سلیمانیہ واقع ہے۔ یہ سلطان سلیمان کی یادگار میں تعمیر کیا گیا تھا، نہایت مضبوط پتھر کا بنا ہوا ہے اور تین حصوں پر مشتمل ہے۔ نیچے کے دو حصوں کے پانچ کونے ہیں اور اوپر کے حصے گول ہیں ہر ایک حصہ کے اختتام پر ایک چبوترہ بنا ہوا ہے اور چڑھنے کے لیے لوہے کے کٹہرے دار زینے لگے ہوئے ہیں۔

(۵) مینار رئیسیہ: یہ مینار مسجد کے جنوبی مشرقی زاویہ پر واقع ہے جو رؤسا یا مؤذنوں کے سردار کے نام سے موسوم ہے۔ اسی مقام پر کھڑے ہو کر حضرت بلالؓ نے اوّل مرتبہ اذان کہی تھی۔ مینار سلیمانیہ کے مانند اس کے بھی تین کھنڈ ہیں، جس میں سے پہلے اور دوسرے درجہ پانچ زاویہ کے ہیں اور تیسرا حصہ گول ہے، اس میں لوہے کے کٹہرے دار زینے لگے ہوئے ہیں۔

ستون: رواق یا محرابیں بھی مختلف طور پر صحن کے مختلف مقامات میں چاروں طرف ہیں۔ شمالی جانب کی دیوار کا رواق سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور اس پر سنگ مرمر لگا ہوا ہے۔ مشرقی رواق میں ستونوں کی تین قطاریں ہیں۔ جانبِ غرب چار قطاریں ہیں اور جانبِ جنوب جہاں مزار مبارک واقع ہے، وہاں جو ستون عمارت میں نصب ہیں، وہ مختلف اقسام کے ہیں۔ بعض نہایت عمدہ سنگ مرمر کے ہیں اور بعض معمولی پتھر کے بنے ہوئے ہیں اور ان پر چونے کی استر کاری کی ہوئی ہے۔ وہ ستون جو جانبِ جنوب واقع ہیں، مسجد نبوی کے اور ستونوں سے زیادہ بڑے ہیں۔

اسطوانۃ المخلق: تاریخ اسلامی کے لحاظ سے ان میں سے تین ستون نہایت مشہور ہیں۔ ہر ایک ستون پر نام لکھے ہوئے ہیں۔ پہلے کا نام المخلق ہے اور یہ نام اس وجہ سے ہے کہ

یہاں خوشبو جلائی گئی تھی (خلوق ایک خوشبودار چیز ہے)۔ یہ ستون محرابِ نبوی کے قریب دائیں جانب جہاں امام نماز ادا کرتا ہے، واقع ہے۔

اسطوانۃ الحنانہ: یہ ستون اس جگہ کی بھی نشاندہی کرتا ہے جہاں منبر کی ایجاد سے پیشتر آنحضرت صلعم ''اسطوانۃ الحنانہ'' (ستون گریان) کے قریب بعد نمازِ جمعہ خطبہ پڑھا کرتے تھے۔

اسطوانۃ عائشہ صدیقہؓ: یہ ستون منبر سے تیسرے درجہ پر واقع ہے اور حجرۂ مبارک سے بھی تیسرے درجہ پر ہے۔ یہ ستون حضرت عائشہ صدیقہؓ کہلاتا ہے اور اسطوانۃ بالقرع کے نام سے بھی موسوم ہے، بعض کتابوں میں اس کا نام اسطوانۃ المہاجرین بھی لکھا ہے۔

اسطوانۃ ابولبابہ یا ستون توبہ: حجرۂ مبارک سے دوسرے نمبر اور منبرِ مبارک سے چوتھے درجہ پر ستونِ توبہ ہے جو ابولبابہ کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ابولبابہ نامی ایک شخص مدینہ منورہ کا باشندہ تھا جو ابتدا میں یہودی تھا مگر آنخضرت صلعم پر ایمان لانے کے بعد ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ زمانۂ کفر میں اس نے آنخضرت صلعم کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کیا تھا۔ بعدازاں اپنے افعال پر نادم ہو کر توبہ کی، جہاں اب بطور یادگار ستون واقع ہے۔ ایک کھجور کا درخت تھا، وہاں اپنے تئیں زنجیروں میں بندھوا کر جناب باری میں اپنی خطا کی معافی کے لیے نہایت زاری کے ساتھ دُعا مانگی۔ دس یوم کے بعد اس کی دُعا قبول ہوئی اور خطا معاف کر دی گئی۔

اسطوانۃ السریر: کچھ ستون ایسے بھی ہیں جو زیادہ مشہور نہیں ہیں منجملہ اُن کے ایک ستون ہے جو اسطوانۃ السریر کے نام سے موسوم ہے (یعنی ستون چارپائی)۔ یہاں آنخضرت صلعم کھجور کی لکڑی کی چارپائی پر بیٹھ کر اعتکاف کیا کرتے تھے۔

اسطوانۃ العلی کرم اللہ وجہٗ: یہ ستون اسطوانۃ العلی کے نام سے مشہور ہے۔ وہ

اس مقام کو ظاہر کرتا ہے جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بوقتِ شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز ادا کرتے تھے۔

اسطوانۃ الوفود: یہ ستون اسطوانۃ الوفود کے نام سے موسوم ہے۔ اس مقام پر بیرونی ممالک سے جب لوگ سعادتِ اسلام حاصل کرنے کو آتے تھے تو آنحضرت صلعم اس مقام پر تشریف فرما ہوتے تھے۔

اسطوانۃ التہجد: اسطوانۃ التہجد اس مقام پر واقع ہے جہاں آنحضرت صلعم بوریہ پر بیٹھ کر یادِ خدا اور شب بیداری میں مشغول رہا کرتے تھے اور نمازِ تہجد ادا فرماتے تھے۔

مقام جبرئیل: آخری ستون کا نام بعتہ البعیر یا مقام جبرئیل ہے۔
(تصحیح): آخری ستون کا نام ''مربط البعیر'' یا مقام جبرئیل ہے۔

باغ فاطمہؓ: مسجد نبوی کے چاروں رواق یا محرابوں کے درمیان ایک مستطیل وضع کا صحن ہے، اس کے وسط میں ایک مشہور مقام ہے جو ''باغ فاطمہؓ'' کہلاتا ہے۔ یہ باغ ایک مربع شکل کا ہے اور چاروں طرف لکڑی کا احاطہ ہے۔ یہاں اب صرف چند کھجور کے درخت ہیں۔ ان درختوں کی کھجوریں بطورِ تبرک سلطان المعظم اور دیگر عمائدین کے پاس وہاں کے خدام روانہ کرتے ہیں۔ ان کھجور کے درختوں میں سدرہ کا درخت بھی ہے۔ اس کے پھل کو ''نبک'' کہتے ہیں جو کھانے کے کام آتا ہے اور بہت قیمت سے فروخت ہوتا ہے۔ اس کے پتّے پانی میں جوش دے کر مردے کو غسل دینے کے کام میں آتے ہیں۔ ایک چھوٹی دیوار سے گزر کر اس باغ میں داخل ہوتے ہیں۔ مسجد نبوی کے قریب جلانے کے چراغ اور موم بتیاں رکھی جاتی ہیں۔ جنوب مشرقی حصہ کی جانب ایک کنواں ہے۔

چاہ کوثر: اس احاطہ کے جنوب مشرقی کونے پر مشہور چاہ کوثر ہے۔ اس کے اوپر لکڑی کے ستون و گنبد بنے ہوئے ہیں، اس کو ''بیر النبیؐ'' یا حضرت پیغمبر صلعم کا کنواں بھی کہتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں اس سے زیادہ شیریں اور ہلکا پانی کسی اور کنوئیں کا نہیں ہے۔ چاہ کوثر اور مشرقی رواق کے درمیان کتب خانہ ہے۔ کھجور کے باغ سے چندفٹ جنوب میں ایک لکڑی کی اوٹ ہے جو سبز رنگی ہوئی ہے اور امام و مقتدیوں کے درمیان رکھی ہوئی ہے اور بہت سے متبرک مقامات ہیں لیکن بہ نظرِ اختصار ہم زیادہ نہیں لکھتے اور بیرون شہر روانہ ہوتے ہیں۔

جبل اُحد: جبل اُحد کی نسبت مشہور ہے کہ وہ جنت کے چار پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے اور مشہور ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس کے ایک غار میں کفار سے پناہ لی تھی۔ اس میں پانی کے چند چشمہ بھی ہیں۔ جنگ اُحد جو بتاریخ ۱۱رشوال سنہ۳ ہجری مطابق ۲۶رجنوری سنہ۶۲۵ء ہوئی۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۷۰۰ آدمیوں کے ساتھ تین ہزار کفار سے جن کا سردار ابوسفیان تھا، مقابلہ کیا۔ لڑائی کی حالت بہت نازک ہوگئی تھی اور اسی اثناء میں آنحضرت صلعم کے چچا حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

ہم حرمِ مبارک سے بعد نمازِ ظہر جمعرات کو حضرت امیر حمزہؓ کے مزارِ مبارک کی طرف (جو جبل احد کے دامن میں واقع ہے) زیارت کرنے کے لیے ''برالمناخہ'' کی بھیڑ بھاڑ سے بچ کر اور پل پر سے ہوتے ہوئے قلعہ کی جنوبی دیوار سے گزر کر ''باب الشامی'' سے باہر نکلے۔ شہر کے باہر جانبِ شمال حاجیوں کے خیمے نصب تھے۔ جانبِ راست کھجوروں کی کاشت کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور حاجیوں کے آرام کے لیے پانی کے کنویں جابجا موجود ہیں۔

ہم دو چھوٹی عمارتوں کے قریب سے گزرے جن میں سے ایک کا نام ''قبتہ السباق'' ہے جہاں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہادر اصحاب فنِ شہسواری دکھلایا کرتے تھے۔ دوسرا مکان سیدنا ذکی الدینؒ کا مزار مبارک ہے جو حضرت پیغمبر صلعم کے خاندان سے ہیں۔ پھر ہم ایک ایسے میدان میں سے گزرے جو چنداں زرخیز نہیں ہے۔

قبہ ہارون: جبل احد کی چوٹی پر ایک گنبد واقع ہے، اس کا نام قبہ ہارون ہے۔ یہ حضرت ہارون کا مدفن بیان کیا جاتا ہے۔ دین دار مسلمان پنج شنبہ کے روز جبل احد کی زیارت کرنے کے لیے جاتے ہیں اور بارہویں رجب المرجب کو زائرین بکثرت وہاں آ کر جمع

ہوتے ہیں اور تین چار روز تک ڈیرے خیمے لگا کر وہاں رہتے ہیں، مرادیں مانتے ہیں، دعوتیں کرتے ہیں، فاتحہ وغیرہ دیتے ہیں۔سوار ہو کر نصف گھنٹے کے بعد ہم مستراح (آرام کرنے کی جگہ) پر پہنچے۔ یہ جگہ اس واسطے مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد کے وقت چندمنٹ یہاں قیام فرمایا تھا۔ بیرونی جانب مدینہ منورہ کے رُخ پر معمولی پتھروں کی ایک اونچی جگہ بنی ہوئی ہے، ہم نے یہاں بھی فاتحہ پڑھی۔

باغ جبل اُحد: اس کے بعد ہم جبل احد کے باغ میں گئے، اسی مقام پر ایک ندی ہے۔ بارش کے بعد اس کا پاٹ بہت چوڑا ہوجاتا ہے اور قابل عبور نہیں رہتا ہے اور بعض اوقات جب طغیانی آتی ہے تو اطراف کے باغات میں پانی پھیل جاتا ہے۔ یہ ندی مدینہ منورہ کے مغربی گھاٹ کی جانب بندرگاہ وجہہ میں پہنچ کر سمندر میں جاملتی ہے۔ جانب جنوب ایک گاؤں ہے جس میں خشت کے مکانات بنے ہوئے تھے مگر اب کھنڈر ہوگئے۔ یہ مکانات ان لوگوں کے ہیں جو بطورِ تفریح وتبدیل آب وہوا سیدنا امیر حمزہؓ کے مزار کے قریب قیام کرتے تھے۔

میدانِ جنگ: اب ہم جانبِ شمال روانہ ہوئے۔ تھوڑی سی ڈھلان سے گزرنے کے بعد میدانِ جنگ میں پہنچ گئے۔ یہ مقام جو جبل اُحد کے جانبِ جنوب واقع ہے، تاریخ اسلام میں نہایت مشہور ہے۔ کفار کی فوج ہلال کی شکل میں، ابوسفیان سپہ سالار کی ماتحتی میں روانہ ہوئی۔ مدینہ منورہ سے یہ مقام تین میل کے فاصلہ پر ہے اور جانبِ شمال واقع ہے۔ اس میدان میں مختلف مقامات پر رنگین پتھر، سرخ ریت وغیرہ اُن مقامات کو ظاہر کرتی ہے جہاں کہ مہاجرین شہید ہوئے اور دفن کیے گئے۔ سڑک کے دائیں جانب سیدنا امیر حمزہؓ کی مسجد کے سامنے ایک بڑی عمارت تھی جو اب کھنڈر ہوگئی ہے۔ یہاں ایک بڑی سرنگ ہے جو کنوئیں کی جانب جاتی ہے۔ مسافروں کے آرام کے لیے بہت بڑا چبوترہ بنا ہوا ہے۔ جبل اُحد کی جانب بہت سی چھوٹی چھوٹی عمارتیں ہیں۔

مسجد سیدنا امیر حمزہؓ: جانب شمال جو سڑک واقع ہے، اس کے بائیں جانب جو راستہ پہاڑوں کی طرف جاتا ہے، وہاں سیدنا امیر حمزہؓ کی مسجد ہے۔ یہ مسجد ایک مربع سنگین چبوترہ کے اوپر واقع ہے اور تمام مسجد پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ جانبِ جنوب ایک گنبد ہے اور معمولی مینار ہیں۔ جانبِ غرب ایک دالان ہے جہاں مشہور صوفی اور ولی اللہ جمع ہوتے ہیں اور مشرقی جانب ایک عمارت ہے اور ایک چھوٹا دروازہ جانبِ جنوب ہے۔ دروازوں پر آیاتِ قرآنی و اشعار کندہ ہیں۔ رواق یا محراب کے نیچے حضرت امیر حمزہؓ کا مزارِ مبارک ہے اور سنگ سیاہ کا اس پر تعویذ لگا ہوا ہے۔ جانبِ غرب عبداللہ بن جیش صحابی کی قبر ہے اور صحن میں شماس بن عثمان کی قبر ہے۔ مسجد سے نکل کر چند قدم ہم پہاڑ کی جانب گئے، اس جگہ چھوٹی سی چاردیواری کے بیچ میں چند قبریں ہیں۔ یہاں بھی چند ایسے اصحاب کی قبور ہیں جو جنگ میں شہید ہوئے تھے نیز اس مقام پر آنحضرت صلعم نے نماز بھی پڑھی تھی۔

قبۃ السنایہ: اس جگہ کا نام قبۃ السنایہ رکھا (یعنی مقبرہ دندانِ مبارک)۔ اس کی نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ جنگ اُحد میں پانچ کفار نے آنحضرت صلعم کو شہید کرنے کی قسم کھائی۔ کفار میں سے ایک شخص مسمیٰ ابن کمیہ نے ایسے پتھر برسائے کہ آنحضرت صلعم کے خودِ مبارک کے دو حلقے رخسار مبارک میں چھد گئے، رخسارِ مبارک سے خون جاری ہو گیا تو آپ نے چوغہ سے خون کو پونچھا تا کہ خون کے قطرے زمین پر نہ گر جائیں۔ پھر عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر آپ کی جانب کھینچ کر مارا جو آپ کے لب مبارک کو لگا، اس کے صدمہ سے سامنے ... *

... کپڑا بندھا ہوا تھا، دستیاب ہوا، اس میں پیتل کی کیلیں لگی ہوئیں تھیں اور یقین کیا جاتا تھا کہ یہ تابوت حضرت علیؓ کا ہے جس کو حضرت امام حسینؓ نے اس مقام پر دفن کیا تھا، لیکن اس روایت پر اجماع نہیں ہے۔

قبہ حضرت صفیہؓ: البقیع کے دروازہ سے باہر نکلنے کے بعد ہم نے قبرستان کی جانب رُخ کر کے عام فاتحہ پڑھی اور جانبِ شمال شہر کے دروازہ کو بائیں جانب چھوڑتے ہوئے روانہ ہوئے اور ایک چھوٹے سے گنبد میں پہنچے۔ یہ مزار آنحضرت صلعم کی پھوپی صاحبہ حضرت صفیہ

رضی اللہ عنہا، ہمشیرہ سیدنا امیر حمزہؓ اور والدہ حضرت زبیرؓ کا ہے۔

البقیع سے واپس آ کر مسجد نبوی میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ خوش قسمتی سے بندہ کو امام کے پیچھے پہلی صف میں نمازِ جمعہ اور اور نمازوں کے لیے جگہ مل گئی تھی۔ رسول اللہؐ کی سرفرازیوں کا شکریہ ادا نہیں کرسکتا۔ بعد نماز دیر تک روضۂ مبارک کے سامنے ادب سے حاضر رہا اور جو کیفیت طاری ہوئی وہ دل ہی جانتا ہے۔ مولوی شاہ موسیٰ صاحب نقشبندی اور ان کے برادرِ معظم کی خدمت میں حاضر ہو کر بتعمیلِ ارشاد دعوت کھائی اور خانقاہ شریف کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ بڑا بابرکت مکان ہے۔ جمعہ کی شام کو مسجدِ نبوی میں اس غلام نے مولود شریف کی محفل منعقد کی۔ نقشبندی مشائخینِ خانقاہ شریف دہلی اور بعض علماء فرنگی محلی لکھنؤ جو اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں موجود تھے اور بہت سے علماء و مشائخین جو حج کے قرب کی وجہ سے وہاں تشریف رکھتے تھے اور اہل مدینہ شریک ہوئے۔ حلوا و شیرینی کثرت سے تقسیم ہوئی۔ **الحمد للّٰہ** غلام کی یہ تمنّا برآئی۔ مسجدِ نبوی میں اس محفل کا بخیر و خوبی ہو جانا اپنی خوش نصیبی اور مکّہ کی سفر کی اجازت سمجھی، زیادہ عرض کرنا بے ادبی وافشاء راز ہوگا۔ طریقہ مولود شریف پڑھنے کا برزنجی تھا جو ہندی طریقہ سے مختلف ہے۔ جنھوں نے دونوں طریقوں کو دیکھا اور سنا ہے وہ خود فیصلہ کرسکتے ہیں۔

ایک مجذوب صاحب جن کو یہاں لوگ منجملہ اشخاص اہل خدمت کہتے ہیں، کئی بار مجھ کو مختلف مقامات پر ملے اور بہت مہربانی کے ساتھ میرے ساتھ پیش آئے۔ میں ان سے نہایت ادب کے ساتھ ملتا رہا۔ خدا کرے ان کے ارشادات مقبول ہوں اور میری عاقبت بخیر ہو۔ مدینہ منورہ میں اس عاجز نے علامہ سید محمد امین رضوان اور علامہ سید احمد برزنجی اور محمد بن یوسف ملک باشلی نبیرہ حضرت مولانا سید علی حریری مدنی قدس اللہ سرہٗ و مولانا عبدالباقی صاحب کی شاگردی اختیار کی اور ان سے سندیں حاصل کیں۔ گیارہ بجے دوپہر کو شنبہ کے دن ہم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔

دل نمی خواهد که برخیزم زدرگاه تو زود
لیک چوں سازم سر من لایق کویت نبود

مسجد قبلتین: چوں کہ اس زمانہ میں بیرون شہر بدوی لوگ شورش کر رہے تھے اور بدامنی تھی، اس وجہ سے ہم مسجد قبلتین نہیں جاسکے۔ مدینہ منورہ کے شمال مغربی جانب ''وادی العقیق'' کے قریب مسجد قبلتین ہے۔ بعض لوگ مسجد ''تقویٰ'' کو بھی جو قبہ میں واقع ہے، مسجد قبلتین کہتے ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم ''اُم مُبشر'' ضعیفہ کے مکان پر تشریف لے گئے اور کھانا تناول فرمانے کے بعد نمازِ ظہر مسجد بنی سلمہ میں ادا کی اور بیت المقدس کی جانب منہ کرکے نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد جب وحی نازل ہوئی تو جانبِ جنوب منہ کرکے نماز ادا فرمائی۔

(باقی حالاتِ سفر جداگانہ چھاپے گئے)

حواشی

(1) Salsette (2) Marah (3) Timsah (4) Bolah (5) Menzalah (6) Quay (7) Richon Le Zion (8) Apollonia (9) Castelum Peregrinorum (10) Athlit (11) Zion (12) Ahab (13) Sycaminium (14) Sesame (15) Tolemais (16) Tyre (17) Jaida (18) Josephus (19) Zobeidi (20) Maria de Tremore (21) Hattin (22) Marionites (23) Nave (24) Terallio (25) Mater Dolorosa (26) St. Joachim (27) Ancona (28) Loretto (29) Wali Simon (30) Mountains of Samaria (31) Galilee (32) Reineh (33) Al meshheb (34) Kafr Kenna (35) Nathaniel (36) Dean Stanley (37) Tabor (38) Gennesareth (39) Magdala (40) Mary Magdalene (41) Capernaum

(42) Beth Saida (43) Chorazim (44) Tiberias (45) Galilee (46) Chromis Simonis (47) Coracinus of Josephus (48) Sephardim (49) Ash Kemazin (50) Meir (51) Jordan (52) Mount Hermon (53) Huleh (54) Mahadet Hajleh (55) Henu (56) Hieromyces (57) Eusebius (58) El-Shajarah (59)Tel-el-Makarim (60) Wadi-es-Shallaleh (61) Edrei (62) Rebah (63)Amonites (64) Joab (65) Byzantine (66) Ophir (67) Aelana (68) Haila (69) Ezion Geber

نوٹ: اس کتاب کا انگریزی حصہ یہاں شامل نہیں کیا گیا ہے، بیگم سربلند کے سفرنامے کے انگریزی ترجمے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ دیکھیے:

A Journey to Mecca and London
The Travels of an Indian Muslim Women, 1909-1910
Translated and edited by Daniel Majchrowicz
Indiana University Press, 2025
pp.252-256

* میری کوتاہی ہے کہ یہاں ایک صفحہ ٹائپ ہونے سے رہ گیا ہے۔

سفرنامۂ قسطنطنیہ

یعنی

میرے روزنامچہ سیاحت کے چند صفحے

مشتمل بر

حالاتِ سفر بحری از اسکندریہ تا بہ قسطنطنیہ

مصنفۂ

عالی جناب الحاج افضل العلما نواب محمد حمید اللہ خان صاحب
سر بلند جنگ بہادر ایم۔اے۔کیمبرج یونیورسٹی و بیرسٹرایٹ لا
لنکنز ان

قاسم پریس، حیدر آباد دکن میں طبع ہوا

بسم الله الرحمن الرحیم

ڈیڈیکشن

میں اپنے اس ناچیز سفرنامۂ قسطنطنیہ کو اُن جاں باز شہداء اور مردانِ راہِ خدا کے ناموں پر جنھوں نے اپنے ملک وقوم کی عزت رکھنے کی خاطر اپنی عزیز جانیں جنگ میں قربان کی ہیں اور اس وقت جن کے غم میں اخوتِ اسلامی کے باعث مسلمانانِ روئے زمین مغموم اور اندوہگین [ہیں]، معنون کرتا ہوں۔

الحاج محمد حمید اللہ سر بلند جنگ افضل العلماء
ایم۔ اے (کیمبرج یونیورسٹی) و
بیرسٹر ایٹ لا۔ لنکنز ان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

اسکندریہ سے سمرنا تک بحری سفر

گر در سفرم توئی رفیق سفرم　　در در حضرم توئی امین حضرم
القصہ بہر کجا کہ باشد گزرم　　جز تو نبود ہیچ پناہِ دگرم

۱۹؍جنوری ۱۹۱۰ء۔ ہم مصر کے قدیم اور تاریخی شہر اسکندریہ کو الوداع کہہ کر خدیویہ میل کے جہاز اسمٰعیلیہ نامی پر سوار ہوئے۔ مسافروں کی تعداد درجۂ اوّل میں تقریباً بارہ تھی مگر درجۂ دوم اور تتق میں آدمی بکثرت تھے۔ اتفاق سے آج سمندر میں غیر معمولی تلاطم رہا۔ چنانچہ مسافروں کا تو کیا ذکر خود جہاز کے کپتان اور انجینیر بھی اس بحرِ زخّار کی متلاطم موجوں کے شاکی تھے۔ اور ہمیں اس موقع پر حافظ کا یہ شعر بار بار یاد آتا تھا:

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سُبکسارانِ ساحل ہا

غرض کہ اس طوفان موج افزا کے باعث دو روز تک تمام مسافروں کو کھانا پینا مشکل ہوگیا اور ایسے بہت کم اشخاص تھے جو کھانے میں شریک ہوئے ہوں۔ آخر کچھ عرصہ تک اسی حالت میں رہنے کے بعد ہمیں کیکسو اور سکراپینٹ کی مشہور اور ڈھلوان پہاڑیاں اپنی دائیں

جانب اور جزیرۂ کریٹ کے پہاڑ بائیں طرف نظر آئے۔ ان کے علاوہ ہمیں بعض ایسے جزیرے بھی ملے جو اپنے کسی نہ کسی تاریخی واقعات اور مذہبی حکایات کے باعث مشہور اور اپنی خوبصورتی، خوشنمائی و دل فریبی کی وجہ سے قابل ذکر ہیں۔ان میں سے ہمارے سیدھے ہاتھ کی طرف سنیٹورن، سیفانو، پولی کینڈرو، سرفو، تھرمیا، زیا، میکرونیسی اور بائیں جانب میلو اور سینٹ جارج کے جزائر تھے۔ تیسرے دن ہمیں ملک یونان کا وہ حصّہ بھی دکھائی دیا جس کو راس کلونا کہتے ہیں۔ اس کے بعد راس سونیم جس پر مشہور منروا دیبی کے مندر کے ہنوز کچھ نشانات باقی ہیں، نظر آئے۔ اب ہمارے جہاز کے مقابل ہیمٹس کی بلند پہاڑی تھی اور قریب ہی جزیرۂ پلونا پر لائٹ ہاؤس (منارۂ روشنی) رہنمائی کے لیے کھڑا تھا۔ اس وقت ہمارے بائیں جانب جزیرۂ اِجینا اور سامنے پہاڑ کی چوٹی پر اہل وینس کا آباد کیا ہوا شہر کومنڈراس ہے اور دامن کوہ میں ہمارے دائیں جانب شہر فالیرم ہے۔ اب یہاں سے ہمارا جہاز مڑا اور اس کے مڑتے ہی ہم کو بندرگاہ پاریئس اور اس کا تنگ راستہ نظر آنے لگا۔ بندرگاہ کے بائیں طرف خلیج سیلمس ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں دارا گشتاسپ نے کھڑے ہوکر حسرت و یاس سے اپنے جہازوں کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ جگہ خلیج کریاچن کے دائیں جانب واقع ہے۔ ہم بندرگاہ پاریئس پر طوفان کی وجہ سے چند گھنٹے بعد پہنچے اور چوں کہ ہمیں یونان میں دوبارہ آنا تھا اس لیے یہاں نہ اُترے۔ بالآخر تھوڑی دیر توقف کرنے کے بعد ہمارا جہاز لنگرگاہ سے روانہ ہوا۔ جزیرۂ سالاس اور اِجینا پر غروبِ آفتاب کا منظر بہت ہی دلکش تھا۔ اب ہمارے جہاز نے راس کلونا کا چکر لگایا اور ہمیں اپنی دائیں جانب جزیرۂ زیا نظر آیا اور بائیں جانب خلیج اٹلانٹا کا راستہ دکھائی دیا۔ اس وقت ہم آبنائے ڈورو میں داخل ہوئے ہیں اور اب ہمارے دائیں جانب جزیرۂ انڈروس اور بائیں طرف جزائرنگرو پائینٹ ہیں۔ جزیرۂ نگرو پائینٹ یونان کا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کے اور یونان کے درمیان ایک آبنائے حائل ہے جس کی چوڑائی تقریباً ستّر فٹ ہے اور اب اس آبنائے پر ایک پُل تعمیر کر دیا گیا ہے۔

دوسرے روز ہم صبح کے وقت جزیرۂ سارا اور جزیرۂ کیوس کے شمالی کنارے کے قریب ہو کر گزرے اور پھر ہم سمرنا کی خوبصورت خلیج میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ہمارے جہاز کی رفتار کسی قدر آہستہ ہو گئی ہے اور اب ہمیں دور سے خشکی کے آثار دکھائی دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہمارا جہاز کنارۂ سمندر سے کچھ دور لنگر انداز ہوا۔ لو اب ترکی کا مشہور شہر سمرنا آ گیا اور ہم کشتیوں میں سوار ہو کر ساحل پر گئے۔ ساتھ ہی اس شہر کی سیر کرنے کا دل میں اشتیاق پیدا ہوا۔

باب دوم

شہر سمرنا کے حالات اور جزیرۂ مٹیلئین تک کا سفر

زمانۂ قدیم کے اس مشہور شہر پر چشمِ مشتاق نے ایک سرسری نظر ڈالی مگر دور سے ہمیں اس کا منظر بہت ہی خوفناک معلوم ہوا۔ اس وقت ہم جدھر نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اُدھر ہی ہر عہد کی شکستہ دیواریں، بے شمار ٹوٹے پھوٹے مقبرے اور ٹیلے دکھائی دے رہے ہیں۔ اس عبرتناک نظارہ کو مشاہدہ کرنے سے ہمارے دل پر خاص اثر ہوا اور ہمیں یہاں کے بوسیدہ کھنڈروں نے زبانِ حال سے اپنی تمام سرگزشت پڑھ سنائی۔ لیکن کچھ دور چلنے کے بعد اور شہر میں داخل ہونے سے قبل ہی یہ منظر نظروں سے غائب ہوگیا۔ چنانچہ ہمیں ساحلِ سمندر کے قریب اہل یورپ کی آبادی نظر آئی اور ٹریم کار چلتی ہوئی دکھائی دی۔

سمرنا، خلیجِ حمیدیہ کے اندرونی جانب واقع ہے اور ملک روم کے تمام شہروں میں اسے خاص امتیاز حاصل ہے اور دوسرے نمبر کا شہر ہے۔ سمرنا کے متصّل ہی ایک ایسا چشمۂ رواں ہے جس کا علی الدّوام جاری رہنا اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ یہ زمانۂ قدیم کا دریائے میلس ہے جس کے کنارے کے قریب کی زمین سے مشہور شاعر ہومر جو نظم یونانی کا ماہر تھا، اٹھا تھا اور اسی وجہ سے صوبۂ سمرنا کو اس فصیح البیان نامی گرامی شاعر کی جائے پیدائش ہونے کا دعویٰ اور فخر حاصل ہے۔

کہتے ہیں کہ اس مشہور شہر کی بنیاد ولادتِ مسیحی سے گیارہ سو برس قبل رکھی گئی تھی اور

یہاں صدہا سال تک یونان کے مشہور خاندان لیدیا کے بادشاہ حکمراں رہے ہیں مگر جب سکندر اعظم نے اسے فتح کرلیا تو اس نے شہر سمرنا کو از سرِ نو موجودہ شہر سے تین میل کے فاصلہ پر کوہ پیگس پر آباد کیا تھا اور یہ اس زمانہ میں بمقابلۂ سابق کے بہت ہی پُر رونق شہر بن گیا تھا۔

موجودہ زمانہ کے شہر سمرنا کو قدیم شہر سے تین میل کے فاصلہ پر شاہ انیٹیگونس اور لسی میکس نے اُس موقع پر جہاں کہ آج وہ ہمارے پیش نظر ہے، آباد کیا تھا۔ یہ جدید شہر رومیوں کے عہد میں بہت جلد ترقی کر گیا اور میٹروپولس کے نام سے مشہور عالم ہوا، اُس زمانہ میں شہر سمرنا کی رفیع الشان عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی تھیں۔ یہ علم وفضل کا گھر تھا۔ حکمت کے دفتر یہاں کھلے تھے۔ ادویات کے مدرسے یہاں موجود تھے اور دولت کے لحاظ سے شہرۂ آفاق تھا۔ رومیوں کے عہد میں مذہبِ عیسوی کی ابتدا ہی میں یہاں سرسبزی حاصل ہوگئی تھی۔ چنانچہ اُس زمانہ میں سینٹ پولی کارپ، سمرنا کا دوسرا بشپ مقرر ہوا تھا جو ۱۵۵ء میں چھیاسی برس کی عمر میں شہید ہوا۔ اس کی قبر ہنوز مقام اسٹیڈیم میں زیارت گاہ بنی ہوئی ہے۔

جب رومیوں کی سلطنت کو زوال ہوا اور اُن کی مملکت منقسم ہونے لگی تو سمرنا نے اہل مشرق کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ ۶۷۱ء میں محمد بن عبداللہ ایک عرب سردار نے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اس شہر پر بحری حملہ کیا۔ لیکن ۹۱۰ء کے کچھ عرصہ بعد اس پر ایک ترکی افسر نے اپنا قبضہ کرلیا پھر ۱۲۲۵ء میں جان ڈوکس واٹاٹزس شاہ بزنطائن نے اسے اپنے تحت تصرف میں لے کر کوہ پیگس پر ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ چودھویں صدی کے آغاز میں جب دولتِ سلجوقیہ معرض زوال میں آئی ہے تو اُس وقت ملک عضدالدین سردار غزل حصار نے اپنی ایک جدا خودمختار سلطنت قائم کرلی اور شہر سمرنا اس کے ظلِ حمایت میں آ گیا مگر ۱۳۴۴ء میں جزیرۂ رہوڈس کے نائٹس نے شہر مذکور کی حکومت کا جُوا اپنے کندھوں پر رکھا۔ تین سال بعد ملک عضدالدین کے پوتے ملک عمر نے نائٹس کو بارِ حکومت سے سبکدوش کرنے کے لیے اور اس شہر پر سے اُن کا قبضہ اٹھا دینے کی غرض سے بہت کچھ فکریں کیں، ہاتھ پاؤں مارے مگر نتیجہ یہ نکلا کہ غریب کی جانِ عزیز

بھی ضائع گئی۔ پھر۱۴۰۲ء میں تیمور لنگ نے اس شہر پر حملہ کیا اور آخر ایک سخت لڑائی کے بعد یہاں کے نائٹس کو قلعہ سے مار بھگایا۔ تیمور کی واپسی کے بعد۱۴۲۴ء تک ملک جنید یہاں حکمراں رہا۔ جب سلطان مرادثانی نے ملک عضدالدین کی کل مملکت فتح کر لی تو شہر سمرنا بھی ترکوں کے قبضہ میں آ گیا۔ انقلاب زمانہ کے بے درد ہاتھ ہمیشہ سے اس شہر کو تہ و بالا کرتے رہے ہیں اور یہ کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہا ہے۔ زلزلوں نے اسے تباہ کیا ہے، لڑائیوں نے اِسے بگاڑا ہے، مگر سخت جان سمرنا اب بھی ایک سربرآوردہ شہر ہے۔ یہاں ہمیشہ سے زلزلے خصوصیت کے ساتھ آتے رہے ہیں۔ چنانچہ ۱۷۸ء اور ۱۸۰ء کے درمیان اس شہر میں کئی مرتبہ زلزلے آئے اور قریب تھا کہ یہ تباہ ہوجائے مگر بادشاہِ وقت مارکس اوریلئس کی کوشش نے اسے بربادی سے بچا لیا۔ ۱۶۸۸ء اور ۱۷۸۸ء کے زلزلے بھی بہت ہی خطرناک اور تباہ کن تھے اور اب بھی کوئی سال ایسا نہیں گزرتا ہے جو یہاں تھوڑے بہت زلزلے نہ آتے ہوں۔ اس لیے معماروں نے یہاں کی عمارت کا طرز ہی بدل دیا ہے یعنی مکانات کی دیواریں پختہ تعمیر کرکے مزید استحکام وحفاظت کی غرض سے اندر کی جانب لکڑی کا کام کرتے ہیں۔

شہر میں تقریباً چالیس مسجدیں ہیں۔ مسجد حصار جامع جو بازار میں ہے یہ سب سے بڑی ہے۔ لیکن یہ زمانۂ حال کی تعمیر کی ہوئی ہے۔

باشندگانِ شہر کا رجحان تعلیم کی طرف بہت ہے اور یہاں رفاہِ عام کی غرض سے جابجا مدرسہ قائم ہیں۔ مشنری اسکول بھی بہت ہیں۔ خاص کر امریکن اور اسکاچ مشن نے لڑکے اور لڑکیوں کے مدرسہ اپنے اپنے جدا کھول رکھے ہیں۔

اس وقت شہر سمرنا کی آبادی تقریباً تین لاکھ کی ہے اور یہ بلحاظ اپنی آبادی کے مختلف حصّوں پر منقسم ہے۔ ترک اور یہودی ہنوز اپنے مشرقی طرز پر قائم ہیں اور ملے جلے کوہ پیگس کی طرف رہتے ہیں۔ ارمنی، شہر کے مشرقی جانب آباد ہیں۔ ۱۸۴۵ء کی آتش زدگی نے ان کے محلّہ کو بالکل تباہ کردیا ہے اور اب رفتہ رفتہ یہاں کی عمارتیں بہت ہی باقاعدہ بن گئی ہیں۔

سینٹ اسٹیفن کا عظیم الشان گرجا اور آرمینین کیتھیڈرل کی شاندار عمارتیں جو یہاں ہیں، وہ اپنی رفعت اور بلندی کے باعث دور دور تک سے دکھائی دیتی ہیں۔ یونانیوں کا محلّہ فرینک اسٹریٹ کی مشرقی سمت کسی قدر بلندی پر واقع ہے۔ یہاں سینٹ جان کا گرجا بھی ہے۔ اس کے متصّل ہی ترکوں کا ایک محلّہ ہے اسے اپانو محلا کہتے ہیں۔ عام راستے یہاں کے تنگ ہیں۔ سڑکوں پر پتھر کا فرش ہے۔ گاڑیوں کی یہاں کمی نہیں۔ ہر وقت مل سکتی ہیں۔ بازار بھی متعدد ہیں مگر فرینک اسٹریٹ میں بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ ایک دوسرا مشہور بازار استرابو کے قدیم بندرگاہ کا ہے۔ یہاں ایک عجیب بات یہ بھی ہے کہ اجنبی آدمی کے لیے شہر کے بازار خاصی بھول بھلیّاں ہیں۔ ان میں سے بعض مسقّف ہیں اور بعض کھلے ہوئے ہیں۔ یہاں کے سوداگر عجیب وغریب پوشاکیں پہنے ہوئے دکانداری کرتے ہیں۔ یہ مختلف زبانیں جانتے ہیں اور بڑے ہی لسّان ہیں۔ ہم نے بعض نام یہاں ایسے سُنے جن سے ہندوستانیوں کے کان بالکل ناآشنا ہیں۔ مثلاً یہاں کے ایک سوداگر کا نام ایچ۔ یحییٰ اکبر جاہ زادی ہے، ایک دوسرے شخص کا نام میگالاٹیزنوس ہے۔ یہاں اسٹیشن کو بسمہانی اور دروازہ کو چورک کاپو کہتے ہیں۔

یوں تو سمرنا کے قدیم باشندے بہت سی زبانیں بولتے ہیں۔ مگر اب فرانسیسی زبان اہل سمرنا کی عام زبان ہوگئی ہے۔

اس شہر میں دو ریلوے لائن ہیں۔ ایک قسابہ سے دو سو ساٹھ کلومیٹر کی لائن افیم کارا حصار تک گئی ہے۔ اس کی ایک اور شاخ بھی نکالی گئی ہے جو ساڑھے چھیانوے میل کی ہے۔

دوسری ریلوے لائن دو سو چونتیس میل کی ادین سے دنیار تک گئی ہے جس سے ایک اور شاخ ساڑھے چھیاسی میل کی نکلی ہے۔

ہم وادی سینٹ این کے مشہور اسٹیشن پریڈایز (بہشت) تک ریل میں بیٹھ کر گئے۔ ہم نے ڈائنا کے نہانے کا چشمہ بھی دیکھا جو بہت ہی خوشنما ہے۔ اس چشمہ کے قریب سمرنا کی کمپنی آب رسانی نے ۱۸۴۴ء میں خزانۂ آب بنایا ہے۔ پہلے اس چشمہ کے پانی سے ایک تالاب

بن گیا تھا جہاں کچھ تو پانی بہہ کر اس تالاب میں جمع ہو جاتا تھا اور کچھ حصہ پانی کا یہاں کے باغات کو سیراب کر کے آس پاس کی زمین کو دلدل بنا دیتا تھا۔ اب اس چشمہ کا پانی باشندگانِ شہر کی پیاس بجھاتا ہے اور اس سے تشنہ دہنوں کے گلوئے خشک سیراب ہوتے ہیں۔

ہم نے سمرنا کے مشہور کاروان کے پُل کا بھی نظارہ دیکھا۔ یہ اپنی قدامت کے باعث آج تک شہرۂ آفاق ہے۔ رومیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے ایک سو انتیس سال قبل جب کہ صوبۂ ایشیا کی ایک بڑی سڑک پرگامس سے اپامیاسی بطوس تک بنائی تھی، اس وقت یہ پُل بھی تعمیر کیا تھا۔ مگر پُل کے اوپر نیچے کی دیواریں جو تعمیر کی گئی ہیں ان کی نسبت گمان ہے کہ یہ پہلی صدی عیسوی کی ہیں۔ پُل کاروان کی سیر کرنے سے تمام شہر کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ گھوڑا گاڑی میں اگر سیر کرنے کے لیے جاؤ تو بڑے بڑے بازاروں کی سڑکوں پر سے جن کا فرش سنگین ہے، گزرنا پڑتا ہے۔ راستہ میں میگالا ٹیورٹس پڑتا ہے۔ شام کے وقت یہاں خاص چہل پہل رہتی ہے اور یہاں کا نظارہ نہایت ہی دلفریب معلوم ہوتا ہے۔ ریل جاری ہونے سے قبل پُل سے اُترتے ہی اُس مقام پر جہاں قافلے ٹھہرا کرتے تھے ایک دلکشا وسیع میدان ۱۸۹۵ء میں بنایا گیا تھا۔ یہ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے اور اس کے مشاہدہ کرنے سے دل کو خاص فرحت حاصل ہوتی ہے۔

ہم نے سمرنا کے اُن آثار قدیمہ کو بھی ایک نظر دیکھا جنھیں اب گردشِ دہر رفتہ رفتہ نیست و نابود کرتی جا رہی ہے اور جن کے کھنڈر مرقعِ عبرت بن گئے ہیں۔

شہر پناہ کی مستحکم دیواریں جن پر اگلے زمانہ میں خوش نما بُرج بنے ہوئے تھے۔ آج وہ اپنی شکستہ حالی کا مرثیہ پڑھ رہی ہیں۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دروازے زمانۂ قدیم میں خاص خاص ناموں سے مشہور تھے۔ ان میں سے ایک کا نام بخت نیک، گڈ فورچون تھا۔ مگر اس دروازہ کی خوش قسمتی بدنصیبی سے بدل گئی اور اب نام ہی نام رہ گیا۔ دوسرے دروازہ کا نام مبارک سال، ہپی ایئر تھا لیکن اس کی تقدیر نے وہ سال نحس اور روزِ بد دکھایا کہ نشان بھی نہ

رہا۔ یہاں رومیوں اور یونانیوں کے مندر بھی تھے جہاں قدیم زمانہ میں بڑے بڑے ان کے بزرگ ہر وقت یہاں ریاضت وعبادت میں مصروف رہتے تھے اور لوگ خوش اعتقادی اور ضعیف المذہبی کے نشہ میں سرشار بتوں کی پرستش کو نجاتِ اخروی سمجھ کر شب و روز اپنے اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے ان کی حمد وثنا کے گیت گایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ یہاں شاہانِ روم و یونان کے وہ عالیشان قصر و دیوان تھے جو اپنی زیبائش وآرائش کے باعث اُس زمانہ میں بہت ہی ممتاز سمجھے جاتے تھے مگر:

زینہار از دور گیتی و انقلاب روز گار
در خیالِ کس نہ گشتے کان چناں گردد چنیں

اُس وقت کسی کو یہ خیال نہ آتا تھا کہ ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے کہ یونانیوں کی حکمت اور رومیوں کی حکومت سب رخصت ہوجائے گی۔ چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہی مندر جن میں کبھی مقدس گیت گائے جاتے تھے اب وہ مسمار ہوگئے ہیں اور اُلّو بول رہے ہیں۔ ان کے قلعے اور محلات کھنڈر بن گئے ہیں اور ان میں گدھے چر رہے ہیں۔

اس وقت حوادثات عالم کے دردانگیز خیالات نے اس درجہ ہمیں متاثر کیا کہ بے ساختہ ہماری زبان سے یہ شعر نکل گیا:

پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت
چغد نوبت می زند بر گنبدِ فراسیاب

البتہ ہومر کے نام کے ساتھ اس کی یادگار بھی باقی ہے۔ زمانۂ قدیم کے وسیع تھیٹر کے بھی آثار ہیں۔ ان کے علاوہ وہ یونانیوں اور رومیوں کی گزشتہ عظمت کے نشانات کچھ اور بھی موجود ہیں جو ابھی تک اپنے بانیوں کے جاہ وجلال کو ثابت کررہے ہیں۔ ہم یہاں کی سیر سے فارغ ہوکر اور دل پر خوشی اور ملال کا اثر لے کر سمرنا سے رخصت ہونے کے لیے پھر ساحل سمندر پر پہنچے۔ اب روانگی جہاز کا وقت قریب ہے، مسافر سوار ہورہے ہیں۔ ہم بھی اپنے کمرہ

میں جا کر بیٹھ گئے۔ ہمارے ساتھ رشدی بے، چیف انجینیر حجاز ریلوے، مسٹر و مسز ڈی۔ ڈبلیو میک لینئین، ایجنٹ لندن، مسٹر و مسز ٹنلر آس گڈ، ساکن ممالک متحدہ امریکہ اور مسٹر ریان بھی جو اسکندریہ سے سوار ہوئے تھے اور جن سے ہماری ملاقات راستہ میں ہوگئی تھی، سفر کر رہے تھے۔ اب رات کا وقت ہے اور عجب ہو کا عالم ہے۔ آسمان کے روشن ستارے سطح سمندر پر اپنی مدھم روشنی ڈال رہے ہیں اور تاروں کی تیز نورانی شعاعیں دُور دُور کے مقامات کے دکھانے میں ہماری نظر کی رہنمائی کر رہی ہیں۔ اسی طرح پیہم چند گھنٹے سفر کرنے کے بعد ہم جزیرۂ مٹیلئین جسے لسباس بھی کہتے ہیں، پہنچے۔

جزیرۂ مٹیلئین پر ایک اجمالی نظر اور قسطنطنیہ تک بحری سفر

مٹیلئین جہاں اس وقت ہمارا جہاز ٹھہرا ہوا ہے، یہ مجمع الجزائر کا سب سے بڑا جزیرہ ہے اور اسے ہم اپنے کمرہ کی کھڑکی سے دیکھ رہے ہیں۔ اہل جنیوا کا مشہور قلعہ ہمارے پیش نظر ہے اور اس وقت بخوبی نظر آ رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مٹیلئین نہایت خوش نما جزیرہ ہے اور یہ اپنی قدامت اور نیز تاریخی حیثیت سے ایک قسم کی خاص خصوصیت رکھتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اسے ایرانیوں نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے پانچ سو چالیس سال قبل فتح کیا تھا مگر چار سو پانچ سال قبل مسیح اس پر اہل اسپارٹا کا قبضہ ہوگیا اور پھر ولادتِ مسیح سے ایک سو انتیس سال پہلے رومیوں کا یہ ایشیائی صوبہ بن گیا۔ آخر بہت سے انقلابات کے بعد ۱۴۶۲ء میں مٹیلئین قطعی طور پر تُرکوں نے فتح کرلیا اور ان کے مقبوضات میں داخل ہوگیا۔

مٹیلئین کی آبادی تقریباً ایک لاکھ چالیس ہزار ہے۔ اس وقت ہمارے ساتھ فواد بے، حسین بے، شاکر پاشا، توفیق بے، رشید بے اور عبدالودود بے سفر کر رہے ہیں۔ یہ سب حضرات سمرنا و مٹیلئین سے سوار ہوئے ہیں۔ ان سے بھی ہمارا تعارف ہوگیا۔

جب ہمارا جہاز حدود مٹیلئین سے باہر نکل گیا تو اس وقت ہمیں آسوس یعنی بہرام کی پہاڑی بھی دکھائی دی۔ کچھ دُور چل کر ہم کو قصبۂ لکٹم جسے بابا برنو کہتے ہیں، دکھائی دیا۔ وہاں

سے ہمارا جہاز الکز ینڈرا ٹراوس کی پہاڑی سے گزرا پھر قصبۂ ٹینڈوس اور خلیج بسیکا سے ہوتے ہوئے ہم بحرِ ایجین میں داخل ہوئے، اس راستہ میں ہمیں قصبۂ ینی شہر راس بجیئن، پیٹروکلس، کوہ اَتھس، لیمنوس، ساماتھریس ملے۔ اب ہم ہیلس پونٹ کے سب سے زیادہ دلفریب مقام پر سے گزر رہے ہیں۔ ہماری دائیں جانب نغارۂ برنو اور اُس کا قلعہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے شہر ابیڈوس کا مقام وقوع بھی نظر آتا ہے۔ تھریسیا کے رخ پر شہر سیسطوس اور قریب ہی خلیج اقیاشی لیمان واقع ہے اور اس کے اوپر تمینا کا مشہور قلعہ ہے جہاں سلیمان اوّل نے پہلے پہل حکومت عثمانیہ کا پرچم اُفق یورپ پر اُڑایا تھا اور یہیں سے دارا گشتاسپ نے کشتیوں کا پُل بنا کر ابیڈوس کے نزدیک کے اُس راستہ کو جس کی چوڑائی ۱۳۵۰ میٹر ہے، عبور کیا تھا۔ پھر ہمارا جہاز دریائے کاراکووادیری سے گزر کر قصبۂ گیلی پولی پہنچا۔

اب ہم ہیلس پونٹ کے دہانہ کے مشہور مقام ٹرائے سے گزرتے ہوئے علی الصباح شہر ڈارڈنیلز کے قریب سے گزرے۔ یہاں سے جنگی قلعوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور کوئی جہاز بلا اجازت نامہ حاصل کیے آگے نہیں جاسکتا۔ ہمارا یہ راستہ بہت ہی لطف کے ساتھ گزرا۔ اب ہم جوں جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں قسطنطنیہ قریب آتا جاتا ہے اور راستہ کی دلچسپی بھی دم بدم بڑھتی جاتی ہے۔

اِس وقت صبح کا سماں بہت ہی پُر بہار ہے۔ آفتاب سمندر کی بے قرار موجوں سے آہستہ آہستہ نمودار ہورہا ہے اور اس کی رنگ برنگ کی شعاعیں سطح آب پر پڑ کر نظر کو خیرہ کیے دیتی ہیں۔

یہاں سے ہم بحیرۂ مارمورا میں داخل ہوئے اور جزائر پرنسیس کے مشہور مقامات پروٹی، اینٹی گون، ہلکی، پرنکی پو، پلیٹی نظر آئے اور فنار باغچہ اور قصبۂ قاضی کوئی دکھائی دیے۔ یہاں سے گزر کر ہمارا جہاز باسفورس میں پہنچا جسے ایشیا کا آبِ شیریں بھی کہتے ہیں اور جس کے حُسن وخوبی، دلچسپی و دلفریبی کا نقشہ اس وقت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کے دوسرے

کنارے پر سقوطری ہے۔

یہاں سے ہمارا جہاز اس مقام پر پہنچا جہاں گولڈن ہارن شاخ زرّیں کی دو شاخیں ہوگئی ہیں ان میں سے ایک کا نام بندر تجارت اور دوسری کا نام بندر جنگ ہے۔

آج **۲۳**/جنوری **۱۹۱۰**ء کا دن اور شام کا وقت ہے۔ آفتاب اپنی دن بھر کی مسافت طے کر کے اُفق مغرب میں غروب ہوا چاہتا ہے اور ہمارا اسٹیمر بھی جلدی جلدی منزل مقصود کو پہنچنے کے لیے شاخ زرّیں سے گزر کر پیرا کی سمت جا رہا ہے۔ ہم قریب مغرب، ساحل غلطہ پر پہنچے اور یہاں ہمارا جہاز لنگر انداز ہوا۔ اس وقت ہم مسلمانوں کے دارالخلافت اور دنیا کے مشہور شہر قسطنطنیہ میں داخل ہوئے جو اپنے قدرتی منظروں، خوبیوں اور دلفریب فضاؤں کے باعث عالم میں بے مثل ہے اور ہم جس کے نظارہ کو جہاز سے دیکھتے ہی محو حیرت بن گئے ہیں۔

ساحل سمندر سے ہم پیرا پیلس ہوٹل کو روانہ ہوئے۔ یہ نہایت ہی عظیم الشان پُرتکلف ہوٹل ہے اور عمدہ مقام پر واقع ہے، اس کے کمرے شاندار فرنیچر سے آراستہ و پیراستہ ہیں اور تمام ضروری ساز و سامان اور اسباب آرائش سے مزیّن اور سجے ہوئے ہیں۔ ہم اس ہوٹل کے اوسط درجہ کے کمرہ نمبر ۸۳ میں جس کا کرایہ علاوہ اخراجات متفرق کے ۱۷۸ پیاسٹر روزانہ ہے، ٹھہرے۔

باب سوم

قسطنطنیہ

قسطنطنیہ دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا مشہور شہر اور دارالخلافت جسے مسلمانوں کے ازیاد رفتہ کارناموں کی زندہ تصویر کہنا سزاوار ہے، نہایت ہی عظمت وشوکت کے ساتھ یورپ کے پہلو میں کھڑا ہوا دُنیا کی مہذب قوموں کو اپنے دلفریب منظر کا گرویدہ اور اپنی قدیم داستانیں سُنا کر اپنے حُسن وخوبی کا والہ وشیدا بنا رہا ہے۔

یہ متعدد بلند پہاڑیوں پر آباد ہے اور اس کی دیواروں سے بحر مارمورا اور باسفورس لہریں مار رہے ہیں۔

قسطنطنیہ کو پولیٹکل لحاظ سے ''ایشیائی کی طلائی کلید'' کہتے ہیں اور بعض نے اس کا نام دنیا کے جھگڑے کی ہڈّی بھی رکھا ہے اور سچ رکھا ہے۔ قدرت نے اس چند ایکڑ زمین کو وہ وہ خوبیاں ودلفریبیاں عطا کی ہیں کہ زمانہ بھر کی قوتیں اس کے جمالِ جہاں آرا اور حُسنِ خداداد پر دل سے فریفتہ ہیں اور ایک مدّت سے دندان از تیز کیے ہوئے منہ کھولے منتظر ہیں کہ بغیر چبائے اسے نگل جائیں اور اس کے آبِ شیریں سے پیاس بجھائیں۔ مگر ہمیشہ سے قدرت نے اس شہر کی حفاظت کا خود بیڑا اٹھایا ہے اور اس کے وہی دل لبھانے والے مناظر جو اپنی نظیر آپ ہیں، اس کے استحکام کے موجب ہوئے ہیں اور اسے ہر زمانہ میں دستِ گلچیں سے محفوظ رکھنے کے لیے سدِّ راہ ہوتے رہے ہیں۔ واقعی بحالت مجموعی قسطنطنیہ ایک بہت ہی خوش نما شہر ہے اور ہم جس طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اس کے ہر حصۂ شہر کو دلچسپ وبے نظیر پاتے ہیں۔

تاریخی حیثیت سے بھی یہ ایک قدیم شہر ہے اور پولیٹکل پہلوانوں کی زورآزمائی کے لیے ہر عہد میں یہ ایک معرکتہ الآرا مقام اور رزم گاہ بنا رہا ہے۔

قسطنطنیہ کی نسبت مشہور ہے کہ میگارا کے ایک یونانی سردار نے اسے حضرت عیسیٰؑ سے چھ سو برس قبل بسایا تھا اور اس وقت اس کا نام بزنطیم تھا۔ مگر چھٹی صدی کے آخر میں قبل از مسیح اس پر ایرانیوں کا تسلّط ہوگیا۔ لیکن ۴۷۹ء قبل از ولادتِ عیسیٰ جنگ پلیٹیا کے بعد اس پر پھر یونانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد ۱۹۶ء میں رومیوں کے بادشاہ سپٹمیس سیورس نے فتح کر لیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک قرب و جوار کی وحشی قومیں اسے لوٹتی رہی۔ لیکن ۳۲۳ء میں قسطنطین نے اسے اپنے قبضۂ تصرف میں لے کر قدیم شہر کے قریب ہی ایک دوسرا شہر تعمیر کرایا۔ اس زمانہ میں بعض اشخاص اسے روم جدید کہتے تھے اور بعض بانیِ شہر کے نام سے اسے موسوم کرتے تھے۔ آخر رفتہ رفتہ یہ اپنے بانی کے نام سے شہرۂ آفاق ہوگیا اور اس کا نام قسطنطنیہ مشہور ہوا۔ حتیٰ کہ ۱۱رمئی ۳۳۰ء کو یہ روم کی مملکت مسیحی کا پایۂ تخت قرار پایا۔

اگرچہ قسطنطنیہ کی بنیادیں سرزمین یورپ میں رکھی گئی ہیں مگر اس کی چشمِ فسوں ساز ہر وقت ایشیا کی جانب ٹکٹکی لگائے ہوئے ہے۔ اسی وجہ سے ہر زمانہ میں یہ قطعۂ زمین فساد کا گھر ثابت ہوتا رہا ہے۔ زمانۂ قدیم میں اس کی ہمسایہ قومیں ایرانی، یونانی، گاتھ، عرب، ترک، بلغارئین، عروس البلاد قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے بڑی بڑی معرکہ آرائیاں کر چکے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ہزارہا جانیں اس کی رونمائی میں دے کر انھیں حملہ کرنے کا صلہ بھی مل گیا ہے اور انھوں نے اسے رام بھی کر لیا ہے۔ اگرچہ قسطنطنیہ کو اس زمانہ میں بہت سے حوادثات پیش آئے تاہم یہ شہر یوماً فیوماً ترقی کرتا گیا اور اس کی رونق دن بدن بڑھتی گئی۔ قدیم شہر بزنطیم اور زمانۂ حال کا قسطنطنیہ پانچویں صدی میں تمام دنیا کی تجارت کا مرکز بن گیا تھا اور یہ اسی زمانہ میں اپنی دولت، حشمت اور مقامی شہرت و دلفریبی کے باعث محل خطرہ ہوگیا تھا اور اغیار اسے ہر وقت چشمِ طمع سے دیکھتے تھے۔ اسی لیے حفاظتِ شہر کے خیال سے

تھیوڈوسیس کو اس کی فصیل تعمیر کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس کی کچھ دیواریں تو ۴۱۳ء میں تیار ہوئیں اور ان کا بقیہ حصّہ ۴۴۷ء میں اختتام کو پہنچا۔ مگر جسٹینین کا عہد حکومت اس کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ اس نے یہاں عالیشان عمارتیں تعمیر کرائیں اور شہر میں آئین جاری کیے۔ البتہ ہریکلیس کے زمانہ میں قسطنطنیہ کو ناقابل برداشت مصائب جھیلنے پڑے اور اس بادشاہ نے بحالتِ مجبوری کارتھیج کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ مگر تبدیل مقام کرنا ہی تھا کہ یہاں کے تاریخی واقعات میں بھی انقلاب پیدا ہونا شروع ہوگیا۔ اسی زمانہ میں ریگستان عرب سے فتوحات کا ایک سیلاب اٹھا جو ملکوں کو ہڑپ کرتا ہوا قسطنطنیہ کی دیواروں سے جا کر ٹکرایا۔ یہ عربوں کا پہلا حملہ تھا جو ۶۷۳ء میں اس شہر پر ہوا تھا اور یہ چار سال تک اس کا محاصرہ کیے رہے تھے۔ قریب تھا کہ یہ شہر فتح ہوجاتا مگر اتفاق سے بچ گیا۔ اس حملہ کے متعلق مسلمان مورخین کا بیان ہے کہ ۵۲ ہجری میں جب کہ خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان کا دورِ حکومت تھا، عربوں نے محض بنظر حصولِ ثواب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر ''أوّلُ جَیشٍ مِن أُمّتي یغزُونَ مَدِینةَ قَیصَر مَغفُوراٌ لھم'' روم کے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کے محاصرہ میں خلافتہ (کذا) خامسِ آلِ عبا، جگر گوشۂ رسول دوسرا نے بھی اپنی مشایعت سے فوج عرب کی عزت افزائی فرمائی تھی اور حضرت رسول مقبول صلعم کے بعض صحابی بھی اس فوج کے ہمراہ تھے۔ چنانچہ اسی معرکۂ جنگ میں حضرت پیغمبرِ خدا صلعم کے صحابہ میں سے حضرت ایوب کام بھی آئے تھے۔

دوسرا حملہ عربوں کا اس شہر پر ۷۱۸ء میں ہوا ہے۔ خاندانِ بنی اُمیّہ کے مشہور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے قسطنطنیہ کی فتح کی غرض سے فوج روانہ کی تھی مگر وقت پر کمک نہ پہنچنے کے باعث عرب بے نیل مرام واپس ہوگئے۔ اس زمانہ میں یہاں کے بادشاہ لیو اسورئین نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کی روک تھام میں بڑی جانفشانی کی اور نئے سے نئے قوانین نافذ کیے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قسطنطنیہ پر کئی سو سال تک مسلمانوں کا تسلّط نہ ہوسکا۔ اس دوران میں بھی

مسلمان نچلے نہ بیٹھے اس کے فتح کرنے کے لیے برابر کوشش کرتے رہے، تاہم قسطنطنیہ فتح نہ ہوا۔ عہدِ حکومت خلفائے عباسیہ میں بھی ۷۸۵ء میں مہدی نے ایک فوجِ جرار ہارون الرشید کی ماتحتی میں قسطنطنیہ پر بھیجی تھی۔ بہت سی لڑائیاں بھی فتح ہوئیں۔ خاص شہر قسطنطنیہ پر جو حملہ ہوا اس میں بھی میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ لیکن قیصر روم کی منت سماجت، عجز وانکساری پر ہارون الرشید کو رحم وترس آ گیا اور یہ مسلمانوں کے تصرف سے بچ گیا اور خود خلیفۂ وقت نے اپنی مہربانی اور عنایات سے صرف باج گزاری کا وعدہ لے کر اس مرحلۂ عظیم کو دوسروں کے لیے چھوڑ دیا اور اس طرح سے قسطنطنیہ کو کچھ دن کے لیے پھر امن وعافیت نصیب ہوئی۔ لیکن جنگِ صلیبی کے زمانہ میں ناخواندہ مہمان پیٹر ہرمٹ اور گاڈ فریڈی بولین معہ اپنی ٹڈّی دل فوج کے اس شہر میں آ گھسے اور بڑی مشکلوں سے یہاں سے نکلے۔ اسی طرح چوتھی جنگِ صلیبی کے موقع پر ۱۲۰۴ء میں کریوسیڈرس، جوشِ مذہبی میں سرشار یہاں کے بادشاہ کو دبانے اور ستانے کے لیے پھر آ دھمکے اور اب کی مرتبہ وہ وحشیانہ کارروائیاں کیں کہ خدا کی پناہ۔ شہر کا لوٹنا کھسوٹنا، جلانا اور تاخت وتاراج کرنا ان کا معمولی کھیل تھا۔ ان مذہبی جوش کے اندھوں نے صلیب کے زیرِ سایہ اس شہر کو بے چراغ کر دیا۔

پھر ۱۲۶۱ھ تک قسطنطنیہ لاطنی حکومت کے زیرِ اثر رہا مگر میکائیل پیلئیولگس کے ایک معتبر جنرل الیکزئیس اسٹریٹی گوپولس نے اسے مفتوح کر لیا اور یہ اب پھر یونانیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ لیکن لاطنی فتح نے اس کی مشہورِ آفاق تجارت کو بڑا صدمہ پہنچایا اور وینس، پیسا اور جنیوا کی تجارت کو اس کے زوال کے بعد خاص طور پر فروغ حاصل ہو گیا۔

اب پھر مسلمانوں کے دل میں فتح قسطنطنیہ کا خیال پیدا ہوا اور ترکوں کی سلطنت کے بانی عثمان خاں نے اُن کی طرف رُخ کیا اور ۱۲۹۹ء میں بتھینیا کو فتح بھی کر لیا۔ مگر یہاں کے بادشاہ جان کنیٹا کیوزینس نے اپنی بیٹی کی عثمان خاں کے بیٹے سے شادی کر دی اور اس طرح ترکوں کے ہاتھ سے اسے بچا لیا۔

قسطنطنیہ جسے دولت کی کان، حُسن وخوبصورتی کا آفتاب، عمدہ موقعہ اور خوش نما منظر کے لحاظ سے دلچسپیوں کا گھر کہا جائے تو بجا ہے۔ فی الحقیقت ہے کیا؟ چند ایکڑ زمین ہے مگر قدرت نے اسے وہ مقناطیسی قوّت عطا کی ہے کہ اس کی کشش ہمیشہ سے گزشتہ اور آئندہ نسلوں کے دلوں کو اپنی طرف لبھاتی اور مائل کرتی رہی ہے۔ اسی وجہ سے اگلوں کی ناکامیوں نے پچھلوں کی ہمتوں کو کبھی پست نہیں کیا یعنی جو اُلوالعزم فرماں روا دنیا میں پیدا ہوا وہ تسخیرِ قسطنطنیہ کا خیال بھی اپنے ساتھ لے کر آیا خصوصاً مسلمان فرماں رواؤں کے دلوں میں غیر معمولی طور پر فتح قسطنطنیہ کا خیال ایک اور وجہ سے بھی تھا۔ یہ دراصل خیال نہ تھا بلکہ ایک تمنائے دلی تھی جو حضرت پیغمبر خدا صلعم کے اس ارشاد کے مطابق **لَتُفتَحنّ القُسطنطينيةُ ولِنعَم الأميرُ أميرُها ولنعم الجيش ذلكَ الجيشُ** پیدا ہوگئی تھی اور وہ اس بات کے آرزومند تھے کہ جس طرح بنے قسطنطنیہ فتح کیا جائے۔ اسی سبب سے بایزید یلدرم نے بڑے جوش وخروش سے اس کا محاصرہ کیا۔ موسیٰ نے اس پر چڑھائی کی۔ مراد ثانی نے اس کے نیچے جرأت وشجاعت دکھائی۔ لیکن یہ ناقابلِ تسخیر شہر ان کے ہاتھوں مفتوح نہ ہوا۔ مگر اس پر بھی مسلمان فرماں رواؤں کی یہ جدوجہد خالی نہ گئی اور بالآخر فتح قسطنطنیہ کا سہرا سلطان محمد ثانی کے سر پر باندھا گیا۔

چنانچہ قسطنطنیہ کی وہ مستحکم قدیم دیواریں جو ۴۱۳ء سے ۱۴۵۳ء تک اس کی محافظت کرتی رہی تھیں انھوں نے بھی اس حوصلہ مند حملہ آور بادشاہ کو ''خوش آمدید'' کہا۔ مورخین کا بیان ہے کہ شہر کا محاصرہ ۶/اپریل ۱۴۵۳ء کو شروع ہوا تھا اور ۱۹/مئی ۱۴۵۳ء کو ٹھیک اس وقت جب کہ آفتاب دروازۂ مشرق سے نمودار ہو رہا تھا، محافظانِ شہرِ قسطنطنیہ لشکرِ سلطانی کو فصیل کے نیچے دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے اور ایسے حواس باختہ ہوئے کہ فوجِ شاہی کو جو سیلاب کی طرح شہر کی طرف بڑھ رہی تھی، روک نہ سکے اور مدافعت کی تمام تدبیریں بھول گئے۔ اسی اثنا میں سلطان کے بہادر سپاہی شہر کی دیواروں اور بُرجوں پر چڑھ کر سب جگہ پھیل گئے، قسطنطنیہ فتح

ہوگیا اوراس طرح حضرت پیغمبر خدا صلعم کی پیشین گوئی اور سلطان محمد ثانی کی دلی آرزو پوری ہوئی۔اس فتح عظیم کی تاریخ کسی شاعر نے یہ نکالی:

رَامَ اَمْـرَ الـفَتْـحِ قَـوْمٌ اَوَّلُـوْنَ　　　جَـازَهٗ بِـا لـنَّـصْـرِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ

امر فتح کی آرزو اگلی قوموں نے کی اور فتح کی مراد کو پچھلے پہنچے۔اس شعر میں لفظ ''اٰخرون'' مادۂ تاریخ ہے۔

غرض کہ قسطنطنیہ فتح ہوتے ہی مملکتِ عثمانیہ کا دارالسلطنت قرار پایا۔چنانچہ اس وقت سے آج تک یہ شہر مسلمانوں کی درماندہ قوم کی فتوحات کے خوابِ پریشاں کی تعبیر بنا ہوا ہے اور دنیا میں اپنی فاتح قوم کی عزت کو قائم کیے ہوئے ہے۔

قسطنطنیہ کے مشہور حصّے

بہ لحاظِ تقسیم شہر قسطنطنیہ چار حصّوں پر منقسم ہے:

اوّل اسلام بول، دوم غلطہ، سوم پیرا، چہارم مضافات یعنی وہ حصۂ شہر جو باسفورس کے دونوں جانب واقع ہے۔

اسلام بول

ترکوں نے شہر کے اس پہلے حصہ کا نام اسلام بول رکھا ہے۔سیاح کے دل پر جہاز سے اس حصۂ شہر کی خوش نمائی و دلفریبی دیکھ کر ایک غیر معمولی اثر پڑتا ہے اور اس کا نظارہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوتا۔مگر جہاز سے اتر کر ساحل سمندر سے دیکھو تو یہ منظر نظروں سے غائب ہوجاتا ہے اور اس کے بجائے شہر کی تنگ گلیاں، ناہموار مکانات اور اُن کی اونچی نیچی دیواریں و

قبرستان دکھائی دیتے ہیں۔ صرف یہ گورنمنٹ ترکی کا صدر مقام ہی نہیں ہے بلکہ مشرقی گرجے کے مذہبی پیشوا کا جائے قیام بھی ہے اور اقوامِ عالم کے مختلف افراد بھی یہیں نظر آتے ہیں۔

غلطہ

یہ شہر کا دوسرا اور قدیم حصہ ہے۔ اس کی نسبت خیال ہے کہ یہ حضرت عیسیٰؑ سے تین سو برس پہلے آباد ہوا تھا۔ زمانۂ قدیم میں اس جگہ قوم گلیشیا کے لوگ آ رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کا نام گلیٹا ہوگیا اور پھر عربوں نے اُسے معرب کر کے غلطہ کر دیا۔ ۱۲۶۱ء میں اس پر اہل جنیوا کا قبضہ ہوگیا، انھوں نے چودھویں عیسوی میں شاہ یونان کی اجازت سے اس کی چہار دیواری تعمیر کرائی۔

یہاں زمانۂ قدیم میں دو مینار یں بہت مشہور تھیں۔ ان میں سے ایک منارۂ زنجیر اور دوسری کا نام منارۂ صلیب یا منارۂ عیسیٰ تھا۔ منارۂ زنجیر کی شہرت کا اصل سبب یہ تھا کہ اس مینار سے ایک زنجیر اسلام بول تک ڈال دی جاتی تھی۔ اس سے بندرگاہ قسطنطنیہ کا راستہ بند ہو جاتا تھا، مگر امتداد زمانہ کے باعث اب یہ منہدم ہوگیا ہے۔ منارۂ صلیب جو ۱۳۴۸ء میں تعمیر ہوا تھا، اب یہ منارۂ غلطہ کے نام سے مشہور ہے اور اس کی بلندی پر سے آتش زدگی کی اطلاع پولس کو دی جاتی ہے۔ قدیم فصیل اور اس کے دروازے جو انیسویں صدی عیسوی تک قائم تھے، اب وہ برائے نام باقی رہ گئے ہیں۔ مگر یہاں اب تک اہل جنیوا کی عمارتیں موجود ہیں۔ عربوں نے جب یہاں حملے کیے تھے اُس زمانہ کی ایک مسجد بھی ہے جو عربوں کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اس کی موجودہ عمارت تیرھویں صدی کی ہے جب کہ اہل جنیوا نے اس مسجد کو گرجا بنا دیا تھا۔ لیکن ترکوں نے اپنی فتح کے بعد اس قدیم زمانہ کی مسجد اور اہل جنیوا کے گرجا کو شرک کی نجاستوں سے پاک کر کے پھر خدائے وحدہٗ لاشریک کی خالص عبادت کا گھر بنا دیا۔ جب سے یہ مسلمانوں کی عبادت گاہ بنی ہوئی ہے اور ان کے ہی زیرِ اہتمام ہے۔

غلطہ میں سوداگروں کی کوٹھیاں، عثمانیہ بینک، سفارت خانہ برطانیہ کا شفاخانہ اور ڈاک

خانہ قائم ہیں۔سینٹ بینوئٹ اور سینٹ پیٹر کے گرجے، یہودیوں کا معبد اور مدرسے ہیں اور اسکاٹش گرجا بھی یہیں ہے۔

پیرا

یہ تیسرا حصہ ہے جو شہر کے مقابلہ میں شاخِ زرّین کے بلند کنارے پر واقع ہے۔ہم اسی حصۂ شہر کے مشہور ہوٹل پیرا پیلس نامی میں مقیم ہوئے ہیں۔ یہاں اہل فرنگ بکثرت آباد ہیں اور دول یورپ کے سفارت خانے بھی یہیں ہیں۔ بڑے بڑے ہوٹل، اچھے اچھے باغ اور نامی گرامی تھیٹر اور مدرسے اسی جگہ بنے ہوئے ہیں۔ یہاں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر حال قال والے مولویہ درویشوں اور مشائخوں کا تکیہ بھی ہے جہاں ہر جمعہ کو بعد نماز محفلِ سماع ہوتی ہے۔

۲۴؍جنوری ۱۹۱۰ء ۔ ہوٹل میں رات کو ہم نہایت ہی آرام کے ساتھ سوئے۔علی الصبح بیدار ہو کر ہم نے نماز پڑھی اور درود و وظائف سے فارغ ہو کر کوک کمپنی کے ایجنٹ سے اپنے خطوط حاصل کیے، ان میں ایک خط لارڈ کرومر کا ۱۷؍جنوری ۱۹۱۰ء کا تھا جس کے ساتھ صاحب ممدوح نے بکمال مہربانی دو اور چٹھیاں بھی ملفوف فرمائی تھیں۔ ان میں سے ایک تعارفی چٹھی موسومہ سر جیرڈ لوتھر، سفیر انگلستان متعینہ قسطنطنیہ اور دوسری سر رنیل روڈ، سفیر اٹلی متعینہ شہر قدیم روم کے نام کی تھی۔

سہ پہر کو ہم نے سفارت خانۂ انگریزی میں جا کر لارڈ کرومر کی چٹھی مع اپنے کارڈ کے بھیجی۔ سفیر صاحب بہت اخلاق سے ملے اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ان کے بعض دوستوں سے میرا تعارف پہلے کا انگلستان میں تھا، اس لیے کچھ اجنبیت نہ معلوم ہوئی۔ کچھ دن قبل ان کے خاندان میں کسی کا انتقال ہوگیا تھا، اس لیے یہ سوگ میں تھے۔سفیر صاحب نے اسی خیال سے اپنے ایک ماتحت افسر مسٹر فٹز ماریس سے میرا تعارف کرادیا اور اُن سے فرما دیا کہ جو خواہشیں انھیں ہوں، ان میں آپ ان کی پوری مدد کیجیے۔ اس کے بعد سفیر صاحب موصوف کی اجازت سے مجھے سفارت خانہ کی عالی شان عمارت کی سیر کرائی گئی اور مسٹر

فٹزمارلیس نے وعدہ کیا کہ میں عنقریب پیرا پیلس ہوٹل میں آ کر ملوں گا اور معززین قسطنطنیہ سے آپ کو ملانے کا انتظام کروں گا۔

سفارت خانہ سے واپس آنے کے بعد ہم نے ہواخوری کی۔ یہاں ہوٹل کے ذریعہ نہایت عمدہ جوڑیاں گاڑیاں کرایہ پر ملتی ہیں جو ہندوستان کی عمدہ سے عمدہ خانگی سواریوں سے اچھی ہوتی ہیں۔

پیرا کی سڑکوں پر پتھر کا فرش کیا ہوا ہے اور اکثر مقامات پر اُتار چڑھاؤ زیادہ ہے، اس لیے گھوڑوں کا ان پر چلانا ہوشیار کوچوان کا کام ہے۔

یہاں کی سڑکوں پر وسط میں ٹریم وے چلتی ہے۔ گاڑیوں کی چپقلش اور آدمیوں کی کثرت جدا رہتی ہے اس لیے کوچوانوں کو بچ بچا کر نکالنے اور موڑ توڑ پر گزرنے میں بڑی ہوشیاری کرنی پڑتی ہے۔ پیرا کی کشادہ سڑکیں مثل یورپ کے شہروں کی سڑکوں کے صاف و شفاف رہتی ہیں۔ پیرا میں علی العموم متمول اشخاص زیادہ رہتے ہیں۔ ہم نے آج اس حصۂ شہر کی تقریباً دو گھنٹہ تک سیر کی۔ واقعی یہ بہت ہی شاندار ہے اور یہاں کے میونسپل باغ کا داخلہ شام کے وقت بہت ہی پُرلطف اور فرحت بخش ہے۔

شام کو حسب قرارداد مسٹر فٹز مارلیس میرے پاس تشریف لائے اور چند ممبران پارلیمنٹ سے جو پیرا پیلس ہوٹل میں ہماری طرح مقیم تھے، مجھے ملایا۔ اس ہوٹل میں قہوہ خانہ بھی ہے۔ یہاں اور معزز لوگ بھی آتے جاتے ہیں گویا یہ ایک قسم کا کلب ہے جہاں ہر وقت آدمی جمع رہتے ہیں خصوصاً شام کے وقت تو بہت ہی مجمع رہتا ہے۔ اس قہوہ خانہ کی بدولت مجھے یہ بڑا فائدہ ہوا کہ ایک ہی دن میں میرا تعارف کثیر التعداد اشخاص سے ہوگیا۔

۲۵رجنوری ۱۹۱۰ء۔ صبح کو ہم مسٹر بوٹر سلطانی خیاط کی دکان پر گئے اور وہاں اپنے لیے کچھ لباس بنوانے کا حکم دیا اور بیگم صاحبہ کے لیے زنانہ لباس کی میڈم ہگوئی کی دکان پر جا کر جس کا تعلق پیرس کی دکان سے ہے، فرمائش کی اور بعض دوسری دکانوں سے ضروری سامان کی

خرید وفروخت بھی کی۔

صدراعظم ترکی سے ملاقات

سہ پہر کو تین بجے سے قبل مسٹر فٹز مارلیس تشریف لائے اور مجھے اپنی گاڑی میں بٹھا کر صدراعظم حقی پاشا کی دولت سرا پر لے گئے۔ اور ٹھیک تین بجے وقت مقررہ پر مجھے ان سے ملایا۔ حقی پاشا ایک عالم ہیں، پہلے یہ پروفیسر تھے اور اب وزیراعظم ہوگئے ہیں۔ نہایت سادہ انگریزی لباس اور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ یہ زبان انگریزی میں فصاحت کے ساتھ مجھ سے گفتگو کرتے رہے اور ہندوستان، مصر اور انگلستان کا تذکرہ ہوتا رہا۔ میرے سفرِ حج کا حال بھی دریافت فرماتے رہے۔ ان سے رخصت ہونے کے بعد ہم جناب ممدوح کے بعض معتمدین اور ایڈی سی وغیرہ سے بھی، جو اس وقت موجود تھے، ملے۔ اس کے بعد شہر کی سیر کرتے ہوئے ہوٹل واپس آئے۔ مسٹر فٹز مارلیس نے میرے ساتھ چائے نوش فرمائی اور کچھ دیر بات چیت کر کے بہ وعدۂ ملاقات آئندہ تشریف لے گئے۔

شام کو پھر ہم نے شہر پیرا کی مختلف حصوں کی سیر کی اور ہوٹل میں بہت سے معززین سے تعارف حاصل کیا۔

۲۶ رجنوری ۱۹۱۰ء۔ صبح ہم حسب معمول نماز اور دیگر ضرورتوں سے فارغ ہو کر بازار گئے اور بہت سا وقت خرید اشیا میں صرف کیا۔ صفی الدین بیگ صاحب جن سے پرسوں تعارف ہو چکا تھا، بڑے خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ انھوں نے جمعہ کی شب کو زنانہ و مردانہ دعوت (ڈنر) کا پیغام بھیجا اور ہم نے شکریہ کے ساتھ منظور کیا۔ اسی طرح حماد پاشا وزیرِ اوقاف نے بھی ہمیں چاء کی دعوت ہفتۂ آئندہ کو دی۔ سہ پہر کو ہم نے پھر بازار وغیرہ دیکھے۔

باب چہارم

مساجد قسطنطنیہ

۲۷رجنوری ۱۹۱۰ء۔ آج ہم نے شہر قسطنطنیہ کی مساجد دیکھیں۔ شہر قسطنطنیہ سات پہاڑیوں پر آباد ہے اور ہر پہاڑی کی چوٹی پر ایک ایک شاہی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ نیلے آسمان کے نیچے یہ سفید عمارتیں بہت دلفریب معلوم ہوتی ہیں جن کے باعث شہر کی خوبصورتی دوبالا ہوجاتی ہے۔ اکثر مساجد ایک ہی نمونہ کی ہیں، فرق اتنا ہے کہ شاہی مساجد میں سنگ مرمر اور قیمتی پتھر استعمال کیے گئے ہیں اور چھوٹی مسجدیں چونہ گچی کی ہیں مگر ان کی سفیدی بھی آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے۔

چھوٹی سے لے کر بڑی مسجد تک ہر ایک میں مینار ہیں، لیکن کسی مسجد میں ایک سے کم اور چھ سے زیادہ نہیں ہیں۔ ہر ایک کے گرد چہار دیواری ہے۔ اس کے باہر صحن اور باغ ہوتا ہے اور عموماً باغ میں بانیِ مسجد کی تربت ہوتی ہے۔ بالعموم ہر مسجد کے ساتھ ایک عام مدرسہ یا دینی درس گاہ اور کچھ وقف کی ہوئی عمارتیں ہوتی ہیں۔ بعض بڑی مسجدوں میں لنگر خانے، کتب خانہ اور حمام بھی ہوتے ہیں۔ بعض بعض مساجد کے ساتھ مسافروں کے قیام کے لیے سرائیں بھی ہیں۔ اس تفصیل سے مساجد کی وسعت اور شان معلوم ہوسکتی ہے۔

مسجد ایا صوفیا

زمانۂ قدیم میں یہ مسجد سینٹ صوفیا کی گرجا تھی۔ اس کی تعمیر شہنشاہ کانسٹن ٹائن اور اس کے جانشین کانسٹن ٹیئس نے کی تھی۔ ۴۰۴ء کی آتش زدگی سے اس کو بہت نقصان پہنچا جس کی

کچھ مرمت کرائی گئی۔۵۳۲ء کی خانہ جنگیوں نے اس کو بالکل تباہ کر دیا۔آخرکار ۵۳۷ء عیسوی میں جسٹینین شہنشاہ قسطنطنیہ نے پانچ برس کے عرصہ میں اس کو نئے سرے سے تعمیر کرایا۔جس میں زمانۂ حال تک بہت کم تغیر وتبدل ہوا ہے۔۲۹رمئی ۱۴۵۳ء کو سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے نماز مغرب یہاں ادا کی اوراس روز سے یہ کلیسا مسجد بن گیا۔

اس کا بیرونی روکار بالکل سادہ ہے۔مسجد کے نیچے کھڑے ہوکر اس کا بڑا گنبد اور دونوں جانب کے نیم گنبد بہ مشکل دکھائی دیتے ہیں۔اس کے بیرونی مکانات میں حمام اور دکانیں ہیں جس میں کسی قسم کی رنگ آمیزی یا پچی کاری بالکل نہیں ہے۔بانیِ کلیسا کا ارادہ تھا کہ اس کے بیرونی حصے پر سنگ مرمر لگا کر اس میں گل و بوٹے کی پچی کاری سے آراستہ کرے مگر کسی وجہ سے وہ اپنے ارادہ کی تکمیل نہ کرسکا۔

مسجد کے مغربی پہلو میں پانچ دروازے ہیں۔ان سے گزر کر ایک وسیع دالان جس کی لمبائی ۲۰۵ فٹ اور چوڑائی ۳۰ فٹ ہے، ملتا ہے۔اُس دالان کا فرش سنگ مرمر کا ہے، دیواریں اورمحرابیں بھی مرمر کی ہیں جن پر خوبصورت گلکاری کی ہوئی ہے۔اس دالان کے نو دروازے ہیں۔ان سے آگے بڑھ کر مسجد کا وہ بڑا حصہ ملتا ہے جس پر گنبد ہے۔ان نو دروازوں میں جو وسطی دروازہ سب سے بلند ہے،اس کو شاہی دروازہ کہتے ہیں۔

مسجد کے وسطی کمرہ کا طول ۲۵۰ فٹ اور عرض ۱۱۰ فٹ ہے۔اس کمرہ کے چاروں جانب گیلریاں اور غلام گردشیں ہیں جن کی وجہ سے کل کمرہ کا عرض ۲۳۵ فٹ ہوجاتا ہے۔۵۵۸ء کے زلزلہ میں اس کا گنبد گر پڑا تھا جس کے تھوڑے عرصہ میں دوسرا گنبد تیار ہوگیا جو اب تک باقی ہے۔اس گنبد کی بلندی ۱۷۹ فٹ اور دور ۱۰۸ فٹ ہے۔

وسطی گنبد اور چاروں کونوں کے نیم گنبد آٹھ زبردست ستونوں پر قائم ہیں۔ان میں سے نیچے کے محرابوں کے سنگ ساق کے چار ستونوں کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ پہلے ڈائنا کے مندر واقع یونی سس میں لگے ہوئے تھے، درمیانی ایوان کے چاروں کونے سُرخ رنگ کے سنگ

سماق کے ستونوں پر قائم ہیں۔ یہ ستون بعلبک کے بڑے مندر کی یادگار ہیں۔ گیلری کے ستون وسطی ستونوں سے ذرا چھوٹے ہیں، یہ سب ایک نمونہ کے ہیں اور سبز رنگ کے کسی پتھر سے ایک ڈال کے ترشے ہوئے ہیں۔ تمام اندرونی حصہ مسجد میں سنگ مرمر کی تختیاں لگی ہوئی ہیں جن میں سے بعض پر پچی کاری کے کچھ نشانات باقی رہ گئے ہیں۔ مسجد کا تمام اندرونی فرش سنگ مرمر کا ہے۔

کہتے ہیں کہ دیواریں اور گنبد کسی وقت سرتاپا بیل بوٹوں اور تصاویر سے آراستہ تھے، مگر چار بڑے فرشتوں یعنی حضرت جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل کی قدیم تصاویر کے سوائے جو گنبد کے نیچے بنی ہوئی ہیں اور جن کو ایسا تبدیل کر دیا گیا ہے کہ تصاویر نہیں رہیں، کل باقی نقش ونگار یا ضائع ہو گئے یا اُن پر چونا پھیر دیا گیا۔

چوں کہ اِس کلیسا کا رُخ بیت المقدس کی جانب تھا، اس لیے مسجد بنانے میں یہ دقّت پیش آئی کہ قبلہ جو بیت المقدس سے کسی قدر جنوب رویہ ہے، مشرقی دیوار کے عین وسط میں نہ آ سکا۔ اس لیے اب مصلّے دیوار کے محاذی نہیں بچھائے جاتے۔ مشرقی دیوار کے قریب ہی ایک ستون پر ایک ہاتھ کا سرخ نشان ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سلطان محمد ثانی جب قتل وغارت سے واپس آ کر مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو اُن کے ہاتھ کا نشان جو خون میں ڈوبا ہوا تھا، یہاں لگ گیا، لیکن یہ معتبر روایت نہیں معلوم ہوتی۔ گیلری میں ایک بند دروازہ ہے جس کے متعلق عیسائی بیان کرتے ہیں کہ فتح قسطنطنیہ کے وقت جو اسقف نماز پڑھا رہا تھا، خوف سے انجیل لے کر بھاگا اور اس دروازہ میں گھس گیا۔ اس وقت سے یہ دروازہ بند ہے۔ جب کبھی کوئی عیسائی قوم قسطنطنیہ فتح کرے گی، اس وقت وہ اسقف باہر نکل کر اپنی نماز ختم کرے گا۔ مشرقی دیوار کے دائیں پہلو میں منبر ہے اور اس کے مقابل میں سلطان المعظم کی نشست گاہ۔ منبر کے برابر دائیں جانب موٹے حرفوں سے اللہ اور بائیں طرف محمد لکھا ہوا ہے۔ اسی قسم کی تختیاں چاروں طرف لگی ہوئی ہیں جن میں خلفاء راشدین اور حضرت امام حسنؓ وحضرت

امام حسینؓ کے نام لکھے ہوئے ہیں۔

اس مسجد کے جنوبی مشرقی مینار کو سلطان محمد ثانی نے بنایا تھا۔شمال مشرقی مینار سلطان سلیم ثانی کی یادگار ہے اور مسجد کے صحن میں اس سلطان کی تربت بھی ہے۔جنوب مغربی اور شمال مغربی مینارے سلطان مراد ثانی کے زمانہ میں تعمیر ہوئی ہیں، یہ سلطان بھی صحنِ مسجد میں مدفون ہے۔غیر مسلم بھی دور دور سے اس کو دیکھنے آتے ہیں۔

ایا صوفیا کی پوری کیفیت جمعہ کی نماز کے وقت دکھائی دیتی ہے۔مصلیوں کی لمبی صفیں جو جنوب رویہ ہونے کی وجہ سے کسی قدر ترچھی رُخ ہوتی ہیں۔یہ وہ موقعہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے بہادروں کے دل کانپ جاتے ہیں اور امیر وغریب کو دوش بدوش نماز پڑھتے ہوئے دیکھ کر جو عبرت پیدا ہوتی ہے اس کا بیان مشکل ہے۔مسز میکس مولر نے بھی یہ دلچسپ نظارہ دیکھا ہے، اس لیے وہاں کا بیان اُن کے الفاظ میں خالی از لطف نہ ہوگا:''نماز شروع ہوگئی اور امام نے بلند چبوترہ پر کھڑے ہو کر قرآن شریف کی قرأت مصری لہجہ اور دھیمی آواز میں آغاز کی۔نمازیوں کو صف بستہ استادہ اور پھر امام کی تکبیر پر ایک ساتھ رکوع، سجود اور قیام میں جاتے ہوئے دیکھ کر دل میں کپکپی چھوٹ جاتی تھی۔بالآخر خطیب نے تقریباً عمودی زینوں پر سے منبر پر چڑھ کر منھ نمازیوں کی طرف کیا اور خلیفۂ وقت اور اسلام کی فتح ونصرت کے لیے دُعا مانگ کر خطبہ پڑھا، (یہاں میم صاحبہ نے غلطی کی ہے کیوں کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہوتا ہے) اس کے بعد نماز ختم ہوگئی اور وہ سب جلد جلد مگر چپ چاپ مسجد سے روانہ ہوگئے۔''اس کے بعد میم صاحبہ لکھتی ہیں:''ہماری گرجاؤں کی طرح نمازیوں کی توجہ کو مائل کرنے کے لیے یہاں کوئی موسیقی، ساز، پھولوں کے ہار یا بے شمار پادری نہ تھے بلکہ سب کچھ نہایت ہی سیدھا سادھا کمال مؤثر تھا اور دیکھنے والوں کو پورا پورا یقین ہو جاتا تھا کہ جو لوگ شریکِ عبادت ہیں وہ کسی رسم کی پابندی کی تکمیل نہیں کرتے بلکہ فی الواقع خالقِ ارض وسما کی عبادت و پرستش سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔''

مسجد ایوب

۱۴۵۳ء میں سلطان محمد ثانی، فاتح قسطنطنیہ نے مسجد ایوب کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ صحابی ۶۷۲ء میں یزید بن معاویہ کے پابرکاب ہو کر عیسائیوں سے معرکہ آرا ہوئے اور قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب شہید ہوئے تھے۔ مرتے وقت آپ نے فرمایا تھا کہ کوئی مسلمان بادشاہ قسطنطنیہ کو فتح کر کے میری تربت کی قدرومنزلت کرے گا۔ چنانچہ اسی بنا پر سلطان محمد نے بعد فتح شیخ شمس الدین علیہ الرحمۃ سے حضرت ایوب انصاری کے مزار کی بابت دریافت کیا اوران کی بتائی ہوئی جگہ پر کھودنے سے اُن کے مدفن کا پتہ چل گیا۔ چنانچہ اسی مقام پر یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ مسجد کے مکمل ہو جانے کے بعد شیخ نے اپنے دست مبارک سے ایک تلوار سلطان کی کمر سے باندھی۔ اس لیے آج تک یہ رسم روم میں جاری ہے اوراس مسجد میں ہر نئے سلطان کی کمر سے حال وقال والے درویشوں کا پیرا پنے ہاتھ سے تلوار باندھتا ہے۔ ہم نے موجودہ سجادہ نشین صاحب سے نیاز حاصل کیا۔

مسجد کے قریب والے قبرستان میں دفن ہونا بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اس مسجد میں کوئی عیسائی قدم نہیں رکھ سکتا۔ میں نے عشا کی نماز اسی مسجد میں ادا کی اور ختم میں شریک ہوا۔

مسجد سلطان محمد فاتح

یہ مسجد اس جگہ تعمیر ہوئی ہے جہاں کسی زمانہ میں حواریوں کا کلیسا تھا۔مگر امتدادِ زمانہ اور اقوام وحشیوں کے حملوں کے باعث یہ کلیسا بالکل تباہ و برباد ہوگیا تھا۔ سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کے ایک عیسائی معمار کے ہاتھ میں اس کی تعمیر کا کام سپرد کیا اوراس کو رقم کی طرف سے بالکل مطمئن کر کے حکم دیا کہ ایک ایسی مسجد تیار کرے کہ اس کا جواب روئے زمین پر نہ مل سکے۔ ۱۷۶۳ء کے زلزلے میں یہ مسجد شہید ہوگئی، اس لیے اس کی عظمت اور خوبصورتی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ بعدازاں یہ مسجد نئے سرے سے بنائی گئی۔ لیکن قدیم اور موجودہ مسجد میں کوئی مناسبت نہیں کیوں کہ وہ یونانی طرز کی تھی اور یہ اطالیہ کے نمونہ کی ہے جس کی وضع

اٹھارھویں صدی کی عمارتوں سے بہت ملتی جلتی ہے پھر بھی ایا صوفیا کی بہت شباہت اس میں پائی جاتی ہے۔ روم کی مسجدوں کا کم و بیش وہی نمونہ رکھا جاتا ہے جو شہر کی شاہی مسجد ایا صوفیا کا ہے۔

مسجد کے باغ میں سلطان محمد ثانی کی تربت ہے۔ اس مسجد کا صحن بہت وسیع ہے، دریچوں کے تمام شیشے سفید اور چونا گچی کی سفید دیواریں ہیں۔ اس [کی] سادگی اور یک رنگی دیکھنے سے آنکھوں میں چکاچوند آجاتی ہے، مسجد کے بیرونی حوض بہت بڑے بڑے ہیں۔

مسجد بایزید

اس مسجد کو سلطان بایزید نے اپنے عہد حکومت ۱۴۹۷ء لغایت ۱۵۰۵ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کو کبوتروں کی مسجد بھی کہتے ہیں کیوں کہ یہاں سیکڑوں کبوتر رہتے ہیں جن کو لوگ دانہ پانی ڈالتے رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ سلطان بایزید نے ایک جوڑا کسی غریب بڑھیا سے خرید کر اس مسجد کی نذر کیا تھا اور یہ کل کبوتر اس جوڑے کی نسل میں سے ہیں۔

یہ مسجد سرعسکرت یعنی وزارتِ حربیہ کے بڑے پھاٹک میں واقع ہے۔ اس کی طرز خالص عربی ہے۔ صحن کشادہ اور وسط صحن میں ایک مسقّف حوض ہے۔ اس کے ستون ایک ڈال کے ہیں مگر تمام ستونوں کا رنگ جدا جدا ہے۔ کوئی سبز رنگ کا ہے، کوئی سُرخ، کوئی سنگ مرمر کا ہے تو کوئی سنگ موسیٰ کا۔ اس میں جابجا سرو اور شمشاد کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ یہ مسجد ایسی تبرک خیال کی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اشرفیوں کی تھیلی بھی یہاں چھوڑ جائے تو اُس کو اپنی جگہ سے کوئی نہیں اٹھاتا۔ تجّار عموماً اس مسجد کے حجروں میں آکر قیام کرتے ہیں۔ مسجد کے باغ میں سلطان بایزید کا مزار ہے۔

مسجد سلطان سلیم اوّل

اس مسجد کو سلطان سلیمان اعظم نے اپنے والد سلطان سلیم اوّل کی یادگار میں تعمیر کرایا تھا۔ یہی وہ بادشاہ تھا جس کے زمانہ میں (۱۵۰۰ء سے ۱۵۲۶ء) کردستان، شام، مصر، عرب،

سلطنت روم میں داخل ہوئے اور اس زمانہ سے سلاطین روم کا لقب خادم الحرمین شریفین قرار پایا۔

یہ مسجد بہت مختصر اور بہت ہی سادی ہے، مگر کہا جاتا ہے کہ اس کا گنبد تمام قسطنطنیہ کی مسجدوں میں سب سے بڑا ہے۔ اس مسجد کے باغ میں سلطان سلیم اوّل اور سلطان عبدالمجید خان کی قبریں ہیں۔

مسجد کے چبوترہ پر سے تمام شہر دکھائی دیتا ہے۔ اس کے جنوب مغربی پہلو پر زمانۂ قدیم کا ایک حوض ہے جس کا ہر پہلو تقریباً ۵۰۰ فٹ ہے۔

مسجد شاہزادہ

سلطان سلیمان اعظم نے یہ مسجد ۱۵۴۸ء میں اپنے شیر خوار فرزند محمد کی یادگار میں بنائی تھی۔ یہ شاہزادہ کم سِنی ہی میں فوت ہو کر اس مسجد کے صحن میں دفن ہوا۔ اس کے قریب ہی سلطان سلیمان کے دوسرے بیٹے جہانگیر کی تربت ہے۔ شاہزادہ مصطفیٰ کا گلا ملکہ روشنک کی ترغیب اور سلطان سلیمان کے حکم سے عین دربار میں گھونٹا گیا، شاہزادہ جہانگیر بھی دربار میں موجود تھا۔ وہ اپنے مقتول بھائی کی نعش سے لپٹ گیا۔ جدا کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ آخرکار اُس کو بھی بھائی کے پہلو میں جگہ دی۔

ان دونوں قبروں پر ایرانی وضع کی پچی کاری کی ہوئی ہے۔ یہ مسجد سنان پاشا (جو فن معماری میں استاد زمانہ شمار کیا جاتا تھا) کی بنائی ہوئی ہے۔ مگر اسی انجینیر کی بنائی ہوئی دوسری مسجد سے جس کو جامع سلیمانیہ کہتے ہیں، اس مسجد کو کوئی مناسبت نہیں۔ مسجد سے جو مسقّف راستہ مقبرہ کو گیا ہے اس پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ یہ عمارت بہت اچھی حالت میں ہے اور اس کی پوری نگہداشت کی جاتی ہے۔

مسجد سلیمانیہ

اس مسجد کی بنیاد سلطان سلیمان اعظم نے ۱۵۵۰ء میں ڈالی اور ۱۵۵۶ء میں سنان پاشا

کی کوشش سے یہ مسجد تکمیل کو پہنچی۔فن معماری میں اس انجینیر کے مقابلہ کا کوئی ترک آج تک پیدا نہیں ہوا۔ یہ مسجد قسطنطنیہ کی دوسری مساجد سے خوبصورتی میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔اس کے سامنے کے صحن کا طول ۱۹۰فٹ اور عرض ۱۵۰فٹ ہے، صحن کے گرد مسقّف محرابیں ہیں جن کے ستون سنگ مرمر اور سنگ خارا کے ہیں۔ ہر محراب کے اوپر ایک ایک گنبد بنا ہوا ہے۔

خود مسجد کا طول ۲۲۵ فٹ اور عرض ۲۰۵ فٹ ہے۔اس کا گنبد سنگ سرخ کے ایک ڈال چار ستونوں پر قائم ہے۔دیواریں مختلف رنگوں کے مرمر کی ہیں۔محراب، منبر اور جالی دار پردہ جو سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ کے گرد لگا ہوا ہے وہ سنگ مرمر کا ہے اور اس پر کمال نفاست، نزاکت اور لطافت سے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔اس مسجد کا گنبد اندر کی جانب سے ۱۵٦ فٹ بلند ہے اور اس کا دور ۸٦فٹ ہے۔ظاہراً شان وشوکت میں یہ گنبد ایا صوفیا کے گنبد سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ فن تعمیر کے لحاظ سے یہ مسجد ایا صوفیا سے کہیں بہتر ہے۔اس کی طرز، اس کا تناسب، اس کی شان ایا صوفیا کو نظروں سے گرا دیتی ہے مگر جو اثر ایا صوفیا کے دیکھنے سے دل پر پڑتا ہے ویسا یہاں بالکل نہیں پڑتا۔

مسجد کا اندرونی حصہ رنگین شیشوں اور ایرانی وضع کے بیل بوٹوں سے مزیّن ہے۔

سلطان سلیم اعظم کی تربت اس مسجد کے صحن میں بنی ہوئی ہے۔خود قبر پر اعلیٰ درجہ کی دستکاری کے نمونہ نظر آتے ہیں۔قریب ہی ملکہ روشنک کی قبر ہے۔ یہ ملکہ روسی نژاد تھی اور قید ہو کر سلیمان اعظم کے دربار میں آئی تھی۔ بعدازاں حرم میں داخل ہو کر اُس نے وہ زور پکڑا کہ اپنے سوتیلے بیٹے مصطفیٰ کو خود اُس کے باپ سے کہہ کر مروا ڈالا۔ ملکہ روشنک کا بیٹا جہانگیر مصطفیٰ کی نعش سے لپٹ کر سرد ہو گیا۔ملکہ کا دوسرا بیٹا محمد عالم کم سنی میں مر گیا۔آخرکار اس کا سب سے بڑا لڑکا سلطان سلیم کا لقب اختیار کر کے سلطان سلیمان اعظم کے بعد تخت نشین ہوا۔ انھیں جھگڑوں میں ملکہ کا بھی انتقال ہو گیا اور اپنے خاوند سلطان سلیم کے پہلو میں دفن ہوئی۔

جامع احمدیہ

اس مسجد کو سلطان احمد اوّل نے ۱۶۰۸ء میں بنوانا شروع کیا تھا اور چھ سال کے عرصہ میں اس کی تکمیل ہوئی۔

اس کے بیرونی صحن کے چاروں طرف محرابیں ہیں اوران پر ۳۰ گنبد قائم کیے ہیں۔ صحن کے وسط میں فوارہ ہے۔

اس مسجد کا طول ۲۳۸ فٹ اورعرض ۲۱۰ فٹ ہے۔ دیواروں کی ساخت، ستونوں کی وضع اور کھڑکیوں کی طرز بالکل یکساں ہے اور مقابلہ میں اس قدر مبالغہ کیا گیا ہے کہ کل عمارت مل ملا کر بالکل پھیکی رہ گئی ہے۔ دریچوں کے اردگرد روغنی تختیاں لگا کرکسی قدر خوبصورتی پیدا کر دی ہے، پھر بھی اس شان وشکوہ کی مسجد کو جیسا ہونا چاہیے اُس کا عشرعشیر بھی نہیں رہا۔ چھتوں میں بے شمار لمپ، شتر مرغ کے انڈے، گھوڑے کی دُمیں اور رنگ برنگ کے پھندنے لٹکے ہوئے ہیں۔ اندر کی نسبت باہر کا حصہ کسی قدر عمدہ ہے۔ پہلے چھوٹے گنبد، ان سے آگے ذرا بڑے گنبد اور اسی طرح بتدریج گنبد بڑھتے چلے گئے ہیں یہاں تک کہ سب کے بیچ میں بڑا گنبد نکل آتا ہے۔

سب سے پہلے اس مسجد کے چھ مینارے بنائے گئے ہیں مگر لوگوں نے فساد برپا کر دیا کیوں کہ اس زمانہ تک صرف بیت اللہ شریف کے چھ مینار تھے، آخر اس کا تصفیہ یوں ہوا کہ سلطان احمد نے کعبۃ اللہ میں ایک مینار اور بڑھا دیا۔

اس مسجد کے گرد ایسے بڑے بڑے درخت میں کہ باہر سے مینار تک دکھائی نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ یہ درخت تین چار سو برس پہلے سے یوں ہی چلے آتے ہیں۔

سلاملق اور نماز جمعہ

۲۸ر جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج قسطنطنیہ کے بازاروں، شاہراہوں، سڑکوں اور گلی کوچوں میں ایک غیرمعمولی ہل چل، گہما گہمی اور رونق نظر آ رہی ہے۔ جس طرف جائیے اور جدھر نظر اٹھا کر

دیکھیے، آدمیوں کی کثرت اور تماشائیوں کا مجمع نظر آرہا ہے۔ ہجومِ خلائق کا عجیب عالم ہے۔ سڑکوں پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ کھڑے ہیں اور محوِ تماشہ ہیں۔

یہاں اس وقت یہ آدمیوں کے ہجوم اور جمگھٹے صرف اس وجہ سے ہیں کہ سلطان المعظم ہر جمعہ کو کسی ایک مسجد میں جو پہلے سے انتخاب کر لی جاتی ہے، نماز جمعہ پڑھنے کے لیے رونق افروز ہوتے ہیں۔ آج بھی یوم جمعہ ہے اور رسم سلاملق کا محل طولمہ باغچہ کے قریب کی مسجد میں ادا ہونا قرار پایا ہے۔ چنانچہ اس وجہ سے خاص شہر کے باشندے، آس پاس کے رہنے والے، ملک ملک کے مسافر، دور دور کے سیاح جو حسن اتفاق سے آج یہاں موجود ہیں، سب کے سب جلوس سلطانی اور موکبِ ہمایوں کے دیکھنے کے مشتاق نظر آرہے ہیں۔

واقعی اس موقع پر قسطنطنیہ میں تماشائیوں کا جمِ غفیر ہوتا ہے۔ اس سے قلبِ انسانی پر اسلام کی شان و شوکت اور عظمت و جلال کا خاص اثر پڑتا ہے اور یہ رسم اپنی دلچسپی اور اثر میں بے مثل ہے۔ اس وقت اس کے دیکھنے کے لیے اکثر معزز تماشائی ٹکٹ لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ بہت سے یوروپین سیاح بھی اجازت حاصل کر کے ایک خاص مقام پر جمع ہیں۔ فوج کی آراستگی بھی قابل دید ہے اور انتظام کی غرض سے سپاہی محل شاہی سے دو رویہ مسجد تک صف باندھ کر کھڑے ہوئے ہیں اور منتظر ہیں کہ موکب ہمایوں کی آمد آمد کی اور سلطان کے قصر شاہی سے برآمد ہونے کی ذرا بھی خبر سنیں تو تمام راستے روک دیں۔

میں ہوٹل میں عربی لباس پہنے ہوئے نماز جمعہ اور رسم سلاملق میں شریک ہونے کے لیے تیار تھا۔ سفارت خانہ انگلشیہ کی طرف سے ایک ملازم جو میرے ساتھ جانے کے لیے متعین کیا گیا تھا، آیا اور میں گاڑی میں سوار ہو کر محل شاہی کے قریب کی مسجد میں جہاں رسم سلاملق ادا ہونے والی تھی، گیا۔ مسجد میں پہنچ کر سلطان المعظم کے ملازمین خاص اور امام صاحب سے ملاقات ہوئی، انھوں نے مجھے قہوہ پلایا اور ہم سب لوگ سلطان المعظم کی آمد کے انتظار میں ایک ایسے کمرہ میں جہاں سے سواری آتی ہوئی بخوبی دکھائی دیتی تھی، جا کر بیٹھ

گئے۔ چوں کہ میں نماز میں بھی شریک ہونے والا تھا، اس لیے مجھے اس خاص کمرہ میں حاضر رہنے کی عزت بخشی گئی۔

یہاں کی مساجد میں مقامِ خطیب بہ مقابلہ ہندوستان کی مساجد کے زیادہ بلند ہوتا ہے تا کہ لوگ دُور دُور تک آواز بخوبی سن سکیں۔ یہ مسجد بہت ہی آراستہ ہے اور اس کی زیبائش و آرائش قابل دید ہے۔

نماز جمعہ کے وقت سلطان المعظم کی آمد آمد کا غُل ہوا، اب جلوسِ شاہی آہستہ آہستہ قصرِ شاہی سے نکل کر مسجد کی طرف آتا ہوا نظر آیا اور ترکوں کے قومی نعرے ''چوق یشا'' کی آوازیں دلی جوش اور خلوص قلبی کے ساتھ ہر طرف سے بلند ہوئیں اور مشتاقانِ جمالِ سلطانی بصد ادب، سلام بجا لائے۔

موکبِ سلطانی کے مسجد میں داخل ہوتے ہی موذن نے تکبیر کہی اور صدائے ''اللہ اکبر'' سے در و دیوار گونج اُٹھے۔

خلیفۃ المسلمین و ہمراہیان نے فوقانی حصۂ مسجد میں نماز ادا کی۔ ہم سب نیچے امام کے قریب تھے۔ نہایت ہی حضوریِ قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھی اور خطبہ سُنا۔

سلطان المعظم کے حضور میں باریابی

بعد نماز جمعہ خلیفۃ المسلمین سلطان محمد خامس خلد اللہ ملکہ و سلطنۃ کمرۂ شاہی میں جو مسجد کے قریب ہی ملا ہوا تھا، تشریف لے گئے اور اپنی شاہانہ عنایت سے مجھے یاد فرما کر فخر باریابی اور شرفِ دست بوسی بخشا اور از راہِ بندہ نوازی تقریباً بیس منٹ تک سفرِ حجازِ بیت اللہ شریف اور ہندوستان وغیرہ کا ذکر فرماتے رہے۔

سلطان المعظم مجھ سے کبھی زبان فارسی میں گفتگو فرماتے تھے اور کبھی بذریعۂ مترجم زبانِ ترکی میں سوال کرتے تھے اور میں حسبِ موقعہ اُن کے سوالات کے جواب ادا کرتا تھا۔ ختمِ ملاقات پر خلیفۃ المسلمین نے بالطافِ خسروانہ عہدہ دارانِ شاہی سے جو اس وقت حاضر تھے،

مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ اس عاجز کو تبرکات خلافت کی زیارت و جواہر خانہ و محلات شاہی کی سیر کرائی جائے۔ اس فرمانِ سلطانی کو سن کر عہدہ دارانِ حضوری نے سرِ تسلیم خم کیا اور اس وقت سے انتظام کرنا شروع کر دیا اور مجھ سے یہ بھی کہا کہ متعاقب وقت معین کر کے اطلاع دی جائے گی اور ایک افسر بھی بھیجا جائے گا جو آپ کو سب چیزیں دکھائے گا اور مقامات کی سیر کرائے گا۔

اس باریابی کے بعد چند اور عہدہ داران سے بھی جو اس وقت یہاں موجود تھے، میری گفتگو ہوتی رہی، ان میں سے اکثر فارسی، فرانسیسی اور انگریزی زبان جانتے تھے، اس لیے مجھے ترکی زبان نہ جاننے سے کسی نوع کی دقّت نہ ہوئی۔ یہاں سے ہم اپنی قیام گاہ یعنی ہوٹل کو واپس گئے۔

ممالک اسلامیہ میں اخوتِ اسلامی بھی بڑا زبردست اثر رکھتی ہے اور عموماً ترک تو بہت ہی بااخلاق ہوتے ہیں۔ خصوصاً ہندوستانیوں کے ساتھ جو محض اسلامی ہمدردی و جوش عقیدت سے سفر دور و دراز طے کر کے قسطنطنیہ پہنچتے ہیں، بہت ہی محبت اور مہربانی و اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ ہندوستان کے مسلمان بھی دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کریں تو کیا اچھا ہو۔

سہ پہر کو بعض قسطنطنیہ کے ذی اخلاق احباب ہم سے ملنے کے لیے آئے اور یہ وقت ملاقات سب نے باریابی کی مبارک باد دی۔

اسمٰعیل کمال بے، ممبر پارلیمنٹ جو ہمارے ساتھ پیرا پیلس ہوٹل میں مقیم ہیں، ان کی وجہ سے ہماری ملاقات و ربط اُن کے عزیز صفی الدین بے سے بڑھ گیا ہے۔ انھوں نے آج ہمیں اپنے مکان پر دعوت میں مدعو کیا تھا اور زنانہ و مردانہ دعوتیں منعقد کی تھیں۔ چنانچہ شام کو ہم وقتِ مقررہ پر مع اسمٰعیل کمال بے بعد مغرب ان کے مکان پر پہنچ گئے اور ڈنر میں شریک ہوئے۔ بیگم صاحبہ زنانہ ڈنر میں مدعو کی گئیں تھیں اس لیے وہ بھی تشریف لے گئیں۔ چوں کہ

بیگم صاحبہ (مسز سربلند جنگ) خاندان مغلیہ سے ہیں، اس لیے ترکی خواتین نے انھیں اپنے ہی زمرہ میں سمجھا اور بہت محبت و اخلاق کے ساتھ پیش آئیں۔ مردانہ و زنانہ ڈنر میں انواع و اقسام کے کھانے ترکی اور انگریزی اس ملک کے دستور کے مطابق تھے، ان میں سے اکثر بہت ہی لذیذ اور خوش ذائقہ تھے۔

ترکی بیبیاں زبان عربی میں بیگم صاحبہ سے باتیں کرتی ہیں، اگر چہ ایک عیسائی میم صاحبہ بھی مدعو تھیں جو زبان انگریزی و عربی میں بخوبی گفتگو کر سکتی تھیں۔ مگر چوں کہ بیگم صاحبہ خود عربی داں ہیں اور زبان انگریزی بھی جانتی ہیں، اس لیے خواتین کو میم صاحبہ سے کچھ زیادہ مدد نہیں ملی۔ سب نے عربی بول کر کام چلایا۔ ختم دعوت پر زنانہ و مردانہ میں کمسن بچوں نے خوش آوازی سے گیت گائے۔ زنانہ میں خواتین نے پیانو بجایا اور انھوں نے ترکی گیت بھی گائے۔

بیگم صاحبہ نے میزبان خاتون کی استدعا پر اپنے والد ماجد نواب سرورالملک بہادر کی اور اپنی تصنیف کردہ غزلیں پڑھیں اور ترک خواتین زبان ہند کے اشعار سن کر محظوظ ہوئیں۔ زنانہ جلسہ میں قدیم اور جدید لباس پہننے والی بیبیاں شریک تھیں۔ بیگم صاحبہ کی فرمائش کرنے پر خواتین ترک نے ایک بی بی کو دُلہن کے کپڑے پہنا کر ترکی طریقہ دلہن بنانے کا بتایا۔ غرض کہ اس طرح سے یہ پُر لطف اور مسرت بار جلسے ختم ہوئے اور ہم پیرا پیلس ہوٹل کو واپس آئے۔

۲۹ رجنوری ۱۹۱۰ء۔ ہم نے صبح کا وقت آج سیر و تماشہ میں صرف کر دیا۔ سہ پہر کو ہم حماد پاشا وزیرِ اوقاف کے دولت خانہ پر گئے۔ انھوں نے ہماری خاطر بہت ہی پُر تکلف چائے نوشی کی دعوت ترتیب دی تھی۔ یہاں بھی زنانہ میں عربی زبان سے کام چلایا گیا۔ پاشا موصوف نے ازراہِ محبت و اخلاق دعوت دیتے وقت ہی ڈنر میں بھی شریک ہونے کے لیے اصرار کیا تھا، لیکن ہم نے زیادہ تکلیف دینا پسند نہیں کیا۔ چوں کہ آج شب کو ارمنی لوگوں کا جلسۂ بال (رقص) ہونے والا تھا، اس لیے بعد چائے نوشی ہم پاشا موصوف سے رخصت ہو کر ہوٹل میں آئے۔ یہاں شب کو ارمنیوں کا جلسۂ بال جو بہت ہی پُر لطف تھا، رات بھر رہا۔

باب پنجم

قصرِ قدیم اور قسطنطنیہ کی عدالتوں وغیرہ کی سیر

۳۰/جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج ہم صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ محل شاہی کے ایک عہدہ دار آئے اور بیان کیا کہ سلطان المعظم کے حکم خاص سے آپ کو تبرکات خلافت کی زیارت کرائی جائے گی۔ ہم اس مژدۂ فرحت اثر کو سُن کر جلد تیار ہو کر اُن کے ہمراہ روانہ ہوئے اور قصرِ قدیم پہنچ کر محل کے احاطہ میں دروازۂ چشمۂ سرد سے داخل ہوئے۔ یہ محل بہ لحاظ اپنے منظر کے نہایت ہی دلفریب اور خوشنمائی میں بے مثل ہے۔ یہاں محل کے ملازمین ہم سے نہایت ہی ادب کے ساتھ پیش آئے اور ایک نہایت عالی شان کمرہ میں جس کی آرائش و زیبائش قابل دید ہے، ہمیں لے جا کر بٹھایا۔ کچھ دیر بعد سونے کی مرصع پیالیوں میں ہمارے لیے قہوہ لے کر آئے اور جڑاؤ سگریٹ کیس میں سگریٹ پیش کیے۔ ہم نے یہاں کی عمارتیں دیکھیں جو بلحاظ قدامت کے بجز ایک دو کے سب کی سب سلاطین قدیم کی یادگاریں ہیں۔ ان عمارتوں میں سب سے قدیم دروازہ کی بائیں جانب تھیوڈوسیس کے ستون ہیں جنھیں ۲۶۹ء میں کلوڈیس نے گاتھوں پر فتح نمایاں حاصل کر کے بطور یادگار کے تعمیر کیے تھے۔ سامنے ہی سیدھے ہاتھ کی طرف بابِ ہمایوں ہے اور اس کے نزدیک ہی شاہی دارالضرب اور سینٹ آئیرنی کا گرجا ہے۔

بابِ ہمایوں کے باہر ایک خوش نما عربی وضع کی عمارت بنی ہوئی ہے۔ یہاں سلطان محمد سوم کا چشمہ ہے۔ ہم نے اسے دیکھا اور بانیِ چشمہ کے نام پر ایصال ثواب کی غرض سے فاتحہ پڑھی۔ اور شمشاد کے درختوں کے جھنڈ میں سے ہوتے ہوئے بابِ سعادت سے گزر کر دیوان

عام کی اس مشہور عمارت کو دیکھا جسے سلطان سلیمان اوّل نے تعمیر کیا تھا۔ یہاں سے ہم اُس مقام پر پہنچے جہاں جواہر خانۂ شاہی کی عمارت ہے۔

یہاں ہم نے ایک بہت ہی خوشنما سونے کا مرصع تخت دیکھا جسے سلطان سلیم اوّل، ایران کے شاہ اسمٰعیل کو ۱۵۱۴ء میں شکست دے کر لائے تھے۔ یہ زمانۂ قدیم کی صنّاعی کا بہترین نمونہ ہے اور بیش بہا جواہرات سے مرصع ہے۔

یہاں سلطان مراد چہارم کے وہ اسلحہ جنگ بھی رکھے ہوئے ہیں جو انھوں نے تسخیرِ بغداد کے وقت ۱۶۳۸ء میں زیب تن کیے تھے۔ اسی جگہ ایک خوشنما طلائی مرصع صراحی بھی رکھی ہوئی ہے جس میں دو ہزار تراشے ہوئے ہیرے کے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں۔ ہم نے یہاں ایک پیتل کا پیالہ بھی دیکھا جس پر چاندی کا نہایت ہی عمدہ عربی طرز کا کام کیا ہوا ہے اور جس پر قاعد بے کا نام کندہ ہے۔ یہ شاہان مملوکۂ مصر کا ہے۔ بزنطین، رومی اور عربی عہد کے قدیم سکّے بھی یہاں رکھے ہوئے ہیں۔ اسی جگہ سلاطین قدیم کے تاج، قدیم اسلحہ اور بہت سے بیش بہا جواہرات بھی ہم نے دیکھے۔ اس کمرہ کو بھی دیکھا جہاں بادشاہوں کی تخت نشینی کے وقت رسم تاجپوشی ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ کمرہ دیکھا جہاں خاندان شاہی کے بچوں کی رسم تسمیہ خوانی ہوتی ہے۔ یہ کمرے نہایت ہی خوشنما اور بے مثل ہیں اور آرائش و زیبائش کے لحاظ سے تو اپنا نظیر آپ ہیں۔ اس کے بعد ہم نے وہ مکان دیکھا جہاں سلطان سلیم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں اور قرآن مجید رکھے ہوئے ہیں۔ یہاں سے ہم مسجد خرقہ شریف میں گئے۔ اب ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ یہاں ہم نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر اُس کمرہ میں گئے جہاں خرقہ شریف رکھا ہوا ہے۔ یہ کمرہ نہایت ہی شاندار ہے اور اُس کے چاروں طرف کلام پاک لکھا ہوا ہے۔ دروازہ پر سبز پردہ پڑا ہوا ہے۔ محافظ کمرہ نے ایک طرف سے پردہ اٹھایا، ہم اندر گئے۔ کمرہ کے اندرونی حصہ میں سنہری جالی کا کٹہرا بنا ہوا ہے اور اس جالی پر جو پردہ پڑا ہوا ہے اس پر بھی آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں۔ مگر اندر جانے کا حکم نہیں ہے۔ خرقہ شریف چاندی

کے بکس میں رکھا ہوا ہے، ہم نے اُس کی زیارت کی اور الٹے پاؤں واپس ہوئے۔علاوہ ازیں آنحضرت صلعم کا علم مبارک، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانماز، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شملہ اور اسلحہ وغیرہ بھی رکھے ہوئے ہیں۔ ان سب تبرکات کو ہم دیر تک دیکھتے رہے۔

کہتے ہیں کہ یہ تبرکات سلطان سلیم اوّل یہاں لے آئے تھے اور اسی وقت سے سلطان المعظم قسطنطنیہ خلیفۃ المسلمین قرار پائے۔ ان تبرکات کی زیارت کے لیے ہر سال پندرہ رمضان المبارک کو سلطان المعظم خود بھی تشریف لاتے ہیں۔لیکن کٹہرہ کی طلائی جالی کے اندر جانے کا حکم نہیں ہے۔ یہ اُسی وقت کھلتا ہے جب کوئی نیا سلطان تخت نشین ہوتا ہے۔

عمارات

ان عمارتوں کے حصوں کو بھی دیکھا جو اب تک منہدم ہونے اور آفات ارضی و سماوی سے بچ گئے ہیں۔ چنانچہ اب ہم سلسلہ وار ان قدیم محلاتِ شاہی کے حالات ایک انگریزی کتاب سے ترجمہ کرتے ہیں۔

قدیم محلات شاہی: سلطان المعظم کے محلات نہایت شاندار اور بلند مقامات پر استنبول کی آبادی سے دور بنے ہوئے تھے۔ یہاں کی بلندی سے نہایت شاندار اور پُر فضا منظر نظر آتا تھا۔

قدیم محل سرا میں داخل ہونے کے لیے استنبول کی تنگ گلیوں میں سے گزرنا پڑتا تھا لیکن یہاں آنے کے بعد محل سرا کی شان وشوکت دیکھ کر عقل حیران ہو جاتی تھی۔شمشاد کے درختوں کے جھنڈوں کے درمیان جہاں قسطنطنیہ کا قدیم شہر واقع تھا، قسطنطنیہ کے گنبد و مینار صاف طور سے نظر آتے تھے۔ یہاں ایک زمانہ میں سلاطین عثمانیہ سکونت گزیں تھے اور عیش وعشرت و مشرقی تکلفات کے پورے سامان نظر آتے تھے۔ان شاندار محلات اور ان کے سنگ مرمر اور سنہری کوشکوں میں ہر قسم کے پھولوں کے باغات، فواروں کی رونق وغیرہ سے الف لیلہ کے قصوں کے مانند یہ شہر بھی ایک طلسمی شہر معلوم ہوتا تھا۔

سلطان عبدالمجید خان نے قدیم محل سرا کو چھوڑ کر ان عالی شان محلات میں قیام کیا جن کو ان کے والد مرحوم نے آبنائے باسفورس کے کنارے تعمیر کرایا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم محل سرا رفتہ رفتہ ویران اور منہدم ہوتی چلی گئی۔ ایک مرتبہ آتش زدگی نے بھی اس کو بہت نقصان پہنچایا اور اب صرف بیرونی مکانات کے سوا اس میں اور کچھ نشان باقی نہیں ہے۔ شہر پناہ کی دیوار پر چند توپیں چڑھی ہوئی ہیں اور اُن میں متعدد دروازے بنے ہوئے ہیں، مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور ایک دروازہ ہے جو بابِ ہمایوں کے نام سے موسوم ہے۔ یہ محل سرا کے دروازوں میں سب سے بڑا دروازہ ہے۔ اس کے ہر دو جانب مختلف عمارات بنی ہوئی ہیں۔ مثلاً خزانۂ عامرہ، اصطبل شاہی، سلح خانہ، دارالضرب وغیرہ۔

سلح خانہ: سلح خانہ کا مکان جو اس وقت تک موجود ہے بزنطین گرجا کی عمارت میں ہے جو ایک زمانہ میں سینٹ آئیرنی کے نام سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اُس کو فتح کرنے کے بعد سلح خانہ کے کام میں لائے۔ اسی مقام پر بہت سے شہروں کی قدیم کنجیاں رکھی ہوئی ہیں جن کو سلاطین عثمانیہ نے فتح کیا تھا۔

دوسرے صحن میں داخل ہونے کے بعد یہاں نہایت قدیم ہتھیاروں کا ایک عمدہ ذخیرہ لگا ہوا ہے جو سلاطینِ عثمانیہ کی یادگار ہیں جن کو انھوں نے خوں ریز لڑائیوں کے وقت استعمال کر کے اپنی بہادری کا نمایاں ثبوت دیا تھا۔ اس مقام پر بڑے بڑے وزراء اور امیر قید کیے جاتے تھے جن پر عتاب شاہی ہوتا تھا اور یہاں اُن کو موت کا حکم سنایا جاتا تھا اور نشانۂ تیر بنائے جاتے تھے۔

اس راستہ کے بائیں جانب جو دروازہ تھا اس کا نام دروازۂ درمیانی تھا۔ دوسرے صحن میں سوائے سلطان کے دوسرا شخص سوار ہو کر داخل نہیں ہوسکتا تھا اور وہاں سلطان عموماً گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لاتے تھے۔ صحن میں صرف راستہ پر پتھر کا فرش کیا گیا تھا اور زمین کے بقیہ حصہ میں گھانس لگی ہوئی تھی اور اطراف میں شمشاد کے درخت سایہ فگن تھے اور ان میں

فوارے چھوٹتے تھے۔ جابجا سنگ مرمر کے ستون لگے ہوئے تھے۔ خزانہ عامرہ بھی اسی مقام پر واقع تھا۔ تمام صحن میں دائیں جانب دفاتر اور باورچی خانہ تھے۔ اور بائیں جانب منجملہ دیگر عمارات کے محافظ خانہ اور دیوان کا ہال (بڑا کمرہ) بڑے خواجہ سرا کا دفتر بھی اسی مقام پر تھا۔ توشہ خانہ میں ہر قسم کے خلعتوں کا ذخیرہ موجود رہتا تھا اور جن شخصوں پر سلطان المعظم کی عنایت مبذول ہوتی تھی ان کو خلعت مرحمت کیا جاتا تھا۔

ہر ہفتہ میں ایک معینہ روز پر دیوان کے کمرے میں ایک انصاف کی کمیٹی منعقد ہوتی تھی جس کے صدر وزیر اعظم ہوتے تھے۔ جس میں سلطان کی رعایا میں سے ہر ایک فرد کو اگر کوئی شکایت کرنا ہوتی تو وہاں حاضر ہو کر بیان کرنے کی عام اجازت دی جاتی تھی۔ یہاں مدعی و مدعی علیہ دونوں بذات خود حاضر ہو کر اپنے مقدمات کی پیروی کیا کرتے تھے اور وزیر اعظم ان کے مقدمات کے فیصلے صادر کرتے تھے۔ چوں کہ یہاں سے ایک خفیہ راستہ سلطان المعظم کے محل تک جاتا تھا اور اکثر فیصلہ کرتے وقت اس بات کا خوف رہتا تھا کہ شاید سلطان المعظم پس پردہ کھڑے ہوئے مقدمات کی کارروائی کو سنتے ہوں، اس لیے ہمیشہ انصاف کو مدنظر رکھ کر مقدمات کا فیصلہ کرنا پڑتا تھا۔ دیوان خانہ کے قریب سفیروں کا کمرہ تھا جہاں سلطان المعظم ممالکِ غیر کے بادشاہوں کے ایلچیوں کی عرض معروض سماعت فرمایا کرتے تھے۔

آغایان بیرون: محل سرا کے بیرونی حصہ میں یہ دونوں مکان واقع تھے اور عام طور پر بنے ہوئے تھے۔ ان میں دن کے وقت افسروں، محافظوں اور ملازمین وغیرہ کا ایک مجمع کثیر جمع رہتا تھا اور یہ لوگ آغایان بیرون کے نام سے منسوب کیے جاتے تھے اور ان میں سے کسی شخص کو بھی تیسرے ہال میں، جہاں سے کہ سلطان المعظم کے خاص دفتر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔

آغایان اندرون: اس اندرونی حصہ کا انتظام آغایان اندرون کے سپرد تھا یعنی ان کو غلامان کے چار مکانات اور خواجہ سراؤں کی دو پلٹنوں کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔

باب السّعادت

''باب السّعادت'' سے گزرنے کے بعد ایک عجیب وغریب منظر نظر آتا تھا۔ یہاں بیرونی مثلث صحن کے بجائے ایک وسیع باغ تھا، یہاں متعدد غیر مسلسل چھوٹی اور بڑی عمارتیں موجود تھیں، سب سنہری اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھیں۔ خاص طور پر کاشک[کوشک] اور فوارے نہایت شاندار اور خوشنما تھے۔محل سرا کی مسجد وکتب خانہ، غلاموں کے شاندار کمرے، خواجہ سراؤں کے مکانات، پُرفضا حمام، شاہی خزانہ سب قابل دید عمارتیں تھیں۔

خزانۂ شاہی: خزانۂ شاہی میں بیش قیمت جواہرات موجود تھے جن کی چمک سے آنکھ خیرہ ہوتی تھی۔مختلف اقسام کے قیمتی تحائف جو دیگر ممالک کے بادشاہوں نے سلطان کے پاس بھیجے تھے، موجود تھے۔

۱۵۷۴ء میں ایک مرتبہ خزانۂ شاہی میں آتش زدگی کی وجہ سے نہایت بیش قیمت سامان تلف ہوگیا تھا۔ یہاں تک کہ قدیم بازنطیم کے زمانہ کا ذخیرہ اور کتب خانہ متھیاز کارونیس بھی آگ کے نذر ہوگیا۔مگر سلطان سلیمان کے زمانہ سے ان چیزوں میں دوبارہ اضافہ کیا گیا۔

شاہی حرم سرا: محل سرا کے تیسرے حصہ کے آگے ایک نہایت عالی شان دیوار تھی، اس میں داخل ہونے کے لیے صرف ایک راستہ تھا۔ چار دروازہ تھے، ان میں سے دو برنجی اور دو لوہے کے تھے جہاں شب وروز حبشی خواجہ سرا پہرا دیتے رہتے تھے، اس کے آگے ایک بڑا وسیع باغ تھا جس کا سلسلہ سمندر کی دیوار تک چلا گیا تھا۔ یہاں شاہی حرم سرا کی متعدد عمارتیں تھیں۔ حرم شاہی میں سلطان المعظم کے سوا کوئی دوسرا مرد داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ نیز بڑے خواجہ سرا کو بھی اندر داخل ہونے کے لیے شاہی اجازت لینی ضرور تھی۔

ہر ایک بیگم یا خانم کے لیے ایک علیحدہ محل مقرر تھا جس میں دس بارہ کمرے ہوتے تھے اور متعدد پرستاریں اُن کی خدمت کے لیے مقرر ہوتی تھیں۔

دوسری بیگمات کے لیے ان کے مرتبہ اور حشمت کے موافق مکانات مقرر ہوتے تھے۔

آغایان بیرون، آغایان اندرون: محلاتِ شاہی کا انتظام آغایان بیرون و آغایان اندرون کے سپرد ہوتا تھا۔

''آغایان بیرون'' کے سپرد بیرونی دو محلات کا انتظام ہوتا تھا۔

بوستان جی باشی: بوستان جی باشی یعنی باغبان خاص کی خدمت نہایت اعزاز کی ہے، جو شخص اس خدمت پر مقرر ہوتا تھا وہ محل سرا شاہی کا منتظم اور سلطان المعظم کے باغات اور محلات موسم گرما کا نگراں کار ہوتا تھا۔ بحیرۂ مارمورا اور آبنائے باسفورس کے ساحلوں، بحیرۂ اسود سے لے کر آبنائے ڈارڈانز تک کی نگرانی اس کے سپرد ہوتی تھی اور ان مقامات پر کوئی شخص بغیر اجازت نہ تو کوئی جدید تعمیر کرسکتا تھا اور نہ کسی عمارت کی مرمّت کرسکتا تھا۔

قسطنطنیہ کے مضافات کے جنگلات کا انتظام بھی اسی کے سپرد ہوتا تھا۔ شکارگاہِ شاہی اور میر ماہی کی خدمت کو بھی وہی انجام دیتا تھا۔

اس اقتباس کے پڑھنے سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ زمانۂ قدیم میں سلاطین کیسی شان و شوکت سے رہتے تھے اور لوازمات شاہی میں ایسی ایسی چیزیں داخل تھیں جن کو سُن کر عقل حیران ہوتی ہے۔

اگرچہ موجودہ زمانہ بھی تکلفات سے خالی نہیں ہے مگر اُس زمانہ کی آرائش اور ہی کچھ تھی اور اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ انقلاب زمانہ سے ہم کو عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جو سلاطین جاہ و حشم میں ایک زمانہ پر اپنا سکّۂ حکومت جما چکے تھے، اب ان کی صرف یادگار ہی باقی رہ گئی ہے۔ عرصہ سے اب ان محلات میں کوئی سلطان سکونت نہیں رکھتے ہیں بلکہ دوسرے مقامات پر جدید محلات تعمیر ہو چکے ہیں۔

قسطنطنیہ کی عدالتیں اور جدید یونیورسٹی

۳/جنوری ۱۹۱۰ء۔ آج ہم استنبول میں مکانات عدالت دیکھنے کے لیے گئے۔ نجم الدین بے صاحب وزیر عدالت سے ہماری ملاقات ہوئی۔ یہ علوم مشرقی کے عالم ہیں۔ یہ بہت ہی نیک نام اور فہمیدہ شخص ہیں۔ زبان ترکی میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ ہم سے بذریعہ ترجمان بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ انھوں نے عدالتوں کے اجلاس بھی مجھے دکھائے۔ میں دو تین اجلاسوں یعنی ابتدائی و مرافعہ (اپیل) پر ججوں کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھ کر وکلاء کی بحثیں سنتا رہا۔ چوں کہ اکثر جج مصروف بکار تھے اور صدر اعلیٰ اتفاق سے آج موجود نہ تھے اس لیے مجھے صرف دو تین ججوں سے جو اس وقت تک اجلاس پر نہ گئے تھے، بات چیت کرنے کا موقعہ ملا۔ ابھی تک یہاں ججوں کی تنخواہیں ایسی نہیں ہیں کہ ملک کے لائق ترین اشخاص ججی کی طرف متوجہ ہوں لیکن ہر چیز میں اب ترقی اور اصلاحیں ہورہی ہیں، اس سے امید ہے کہ عدالتوں کی حالت بھی بہت جلد بہتر ہوجائے گی۔ ہم نے یہاں کے دفتر اور کتب خانہ کو بھی ایک نظر دیکھا، اس مکان میں پہلے کوئی امیر رہتے تھے۔ یہ نہایت ہی شاندار ہے لیکن سب چیزیں ابتدائی حالت میں ہیں۔

عدالتوں کے دیکھنے کے بعد ہم جدید یونیورسٹی دیکھنے کے لیے گئے۔ اس کی ابتداء ۱۹۰۰ء میں ہوئی ہے اور اب یہ ایک امیر کے محل میں منتقل ہوئی ہے لیکن یورپ کی تعلیم گاہوں کے مقابلہ میں تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ تاہم سلطنت عثمانیہ میں تعلیم کا چرچا گھر گھر ہے اور ابتدائی و اعلیٰ تعلیم میں یوماً فیوماً ترقی ہورہی ہے اور اب جس طریقہ پر انتظام ہورہا ہے وہ بسا غنیمت ہے۔ ہم اکثر عہدہ داران یونیورسٹی سے بھی ملے۔ ان میں بعض بہت ہی قابل اشخاص ہیں۔ اس وقت قانونی لیکچر جو وہاں ہورہے تھے، ان کو بھی سُنا اور پروفیسر سے بھی ملاقات کی۔ یہ ایک لائق شخص ہیں۔ جو عہدہ دار مجھے مہربانی فرما کر ان مقامات کو دکھا رہے تھے انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ ناموں کی صحیح فہرستیں مجھے عنایت فرمائیں گے کیوں کہ اس قدر صاحبوں سے

مجھے نیاز حاصل ہوا کہ ان سب کے اوصاف بیان کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

ہم نے یہاں جس قدر دفاتر دیکھے اُن سب کی حالت بالکل نئی قائم کردہ انسٹی ٹیوشنز کی سی ہے مگر آثار ترقی کے نمایاں ہیں۔

دوپہر کے کھانے وغیرہ سے فارغ ہوکر ہم بڑے ترکی بازار کی سیر کے لیے گئے اور شام تک مختلف دکانوں کی سیر اور خرید وفروخت کرتے رہے۔

باب ششم

باسفورس کی سیر

یکم فروری ۱۹۱۰ء۔ ہم آبنائے باسفورس کی سمت ایشیائی دیکھنے کے لیے گئے۔ استنبول کے پل پر سے ٹکٹ لے کر جہاز میں سوار ہوئے۔ جب جہاز بندرگاہ سے گزرتا ہے تو وہ تمام مشہور عمارات جواب ساحل [پر] واقع ہیں، نظر آتی ہیں اور ان کے مناظر نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے ایک مینار نظر آتا ہے جو حال میں تعمیر کیا گیا ہے جس کا نام قزکلیشی یا میڈان ٹاور ہے۔

(۲) پہاڑ بلگرلو کے راستہ میں لڑکیوں کے پڑھنے کے لیے امریکن کالج بنا ہوا ہے۔ مشرقی لڑکیوں نے یہاں بہت ترقی کی ہے اور سیکڑوں لڑکیاں بی اے کی ڈگری حاصل کر چکی ہیں۔

(۳) یہاں سے کچھ تھوڑے فاصلہ پر شمشاد کے درختوں کا ایک جنگل ہے وہاں بیوق مزارستان یعنی ترکوں کا ایک بڑا قبرستان ہے۔ قسطنطنیہ کے عثمانیہ فرقہ کے لوگ اس وجہ سے کہ یہ زمین ایشیائی سرحد میں واقع ہے، یہاں دفن ہونا بہت ثواب خیال کرتے ہیں۔ کیوں کہ ایک زمانہ میں یہ لوگ ایشیا ہی سے آ کر سکونت گزیں ہوئے تھے۔

مسجد چنیلی: جو ۱۶۴۰ء میں تعمیر ہوئی تھی، نہایت خوش وضع بنی ہوئی ہے۔ یہاں ہم نے نماز ظہر پڑھی۔ اسی مقام پر حال و قال والے رفاعی درویشوں کے فرقہ کا ایک تکیہ ہے، یہاں ہر پنج شنبہ کو اُن کی ایک مجلس منعقد ہوتی ہے۔

ہمارا ارادہ ان کی مجلس میں شریک ہونے کا تھا لیکن اس دن اور کاموں کی وجہ سے سہ شنبہ کو ہم وہاں گئے۔صرف مکان ہی مکان دیکھا۔

مسجد جامع: جہاز کے لنگرانداز ہونے کی جگہ ایک جامع مسجد ہے جس کو ترکی میں بیوق جامع کہتے ہیں۔ یہ مسجد ۱۵۴۷ء میں ذی عظمت سلطان سلیمان نے اپنی لڑکی مہر ماہ کی یادگار میں تیار کروائی تھی۔

پہاڑ بلگرلو: بلگرلو پہاڑ کی چوٹی کے جنوبی ڈھلان پر سقوطری واقع ہے۔یہاں کا منظر نہایت شاندار اور دلفریب ہے۔

بائزنٹائن کے زمانہ میں اس پہاڑ پر متعدد پارک اور تفریح کے مقامات بنے ہوئے تھے۔

سقوطری: مشرقی شہروں میں ایک مشہور مقام ہے۔قسطنطنیہ کی آبادی اور شہرت میں زیادتی ہونے کی وجہ سے سقوطری کی رونق میں کسی قدر فرق آ گیا ہے۔سقوطری کے نام کی وجہ تسمیہ یہ خیال کی جاتی ہے کہ یہاں ایک زمانہ میں سقوطرائی فوج یا ڈھال بردار رہا کرتی تھی۔ مگر بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ لفظ عسکر دراصل ترکی لفظ نہیں ہے بلکہ ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی شاہی فوج کے ہیں۔

کوس گنجوق: یہودیوں کا ایک گاؤں ہے اور یہاں سردار ربی کے رہنے کا سرکاری مکان ہے۔

ہیلربی: راستہ میں ترکی گاؤں بھی نظر آتا ہے جس میں سلطان عبدالعزیز کا بنوایا ہوا ایک سنگ مرمر کا محل نہایت مشہور ہے۔ یہ محل دریا کے کنارے پر بنا ہوا ہے اور سنگ مرمر کی سیڑھیاں لب سمندر تک بنی ہوئی ہیں، اس کے پیچھے ایک خوبصورت باغ ہے۔محل میں نہایت عالیشان اور شاندار کمرے بنے ہوئے ہیں اور ترکی طریقہ پر سجائے گئے ہیں۔شہزادی یوجین جب ۱۸۶۹ء میں سلطان کی مہمان ہوئیں تو اسی محل میں فروکش ہوئی تھیں۔

کنیڈیلی میں انگریزوں کی ایک چھوٹی بستی ہے۔ اس کی چوٹی کے قریب ایک اسٹیشن

ہے۔ جب آبنائے باسفورس کے قریب کسی مقام پر یا شہر میں آگ لگ جاتی ہے تو یہاں سے توپوں کے ذریعہ سے اطلاع دی جاتی ہے۔

ونیکوئی کی پہاڑی پر چڑھ کر دیکھنے سے آبنائے باسفورس کا بہترین منظر نظر آتا ہے جب کہ سورج کی آخری سرخ شعاعیں بہ وقت غروب استنبول کے میناروں پر پڑتی ہیں اور وہ پہاڑیاں جو سیاہ شمشاد کے گنجان درختوں سے ڈھکی ہوئی ہیں، فاصلہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑی کے ہر دو جانب قلعہ کی دیواروں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ یہ نظارہ چاندنی میں بھی نہایت دل فریب نظر آتا ہے اور اس کی کیفیت احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔

سمندر کے کنارے کنارے سلطان المعظم کے محلات کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے جس میں سے اب بہت زیادہ خراب و مسمار ہوگئے ہیں اور اپنی بربادی کا منظر دکھا رہے ہیں۔ خصوصاً چاندنی میں ان کی چمک بھیانک اور ڈراؤنی معلوم ہوتی ہے۔ ایشیا کے آب شیریں کی گھاٹی میں لوگ جمعہ کے روز تفریحاً جاتے ہیں اور مختلف قسم کے جلسے کرتے ہیں۔

بیکوز: آبنائے باسفورس کے کنارہ پر ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ ایک بڑا کاغذ سازی کا کارخانہ اور سنگ مرمر کا محل سلطان محمد علی کا بنوایا ہوا یہاں موجود ہے۔ بیکوز کے مقام پر گرمیوں کے موسم میں تفریحاً جانا بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی دعوتیں بھی یہاں دی جاتی ہیں۔

جبل شیاطین پر جانے کے وقت یہاں سے گزرنا مناسب ہے کیوں کہ اس پہاڑ پر سے بحر اسود اور آبنائے باسفورس کا نظارہ نہایت پُرلطف معلوم ہوتا ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹی مسجد اور ایک بیس فٹ لمبی قبر بنی ہوئی ہے۔ یونانیوں کا یہ خیال ہے کہ انیکس بادشاہ ببریسیز کی قبر ہے۔

ترکوں کی روایت کے موافق حضرت یوشع بن نون کی قبر یہاں ہے۔ روایت مشہور ہے کہ یہ ایک غیر معمولی قد و قامت کے تھے اور دو ساحلوں پر پاؤں رکھ کر کھڑے ہوجاتے تھے

اور جہاز ان کے پاؤں کے نیچے سے ہوکر گزر جایا کرتے تھے۔

اناطولی قواغ: آبنائے باسفورس کی بندرگاہ ہے جس کے قریب روشنی کا مینار ہے۔ یہاں قرنطینہ کے دفتر ہیں اور جو جہاز یہاں سے بحرِ اسود میں داخل ہوتا ہے، اس کی اطلاع دفتر میں کرنی پڑتی ہے۔ غرض ہم خوب سیر کرنے کے بعد شام کو اپنے قیام گاہ واپس آئے۔

۲رفروری ۱۹۱۰ء۔ آج صبح ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر ہم سمت یورپ کے ساحل کو گئے جو آبنائے باسفورس کے ایک جانب واقع ہے۔ یہ نہایت عمدہ اور قابلِ دید ہے۔ باسفورس دیکھنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ استنبول کے پل پر سے جہاز میں بیٹھ کر سیر کے لیے روانہ ہوں۔ ہم نے بھی سیر کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا۔

چنانچہ جن مقامات کا ذیل میں حال لکھا جاتا ہے وہ جہاز پر سے نظر آتے ہیں۔

استنبول کے پل پر سے مختلف اقوام کے لوگ انواع واقسام کا لباس پہنے ہوئے گزرتے نظر آتے ہیں اور دور سے یہ نظارہ نہایت پُر لطف معلوم ہوتا ہے۔

گودی جدید پل اور توپ خانہ کے درمیان سمندر کے کنارے پر بنائی گئی ہے، وہ نہایت عمدہ ہے۔ دفتر حفظان صحت کے قریب زمانۂ سابق میں ایک مینار تھا جس پر سے لڑائی کے وقت بھاری بھاری زنجیریں استنبول تک اس وجہ سے ڈال دی جاتی تھیں کہ غنیم کے جہاز گولڈن ہارن، شاخ زرّیں میں داخل نہ ہوسکیں۔ گودی کے اختتام پر غلطہ کا محصول خانہ ہے۔ یہیں شاہی توپ و بندوق واسلحہ سازی کا کارخانہ بھی ہے۔ اس کارخانہ میں بندوقیں، تلواریں، تفنگچہ وغیرہ و نیز توپوں کی گاڑیاں بنائی جاتی ہیں اور توپوں پر صیقل بھی کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک سنگ مرمر کا فوارہ ہے، یہ فوارہ سلطان احمد ثالث نے تیار کروایا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں سلطان محمود ثانی کی بنوائی ہوئی ایک مسجد بھی ہے جس کے عہد حکومت میں ماہ جون ۱۸۲۶ء میں جاں نثاریوں کو شکست ہوئی تھی۔ بازار کے دوسری جانب توپ خانہ کی بارکیں فندوقلی (ایک ترکی بازار) میں بنی ہوئی ہیں، اس کی پشت پر وزیرِ توپ خانہ کا دفتر اور ایک جنگی مدرسہ ہے۔

سفارت جرمنی کا محل ۷۷۔۱۸۷۵ء میں تعمیر ہوا ہے جو نہایت خوشنما اور بلندی پر واقع ہے۔

مقبرۂ خیرالدین پاشا: آبنائے باسفورس پر ایک بڑے بازار میں خیرالدین پاشا کا مزار ہے۔ ان کو اہل یورپ ترکی بار بروسا کہتے تھے۔ یہ شخص ابتداء میں ایک بحری لٹیرا تھا۔ آخرکار اس کی طاقت اور اثر بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے سلطان ''سلیمان'' نے بحر متوسط اور اس کے گرد و نواح کے جزائر اس کے تحت میں کر دیے اور اس کو بحری اختیارات وزیر اعظم کے مساوی دیے گئے، اس نے ساحل شمالی افریقہ کی بحری طاقت کو نہایت قوی بنا دیا اور اس کو سلطان کی ماتحتی میں داخل کر دیا۔ خیرالدین پاشا کا انتقال ۱۵۴۶ء میں ہوا۔

محل چراغاں: محل چراغاں سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس کی تعمیر سلطان عبدالعزیز کے زمانہ میں ہوئی۔ یہ محل نہایت شاندار تھا۔ سلطان عبدالعزیز کے معزول ہونے کے بعد ان کی آخری درخواست یہ تھی کہ ان کو اسی محل میں سکونت کی اجازت دی جائے۔ یہ منظور بھی ہوگئی مگر معزول شدہ سلطان کو کچھ زیادہ عرصہ تک یہاں رہنا نصیب نہیں ہوا، وہ یہاں ایسی حالت میں پائے گئے جبکہ تمام شاہ رگیں کٹی ہوئی تھیں اور ان سے خون جاری تھا۔ اسی وقت اُن کو قریب کی عمارت میں منتقل کر دیا گیا جہاں بتاریخ ۱۳؍جون ۱۸۷۶ء ان کا انتقال ہوگیا۔ بعدازاں اس محل میں سلطان مراد نے جو سلطان عبدالعزیز کے بعد تخت نشین ہوئے، سکونت اختیار کی مگر بہ وجہ خرابیِ صحت ۳۱؍اگست ۱۸۷۶ء کو معزول کر دیے گئے۔ ہمارے پہنچنے سے چند روز قبل یہ محل جل کر خاکستر ہوگیا تھا۔

مسجد حمیدیہ: یہ مسجد سلطان عبدالحمید خان نے تعمیر کروائی تھی جو قصر یلدز کے قریب واقع ہے۔ سلطان عبدالحمید خان ہر جمعہ کو اس مسجد میں نمازِ جمعہ اور رسم سلاملق ادا کرتے تھے۔ مگر موجودہ سلطان المعظم محمد خان خامس ایداللہ ملکہ وسلطنتہ نے اس طریقہ کو تبدیل کر دیا ہے اور اب باری باری سے بڑی مساجد میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے اور جلوسِ سلطانی کا انتظام

بروقت کر دیا جاتا ہے۔ ہم جس جمعہ کو سلطان المعظم کے سلام کو حاضر ہوئے، اس روز آپ نے مسجد ینی والدہ میں جو قصر طولمہ باغچہ کے قریب واقع ہے، نماز جمعہ ادا فرمائی تھی۔ اس کے قریب ایک مربع سطح زمین پر گھنٹہ گھر بنا ہوا ہے۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہے جس کو سلطان عبدالحمید خان کی والدہ مکرمہ نے تعمیر کروایا تھا۔

مسجد ینی والدہ: یہ مسجد والدہ سلطان عبدالعزیز نے ۱۸۷۰ء میں تعمیر کروائی ہے جو بلحاظ عمارت وموقع نہایت شاندار اور پرُفضا ہے اور طولمہ باغچہ کے قریب اور ٹی کوئی پوئینٹ پر واقع ہے۔ اسی مقام پر دوجدید عمارتیں واقع ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل مشابہ ہیں۔ یہ مکانات سلطان عبدالحمید خاں کی صاحبزادیوں کے رہنے کے لیے بنائے گئے تھے۔ ان کی دوسری جانب وزیر بحری کی زینات کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ ماسوا دو چار عمارتوں کے، توپ خانہ کے کنارے کی تمام عمارات ومحلات وغیرہ سب ملک شاہی ہیں۔

ببک: ببک میں باغ عامہ ہے جہاں کہ پہلے ملاقات کی کوشک واقع تھی۔ اسی مقام پر سلطان المعظم اپنے وزرا اور سفیروں وغیرہ سے زمانۂ سابق میں خفیہ طور پر ملاقاتیں کیا کرتے تھے۔ باغ کے شرقی جانب حلیم پاشا کے خاندان کا محل ہے اور خدیومصر کی والدہ کا گرمائی محل ہے۔ گاؤں میں انگریزوں اور جرمنیوں کی بستیاں ہیں۔

رابرٹ کالج: دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر بڑے مینار کے قریب رابرٹ کالج ہے جو ریورینڈ سائرس ہملن۔ ڈی۔ ڈی اور مسٹر سی رابرٹ نے تعمیر کروایا تھا۔ یہ نیویارک کا سوداگر تھا اور اس نے ایک بہت بڑی رقم سے کالج کی امداد کی تھی۔ یہاں مختلف اقوام کے طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ کالج کے متعلق ایک عجائب خانہ بھی ہے۔ آبنائے باسفورس اور مارمورا میں جس قدر اقسام کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں، یہاں موجود ہیں۔ نیز ترکی میں جس قدر پرند ہیں، ان کا بھی یہاں عجائب خانہ ہے۔ کالج کے پائیں میں ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جو ترکوں کے نزدیک اس وجہ سے زیادہ مقدس مانا جاتا ہے کہ اس میں وہ ترکی بہادر مدفون ہیں جنھوں نے

سب سے پہلے یورپین زمین پر قدم رکھ کر شہادت کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ اس کے آگے بالٹالیمان کی گھاٹی نظر آتی ہے اور وہیں بویاجی کوئی کا گاؤں واقع ہے۔

امیر گان: اس مقام پر اسمٰعیل پاشا مرحوم خدیو مصر کا گرمائی محل ہے۔

آبنائے استینیہ: آبنائے استینیہ اس وجہ سے مشہور ہے کہ یہاں زمانہ سابق میں بہت سی بحری لڑائیاں ہو چکی ہیں۔

ینی کوئی: یونانیوں اور آرمینیوں کا خوش گوار گرمائی مقام ہے۔ آبادی سے کچھ فاصلہ پر سمندر کے کنارے سفارت آسٹریا کا گرمائی مکان بنا ہوا ہے۔ ایک شاندار اور پُرفضا عمارت ہے۔

طرابیہ: اس سے مڑنے کے بعد طرابیہ کا گاؤں واقع ہے۔ قسطنطنیہ میں جب گرمی کی شدت زیادہ ہو جاتی ہے تو عموماً امراء اور رؤسا جو دوسرے مقامات پر بغرض تفریح جانے کی استطاعت رکھتے ہیں، یہاں چلے آتے ہیں۔ یہاں کا نظارہ نہایت پُرلطف اور آب وہوا نفیس ہے۔ کیوں کہ بحر اسود سے جو سرد ہوائیں چلتی ہیں ان سے طرابیہ کے باشندے لطف اٹھاتے ہیں۔ سفیر جرمنی کے موسم گرما میں رہنے کا محل بھی اسی مقام پر بنا ہوا ہے۔ ایک ہوٹل بھی یہاں موجود ہے جس کا نام سمر پیلس ہوٹل ہے۔ اٹلی، فرانسیسی و انگریزی سفیروں کے موسم گرما میں رہنے کے محلات بھی اس جگہ بنے ہوئے ہیں۔ انگریزی سفارت خانہ عین آبنائے باسفورس کے دہانہ پر نظر آتا ہے۔

بیوکدرہ: بیوکدرہ کی گھاٹی (بیوکدرہ کے معنی بڑے کے ہیں) یہ آبنائے باسفورس کے سمت یورپ میں سب سے بڑی گھاٹی ہے جو پہاڑیوں کو آپس میں تقسیم کر دیتی ہے۔ بیوکدرہ کے گاؤں میں سفیر روس کا شاندار گرمائی محل بنا ہوا ہے۔ یہاں ایک عمدہ گودی ہے جہاں موسم گرما میں شام کے وقت بینڈ بجتا ہے۔ گاؤں کے پیچھے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر دیکھنے سے دور دور کا منظر نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ گھاٹی کے بعد اُس طرف خزانۂ آب ہے جس کو

۱۷۳۲ء میں سلطان محمود نے تعمیر کروایا تھا۔ گھاٹی کے اوپر بلگریڈ کا جنگل ہے، جہاں پیرا اور باسفورس میں پانی پہنچانے کے لیے پانی کے خزانے بنے ہوئے ہیں۔ لیکن آج کل زیادہ تر جھیل ڈرکوز سے پانی بہم پہنچانے کا انتظام کیا گیا ہے جو بحراسود کے قریب واقع ہے۔ علاوہ ازیں مزار برنو اور ینی محلّہ اور رومیلی قواغ بھی مشہور گاؤں ہیں۔ آبنائے باسفورس کے معمولی جہاز قواغ سے آگے نہیں بڑھنے پاتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں بہ وقت ضرورت ایک زنجیر کے ذریعہ سے جو قواغ پر سے ڈالی جاتی تھی، آبنائے باسفورس کا راستہ بند کر دیا جاتا تھا۔ ایک روشنی کا مینار عین آبنائے باسفورس کے دہانہ پر بنا ہوا ہے جو سالی میں پہاڑیوں کے خطرہ سے آگاہ کرنے کی غرض سے تیار کیا گیا ہے۔

روا : روا سمت ایشیائی پر واقع ہے۔ یہ مقامات انگریزی کپتانوں کے زیرِ نگرانی ہیں۔ قسطنطنیہ اور اس کے مضافات میں اس قدر عمدہ اور پُرفضا اور تفریح کے مقامات ہیں کہ اُن سب کا فرداً فرداً ذکر کرنا موجبِ طوالت ہے۔

بابِ ہفتم

قصرِ شاہی طولمہ باغچہ وغیرہ کی سیر اور قسطنطنیہ سے روانگی

۳؍فروری ۱۹۱۰ء۔ ایک ملازم شاہی کے ہمراہ قصرِ شاہی طولمہ باغچہ روانہ ہوئے۔ قصرِ شاہی کے دروازہ پر پہنچ کر اس نے ہمارے محل میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کی۔ جس وقت ہم اس محل میں داخل ہوئے اس وقت خفیف بارش ہو رہی تھی، ہم جلد جلد قدم بڑھا کر برآمدہ تک پہنچ گئے۔ یہاں کی عمارت کی خوبی، باغ کی آراستگی، کمروں کی بیش قیمت سامان سے سجاوٹ اور خوبصورتی تحریر میں لانی مشکل ہے۔ تمام چیزیں صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مختلف مقامات کی سیر کرتے کرتے ہم لب سمندر ایک کمرہ میں جا کر بیٹھے، قہوہ طلائی جواہر نگار پیالیوں میں پیش کیا گیا۔ بیش قیمت سگریٹ کیس میں سگریٹ کی تواضع کی گئی۔ ہم قہوہ نوشی میں مصروف تھے کہ ایک خواجہ سرا نے دفعتاً ہم کو یہ خوشخبری سنائی کہ سلطان المعظم ہم کو باریابی کا شرف بخشنے والے ہیں۔ ایک ترکی افسر ہم کو اپنے ہمراہ لے جانے کے لیے آئے۔ ہم نہایت ادب سے سلطان المعظم خلیفۃ المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر آداب بجا لائے۔ سلطان المعظم نے براہ مرحمِ سلطانی ہم کو بیٹھنے کا حکم دیا اور ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو فرمائی اور تقریباً بیس منٹ تک شرفِ باریابی بخشا۔ ہم نہایت ادب سے شکریہ ادا کر کے آداب بجالائے اور رخصت ہو کر اُلٹے قدم کمرے سے باہر ہوئے اور محل کی ترکی افسر سلطانی نے ہم کو اچھی طرف سیر کروائی۔

قصر طولمہ باغچہ کو سلطان عبدالمجید خان نے ۱۵۵۳ء میں تعمیر کروایا تھا۔ یہ قصر اس قدر خوشنما ہے کہ اگر اس کو دُر باسفورس کہا جائے تو سزاوار ہوگا کیوں کہ وہ لب سمندر واقع ہے اور اس کا منظر خوشنما کرنے کی غرض سے اس کی عمارت سمندر کے اندر تک چلی گئی ہے۔ خشکی کی جانب اس قصر کے اطراف میں بلند دیواریں ہیں اور سمندر سے اس کا اندرونی منظر صاف طور پر نہایت خوشنما نظر آتا ہے۔

محل کی عمارتوں میں سب سے زیادہ شاندار وہ بڑا کمرہ ہے جس میں تختِ سلطانی رکھا ہوا ہے اور نہایت عمدگی کے ساتھ آراستہ کیا گیا ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مجموعی لحاظ سے ایسا خوشنما ہال یورپ میں بھی نہیں ہے اور اسی مقام پر مشہور مہمانوں سے ملاقات کی جاتی ہے۔ محل سے سطح سمندر تک سنگ مرمر کی خوبصورت سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اس محل میں سلطان عبدالمجید خان نے شہنشاہ جرمنی کی ۱۸۹۸ء میں دعوت کی تھی۔

ایک زمانہ میں سلطان عبدالمجید خان اور سلطان عبدالعزیز خان اسی محل میں سکونت گزیں تھے۔ ۱۸۷۶ء میں سلطان عبدالعزیز خان اسی مقام پر معزول کیے گئے تھے۔ جب ہم تمام محل کی اچھی طرح سیر کر چکے تو وہاں سے روانہ ہوئے۔ شاہی ملازم ہم کو گاڑی تک پہنچانے کے لیے آئے اور سلام کر کے رخصت ہوئے، جیسے ہی قصرِ شاہی کے دروازہ سے باہر نکلے، اُسی وقت دوسرے دروازہ سے سلطان المعظم بھی مع زنانہ سواریوں کے جلوس کے ساتھ برآمد ہوئے۔ اگرچہ اس وقت تمام راستہ چلنے والوں کو روک دیا گیا تھا مگر چوں کہ ہم محل ہی سے روانہ ہوئے تھے، اس لیے ہماری گاڑی بھی جلوس کے ساتھ روانہ ہوئی۔ اس کے بعد سلطان تو ایک طرف ہواخوری کو چلے گئے، ہم قصرِ یلدز کو دیکھنے گئے۔

قصر یلدز: راستہ میں قصرِ چراغاں پڑتا ہے اور ایک سنگ مرمر کے پل پر گزرنا ہوتا ہے جو محل چراغاں کو یلدز پارک سے ملاتا ہے۔ سامنے پہاڑ کی چوٹی پر قصر یلدز واقع ہے (یلدز کے معنی ستارہ کے ہیں)۔ یہ ایک بہت بڑا شاندار محل ہے۔ عمارات کا سلسلہ کوسوں تک پھیلا

ہوا ہے۔ باغ نہایت خوشنما اور قابل دید ہے۔

۱۸۳۲ء میں سلطان محمود نے بشکطاش کی چوٹی پر ایک پارک بنانا شروع کیا تھا جو سلطان عبدالحمید خان کے وقت میں شاہی قیام گاہ اور ایک بڑا محل بن گیا تھا، اب خالی پڑا ہوا ہے۔ محل میں داخل ہونے کے لیے ایک فرانک فی آدمی ٹکٹ کی قیمت دی جاتی ہے۔محل میں اگر گاڑی جائے تو اس کا محصول کئی فرانک علیٰحدہ دینا پڑتا ہے لیکن اس محل کو بغیر گاڑی کے دیکھنا دشوار ہے کیوں کہ کئی پہاڑوں کو گھیر کر یہ قصر تیار ہوا ہے۔ علاوہ بریں محل میں جو مختلف عمارات ہیں ان کے دیکھنے کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ ٹکٹ لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے اکثر کمروں کو جہاں سلطان المعظم عموماً ملاقات فرماتے یا روزانہ دربار کیا کرتے تھے۔ ان کو ہم نے بھی دیکھا لیکن قصر کا زیادہ حصہ بند تھا اور اس میں سامان پر مہریں کر دی گئی تھیں، پھر بھی جو کچھ ہم نے دیکھا اس کی خوبی معرضِ تحریر میں آنی مشکل ہے۔ کمرے بہت خوبصورت اور عالیشان ہیں، فرش وفرنیچر عمدہ اور نہایت خوبصورتی سے سجایا گیا ہے۔ مردہ جانوروں کا ایک عجائب خانہ بنا ہوا ہے اور ہر قسم کے زندہ جانور پارک میں جابجا رہتے ہیں۔ طرح طرح کے تالاب اور چمن اور پہاڑیاں بنی ہوئی ہیں جن کا دیکھنے سے تعلق ہے۔ اس محل میں سلطان عبدالحمید خان ثانی کو کبھی باہر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، صرف رمضان المبارک میں مسجد خرقہ شریف کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے جو قدیم محل سرائے میں واقع ہے اور جمعہ کو مسجد حمیدیہ میں جس کو محل کا جز ہی خیال کرنا چاہیے سلاملق کی رسم ادا فرماتے تھے اور عیدین کو قصر طولمہ باغچہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔

سلطان عبدالحمید خان کے عہد حکومت کے حالات یاد کر کے اور محل یلدز کی موجودہ بے کسی کی حالت دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور دنیا کی بے وفائی اور شان کبریائی نظر آ گئی، تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ خدائے تعالیٰ خاتمہ بالخیر کرے۔ واپسی کے وقت ہم نے مسجد حمیدیہ میں نماز ادا کی اور حال سجادہ صاحب طریقہ شاذلیہ سے جو سلطان عبدالحمید خان کے بہت مقرب

تھے ملے۔ سجادہ صاحب باوجود نوجوان ہونے کے صالح اور پیرِ کامل ہیں۔ ان کی خانقاہ نہایت عمدہ مقام پر بنی ہوئی ہے۔ ان سے ہم نے اورادِ شاذلیہ کی اجازت حاصل کی اور انھوں نے ہم کو مطبوعہ کتاب ''انوار القدسیہ'' اپنے والد ماجد الاستاد ابن الاستاد محمد بن محمد حسن ظافر کی مرتب کردہ عنایت فرما کر ہم کو ممنون احسان فرمایا۔

جمعہ ۴رفروری ۱۹۱۰ء: آج صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم مختلف احباب سے ملنے گئے۔ کل یہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ ہے، سامانِ سفر کی درستی میں مصروف رہے۔ خانقاہ درویشان مولویہ میں جمعہ کی نماز ادا کی اور محفل حال و قال میں شریک ہوئے عجیب لطف آیا جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ سجادہ صاحب سے مثنوی شریف کی اجازت حاصل کی وہ نہایت بااخلاق اور متبرک نوعمر درویش ہیں۔

شام کے چھ بجے سلطان المعظم نے اپنے ایک افسرِ خاص حبیب ہمایون ابراہیم آفندی کے ہاتھ ایک عطیہ ہمارے پاس روانہ فرمایا۔ پیرا پیلس ہوٹل کے ڈرائنگ روم میں ہم نے اُن کو نہایت اعزاز سے بٹھایا۔ بیٹھنے کے بعد انھوں نے سلطان المعظم کی جانب سے ہم کو دعا پہنچائی۔ بعدازاں ایک ہینڈ بیگ میں سے نکال کر مبارک تحفہ انھوں نے ہمارے ہاتھ میں دیا۔ ہم نے کھڑے ہو کر نہایت تعظیم کے ساتھ تحفۂ سلطان کو سر پر رکھا، پھر چوم کر آنکھوں سے لگایا اور سلطان المعظم خلیفۃ المومنین کی عنایت و شفقت کا جو انھوں نے ہم پر مبذول فرمائی تھی، تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور زبان فرنچ میں گفتگو کرتے رہے۔ افسر ممدوح تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد رخصت ہوئے۔ میرے لیے ایک سگریٹ کا بیش قیمت طلائی بکس وغیرہ مع کہربا کے سگریٹ ہولڈر کے اور بیگم سربلند جنگ کے لیے ایک طلائی مرصع گھنٹہ جس میں الماس کی سوئی لگی ہوئی تھی، سلطان المعظم نے عطا فرمائے۔ سلطان المعظم کی یہ سرفرازی تمام پیرا پیلس ہوٹل میں مشہور ہوگئی اور عطیہ شاہی کی شہرت تمام مقامات پر ہوگئی جس کی خبر سن کر بہت لوگ ہم کو مبارک باد دینے آئے۔ قیام قسطنطنیہ کے وقت اکثر اخبارات نے بھی ہمیں مسافر خیال کر

کے ازراہِ مہربانی اپنے خیالات کا اظہار وقتاً فوقتاً ہمارے متعلق کیا۔ ان میں سے اخبار عربی ''کلمة الحق'' کے آخری آرٹیکل کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے:

ترجمہ

منقول از اخبار عربی ''کلمة الحق''، استنبول

مورخہ ۲۱ر محرم ۱۳۲۸ھ: چند روز ہوئے ہیں کہ فاضل اجل اور متقن مولوی حمید اللہ خان مع اپنی بیگم صاحبہ کے (فندق پیرا پلاس) میں تشریف فرما ہیں جو مسلمانوں اور علماء ہند کے ایک ذی وجاہت شخص ہیں۔ اُن کا استقبال یہاں کے بڑے بڑے عالم اور ذی وجاہت اشخاص اور پاک دامن بیبیوں نے کیا اور پھر بغرض مشاہدہ یہاں کی مجلس علمیہ میں شریک ہوئے، جن کی شرکت کو یہاں کے حکام ذی اقتدار نے باعث فخر سمجھا اور آپ مدرسہ الحقوق اور المحاکم میں تشریف فرما ہوئے۔ بعد ملاحظہ نہایت اظہار خوشنودی فرمایا۔ صاحب موصوف نے تحصیل علوم یورپ میں کی، پھر مصر تشریف لے گئے تھے جہاں آپ کے والد ماجد گورنمنٹ انگریزی کی جانب سے عدالتوں کی تنقیح کے واسطے مامور تھے اور یہاں زبان عربی کی تکمیل کی، پھر ہندوستان کا قصد فرمایا تھا جہاں پر علم وفضل کے موافق بڑا مرتبہ حاصل کیا ہے۔ ہم اس خبر کو سن کر صاحب مُعِز کے یہاں گئے اور ملاقات کرنے کے بعد آپ کو ہم نے وسیع المعلومات اور صاحب الرائے، ذہین، سمجھ دار پایا۔ اب ہم خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ ایسے فاضل ہمیشہ عثمانی سلطنت میں آیا جایا کریں۔ آپ کل سفر یورپ کا کرنے والے ہیں جہاں پر آپ نے علوم حاصل کیے۔ خدا آپ کو یہ سفر مبارک کرے اور نیک توفیق دے۔

۵ر فروری ۱۹۱۰ء: چوں کہ آج قسطنطنیہ سے روانگی کا قصد ہے، اس وجہ سے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم جہاز کا انتظار کرنے کے لیے گئے۔ جہاز کا ٹکٹ وغیرہ ایجنٹ کوک کمپنی کی معرفت خرید کیا۔ پیرا پیلس ہوٹل سے لنچ کھانے کے بعد ہم رخصت ہوئے اور پیرا کی عمارات

اور بازارات پر ایک آخری نظر ڈالتے ہوئے چار بجے شام کے جہاز میں سوار ہو گئے۔قسطنطنیہ میں باوجودیکہ قلیل عرصہ تک قیام رہا مگر سلطان المعظم خلیفة المومنین کی شاہانہ عنایات ہم کو برابر یاد آتی رہیں گی اور یہاں سے روانگی کا ہم کو بہت رنج ہے۔ شام کے سات بجے جہاز روانہ ہوا اور عرصہ تک ہم ڈک پر سے قسطنطنیہ کی عمارات اور گولڈن ہارن کے منظر کو تاروں کی روشنی میں دیکھتے رہے۔ اس جہاز کا نام جس پر ہم سوار ہوئے، سینٹ مارگریٹ تھا اور وہ میکڈویل لائن کا جہاز تھا۔ یہ جہاز ایسا عمدہ اور صاف نہ تھا جیسا کہ بڑی کمپنیوں کے جہاز ہوتے ہیں۔کوک کمپنی کے ایجنٹ نے ہم کو اس امر کی اطلاع نہیں دی کہ یہ جہاز کچھ اچھا نہیں ہے۔اگر ہم سوار ہونے سے پیشتر جہاز کو دیکھ لیتے تو یہ دقّت پیش نہ آتی مگر غنیمت ہے کہ کھانا اچھا ملا ورنہ بہت تکلیف ہوتی۔ اس جہاز پر کچھ زیادہ مسافر سوار نہ تھے۔ ہم کو ایک بڑی کیبن قیام کے لیے ملی۔ جہاز کے ملازمین صرف یونانی زبان بولتے تھے اور کچھ شائستہ بھی نہ تھے۔شب کو ہم آرام سے سو گئے اور ہم اپنے روزنامچہ سیاحت کے اس حصہ کو یہاں ختم کرتے ہیں۔

نوٹ: اس کتاب کی حواشی کو ٹائپ نہیں کیا گیا ہے۔مکمل حواشی کے لیے اصل متن ملاحظہ فرمائیں۔

ضمیمہ ۲

بیگم سربلند جنگ کے چند خطوط

بیگم سربلند جنگ کے چند خطوط

یہ ضمیمہ بیگم سربلند جنگ کے خطوط پر مشتمل ہے جو ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۹ء کے درمیان لکھے گئے تھے۔ یہ سب خطوط اُن کی صاحبزادی عثمان عابدہ سلطان اور اُن کے داماد ڈاکٹر الٰہی بخش کے نام تھے جو لاہور میں مقیم تھے۔ لاہور، ایک شہر جیسے جیسے اس کا فاصلہ دہلی سے بتدریج بڑھ رہا تھا ویسے ویسے بیگم سربلند سے بھی اس سے دور ہوتی جا رہی تھیں۔ جب یہ خط تحریر کیے گئے اس وقت بیگم صاحبہ اپنی زندگی کی ستّر سے زائد بہاریں دیکھ چکی تھیں۔ جس دنیا میں وہ نصف صدی تک رہی تھیں وہ تیزی سے بدل رہی تھی۔ ہندوستان اب ویسا نہیں رہ گیا تھا جہاں سے نکل کر وہ کبھی دنیا کی سیر کر لیا کرتی تھیں۔ بیگم سربلند جنگ نے اپنا سفرنامہ ۱۹۱۰ء میں لکھا جب وہ چونتیس برس کی تھیں اور ان کی زندگی اپنے شباب پر تھی۔ یہ سفرنامہ اُن کی زندگی کی ایک جھلک دکھاتا ہے۔ یہ بیش بہا خطوط ان کی زندگی کے آخری دور کی عکاسی کرتے ہیں اور بیگم سربلند کے طور طریقے، تجربات اور خیالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ان خطوط سے قارئین کو یقین ہو جاتا ہے کہ بڑھاپے میں بھی بیگم سربلند جنگ کے مزاج اور شخصیت میں تل برابر کی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ان خطوط میں کئی باتیں نظر آتی ہیں جو قابلِ ذکر ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ ان کے خط و کتابت کے سلسلے میں سُستی نہیں آئی تھی۔ وہ بظاہر روز اپنے بچّوں اور جاننے والوں کو چٹھیاں لکھا کرتی تھیں۔ دوسری بات یہ کہ ضعیفی بھی ان کے شوقِ سفر کو زنگ آلود نہ کر سکی۔ تقریباً ہر ایک خط میں بیگم سربلند کسی نہ کسی سفر کا تذکرہ ضرور کرتی ہیں، خواہ علی گڑھ کا ہو یا لاہور کا یا حیدرآباد کا۔ ان سفروں کی الگ الگ وجوہات

تھیں لیکن بہرحال اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ سفر سے ان کی زندگی کی ایک گہری اور اٹوٹ وابستگی تھی۔ اس سلسلہ میں تیسری بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ضعیفی میں بھی ان کی شخصیت کی پختگی اور خاندان میں ان کی بادشاہت قائم تھی۔ بقول ان کی پوتی شاکرہ سلطان بیگم کے، وہ آخری دم تک خاندان میں ایک ملکہ کے طور پر رہیں۔

خطوں میں کچھ باتیں بھی نظر آتی ہیں جو ان کے سفرنامے میں نہیں پائی جاتیں۔ آخر، ملکائیں بھی عمر کے تقاضے سے نہیں بچ سکتیں۔ جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی گئی ویسے ویسے وہ کمزور ہوتی جا رہی تھیں۔ اپنے خطوط میں وہ بارہا لکھتی تھیں کہ ان کی صحت اچھی نہیں ہے۔ لاہور میں رہنے والے اپنے داماد الٰہی بخش سے صحت یابی کے ''ٹانک'' منگواتی رہتی تھیں۔ جسمانی کمزوری کے ساتھ ساتھ ان کا حافظہ بھی جواب دینے لگا تھا۔ ہم قیاس لگا سکتے ہیں کہ اس ذہنی خستگی کا سبب صرف ان کے بڑھاپے کا تقاضا نہیں تھا بلکہ ایک ایسی بیماری کا اثر تھا جس کی نوعیت سیاسی تھی۔ تقسیم کے جراثیم نے ان کو از حد تھکا دیا تھا۔ ڈاکٹر الٰہی بخش اور عثمان عابدہ سلطان کے پاس، جن کے نام یہ خط لکھے گئے ہیں، بمشکل جا سکتی تھیں حالانکہ ان کو یہ آس رہتی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے زیرِ نگرانی ان کو پھر شفائے کاملہ حاصل ہو جائے گی، لیکن اب وہ سرحد کے پار کیسے جا سکتی تھیں۔ اس کے لیے پہلی شرط تو یہ تھی کہ ان کو سرکار سے اجازت لینی پڑتی، اور دوسرا مسئلہ ان کی جائداد تھی۔ دہلی کی سرکار نے ان کی دریا گنج میں واقع حویلی حمید منزل کو متروکہ املاک سمجھ کے مغرب سے آنے والے کسی پناہ گزین کو دے دی تھی۔ اپنا حق واپس لینے کے لیے ان کو سالہا سال مقدمہ بازی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ رہا مسئلہ جائداد کا۔ پھر ریاستِ حیدرآباد سے جو پنشن ملتی تھی اس پر بھی خطرے کے بادل منڈلا رہے تھے۔ اور جس وقت ان کو اپنے آخری ایام میں اپنے بچّوں اور پوتے پوتیوں کے ساتھ سکون کی زندگی گزارنی چاہیے تھی اس وقت تقسیم کی افراتفری پھیل گئی۔

ان خطوط سے معلوم ہوتا ہے دہلی میں سماجی اور سیاسی تنازعات نے ان کو مایوس کر

دیا تھا۔ رہی اس شہر کی گرمی کا موسم، جس نے ان کو اور بدحواس کر رکھا تھا۔ لیکن ان سب کے باوجود بیگم سربلند وہیں، اپنے عزیز بیٹے حلیم اللہ کے پاس رہیں۔ خطوں سے پتہ چلتا ہے کہ بیگم سربلند کی دلی آرزو تھی کہ وہ اسی شہر میں مریں اور اسی سرزمین میں دفن ہوں۔ اسی امر خواہش نے ان کے دہلی چھوڑنے کی ہر تدبیر کو خارج کر دیا۔

آخرکار انھوں نے اپنا مدعا پایا۔ اس مجموعے میں شامل خطوط قلمبند کرنے کے سات سال بعد بیگم سربلند اس جہانِ فانی سے کوچ کر کے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملیں اور اپنے مرحوم شوہر نواب حمید اللہ خاں کے سایہ میں مدفون ہوئیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اِن خطوط میں ان کی زندگی کے آخری باب کے واقعات پوشیدہ ہیں اور ان کے طویل سفر کے اختتام کی تفصیل پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

ان خطوں میں بیگم سربلند جنگ کے ان دیرینہ خیالات کا مصداق ملتا ہے جو انھوں نے ۱۹۳۵ء میں اپنے سفرنامے کے دیباچے میں لکھا تھا۔ اور کیا خوب لکھا تھا۔ ان کی داستانِ زندگی کا یہ آخری باب پڑھتے ہوئے بیگم صاحبہ کے ان خیالات کو ذہن میں ضرور رکھنا چاہیے جو انھوں نے اپنے سفرنامے میں اظہار کیا تھا:

> ہماری زندگی کیا ہے؟ ایک سفر ہے، جسے ہم طے کرتے رہے ہیں، طے کر رہے ہیں۔ اور اس سفر کو طے کرنے کے بعد منزل پر پہنچنا ہے۔ مگر نہیں معلوم کہ حقیقی منزل پر ہم پہنچ ہی سکیں گے۔ ہماری داستان زندگی کیا ہے؟ ایک سفرنامہ ہے جسے ہم اپنے اعمال سے مرتب کرتے رہے ہیں، مرتب کر رہے ہیں، مرتب کرتے رہیں گے اور مرتب کرنے کے بعد جب زندگی کا سفر ختم ہوگا تو اس وقت ہم کو اپنی ساری زندگی ہی ایک خواب اور ایک افسانہ معلوم ہونے لگے گی۔

پہلا خط

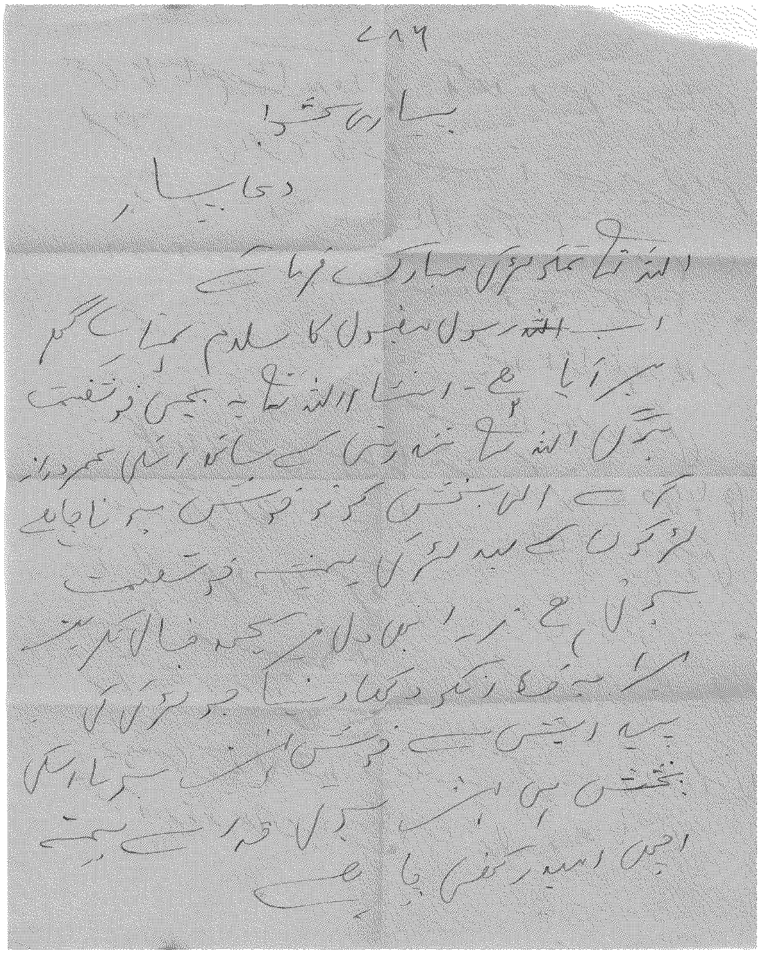
۷۸۶

۸۶ے

پیاری عشو!

دعا پیار

اللہ تعالیٰ تم کولڑکی مبارک فرمائے۔

اب رسول مقبول کا سلام تمھارے گھر پر آیا ہے۔ انشا اللہ تعالیٰ یہ بچّی خوش قسمت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تندرستی کے ساتھ اس کی عمر دراز کرے۔ الٰہی بخش کو تو خوش ہونا چاہیے لڑکوں کے بعد لڑکی ہمیشہ خوش قسمت ہوتی ہے۔ ذرا بھی دل پر کچھ خیال نہ کریں۔ میرا یہ خط ان کو دکھا دینا جو لڑکی کی پیدائش سے خوش نہیں ہوتا اس کی بخشش ہی نہیں ہوتی۔ خدا سے ہمیشہ اچھی امید رکھنی چاہیے۔ بچّی کا نام شاہدہ اختر رکھنا اور پھر جیسی تمھاری مرضی کہ اس خط کا جواب آنے میں تو دیر ہوگی۔ اپنا خیال رکھنا۔ موسم بھی اچھا ہے۔ میوہ خشک خوب کھانا۔ صحت ہے تو سب کچھ، انّا ضرور بلالو تم کو آرام رہے گا۔ صحت اچھی رہے گی۔ کل الٰہی بخش سے باتیں کرنے کا دل چاہ رہا تھا مگر ان سے بات ہی نہیں ہوسکی۔ آج پھر فون کروں گی۔ بچّوں کو خوب پیار دینا۔ مجھے تو تمھارے یہاں لڑکی ہونے کی بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ خدا خوش قسمت کرے۔ بی امّاں کی تو آرزو تھی کہ تمھارے ہاں لڑکی ہو۔ فقط۔

دوسرا خط

از حیدرآباد دکن ۱۲۵

3-2-48 راحتِ جان شانِ جانی

پیارے تمہارا محبت نامہ جو ۱۶ تاریخ
کا لکھا ہوا کل ملا تم ہرگز پریشان
نہ ہو اگرچہ میں بہرحال خوش ہوں دور
کوئی بات ایسے ہوئی ہی نہیں ہے
بلکہ ذرا بھی فکر یا پریشانی ہوا ہو
تمکو کیوں ایسا خیال ہوا شاید میں
کا لکھنا ہی اب مشکل ہو گیا ہے
خیر ضرور خدا کرے اس میں کوئی
مصلحت ہے بہرحال تم ذرا بھی فکر نہ کرو

۱۲۰۷

از حیدر آباد دکن

3-2-48

راحت جان عثمان جانی

پیار۔ تمھارا محبت نامہ جو پُرانا ۱۹؍تاریخ کا لکھا ہوا کل ملا۔ تم ہرگز پریشان نہ ہوا کرو۔ بہرحال خوش ہوں، دوسری کوئی بات ایسی ہوئی ہی نہیں ہے۔ مجھ کو ذرا بھی فکر یا پریشانی ہوئی ہو تم کو کیوں ایسا خیال ہوا؟ زمین کا بکنا بھی اب مشکل ہو گیا ہے۔ خیر ضرور خدا کی اس میں کوئی بھلائی ہے۔ بہرحال تم ذرا بھی فکر نہ کرو۔ میں خود لاہور دہلی آنا چاہتی ہوں۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ۔ مگر تربیت گاہ کا انتظام خدا کرے جلدی ہو جاوے۔(۱) آج کل مہاتمہ گاندھی کی موت سے مجھ کو بھی رنج ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ رحم فرمائے، اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ سب پر رحم فرمائے، گناہ معاف فرما دے۔ اب اپنے دولا (۲) کو بچوں کو پیار دو۔ فقط۔

بی امّاں گرد پوش مدینہ

میں تم سب سے خوش ہوں اور نہ فکر مند ہوں۔

تیسرا خط

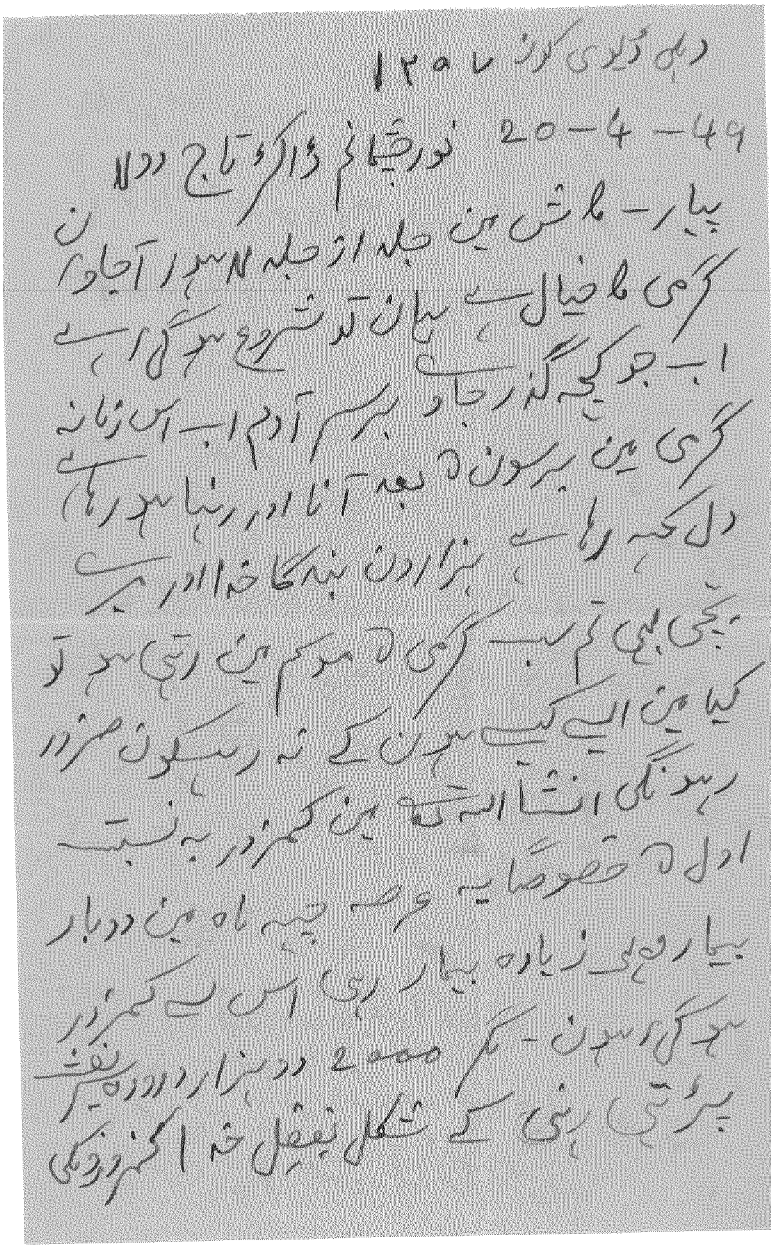

دہلی ڈیلوی کورٹ ۱۲۵۷

20-4-49

نورچشمانم ڈاکٹر تاج دولا

پیار۔ ماشی میں جلد از جلد لاہور آجاؤں

گرمی کا خیال ہے یہاں تو شروع ہو گئی ہے

اب جو کچھ گذر جائے بہرسر آدم اب اس زمانہ

گرمی میں برسوں کے بعد آنا اور رہنا ہو رہا ہے

دل کچھ رہا ہے ہزاروں بندہ کا خدا اور سب

بچی بھی تم سب گرمی کے موسم میں رہتی ہو تو

کیا میں ایسے کیسے ہوں کہ نہ رہ سکوں ضرور

رہونگی انشاء اللہ مگر میں کمزور بہ نسبت

اول کے خصوصاً یہ عرصہ چھ ماہ میں دو بار

بیمار رہی زیادہ بیمار رہی اس لیے کمزور

ہو گئی ہوں ۔ مگر 2000 دو ہزار روپے نقد

بھرتی رہی کے شکل نقل خدا کمزوری

۱۲۰۷

دہلی ڈیوی کوز (۳)

20-4-49

نور چشمانم ڈاکٹر تاج دولا، (۴)

پیار۔ کاش میں جلد از جلد لاہور آ جاؤں۔ گرمی کا خیال ہے یہاں تو شروع ہوگئی ہے۔ اب جو کچھ گذر جاوے بر سر آدم، اب اس زمانہ گرمی میں برسوں کے بعد آنا اور رہنا ہو رہا ہے۔ دل کہہ رہا ہے ہزاروں بندگانِ خدا اور میرے بچّے بھی، تم سب گرمی کے موسم میں رہتے ہو تو کیا میں ایسے کیسے ہوں کہ نہ رہ سکوں؟ ضرور رہوں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں کمزور بہ نسبت اوّل کہ خصوصاً یہ عرصہ چھ ماہ میں دو بار بیمار، وہ بھی زیادہ بیمار رہی۔ اس سے کمزور ہوگئی ہوں۔ مگر 2000 دو ہزار درود شریف پڑھتے رہنے کے [بعد] شکل بفضل خدا کمزوروں کی بیماروں کی سی نہیں بنتی اور نہ کسی کو نظر آتی ہے۔ تم ڈاکٹر ہو تو تم البتہ دیکھ کر چہرہ کو کمزوری کا اندازہ کر لو تو کر سکتے ہو۔ کپڑے صاف منھ صاف۔

البتہ بیمار ہوں کمزور ہوں، بھوک مطلق بند ہے۔ بہت مشکل سے ایک وقت کا کھانا چوبیس گھنٹہ میں۔ ہاں صبح چائے توس اور شب میں چائے توس۔ برسوں سے ایک وقت، صرف دوپہر کا لنچ بس کھاتی ہوں تو اس میں بھی کمی آ گئی ہے۔ ۳ روز سے صبح کے کھانے میں بھی بجائی [بجائے] دو توس کا ایک توس مچھلی یا ایک کٹلس ذرا سا خشکا کھا لیا تا کہ دوپہر کا جھگڑا بھی جاوے۔ شب میں چائے وہی توس پڈنگ ذرا سی بس۔ برسوں سے یہی کھانا ہے۔ یہ تو قصّہ لکھ دیا اصل تو جس کے لیے لکھنے بیٹھی تھی بھول گئی لکھنا۔ اب لکھتی ہوں کہ دس بارہ روز سے میرے سارے پیٹ میں بے چینی رہنے لگی ہے۔ اجابت بھی آ جاتی ہے۔ قبض کبھی ہو جاتا ہے ورنہ روز اجابت آتی ہے۔ کھاؤں نہ کھاؤں بے چینی رہتی ہے تو طبیعت کمزور سی ہو جاتی ہے اور مزاج اندر سے خراب رہتا ہے۔ تم کو لکھتی ہوں، گرمی گذار کر لاہور آؤں گی انشاء اللہ

تعالیٰ یا شاید جلدی آ سکوں۔ کمزوری کی وجہ سے ہمت نہیں رہی ہے۔ راستہ موٹر کا کھل جاوے تو موٹر سے آنا اچھا لگتا ہے۔ ہاں کمزوری اس قدر ہے کہ راستہ مشکل سے چلا جاتا ہے مگر کوشش کر کے چلتی ہوں کمرے میں۔ ہوٹل ہے، سڑک پر تو از حد رش رہتا ہے، بس کمرہ ہی کمرہ ہے۔ اب محمد محمود اللہ آویں تو گھر کی فکر کروں ورنہ کب تک بند رہوں کمرہ میں، ورنہ لاہور آ جاؤں گی تو پھر دہلی نہیں آؤں گی۔ یہ سوچ رہی ہوں، محمود اللہ ماشاء اللہ آنے والے ہیں۔ میرے پیٹ میں آرام آ جاوے اس کی دوا لکھ دو اور کوئی ٹانک کہ طاقت آ جاوے۔ اب کی بیماری کے سلسلہ نے کمزور کر دیا ہے سلسلہ نہ رہتا تو درست شاید ہو جاتی بہ سبب درودہ شریف پڑھنے سے۔ شکل مریض نظر نہیں آتی یہ درودہ شریف کا نور ہے۔ تم سب کے لیے دعا جاری ہے دربار رسالت میں حاضری ہوتی ہے مگر تم سب کے لیے نام بنام عرض جاری ہے، اپنے لیے خاموش رہتی ہوں کہ سرورِ کائنات سردارِ دو عالم از خود اپنی کنیز اختر پر نظرِ کرم فرما کر صحت عطا فرما دیں، چلتی پھرتی رہوں اور مروں بھی تو چلی پھرتی مروں۔ بس سرکار حضور انور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ عنایت کی بھروسہ پر زندہ ہوں۔ تم سب کے لیے مسلسل نام بنام عرض جاری ہے، انشاء اللہ اگر تم سب نے بعد مرنے کے یاد رکھا تو برابر دربار محمدؐ میں عرض تم سب کے لیے جاری رہے گی۔ یہ راز ہے جو لکھ دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بی بی بچوں کو پیار دینا۔ میرے پیٹ کی بے چینی جو ہونے لگی ہے نسخہ لکھ کر روانہ کرو۔ فقط۔

بی اماں گرد پوش مدینہ

چوتھا خط

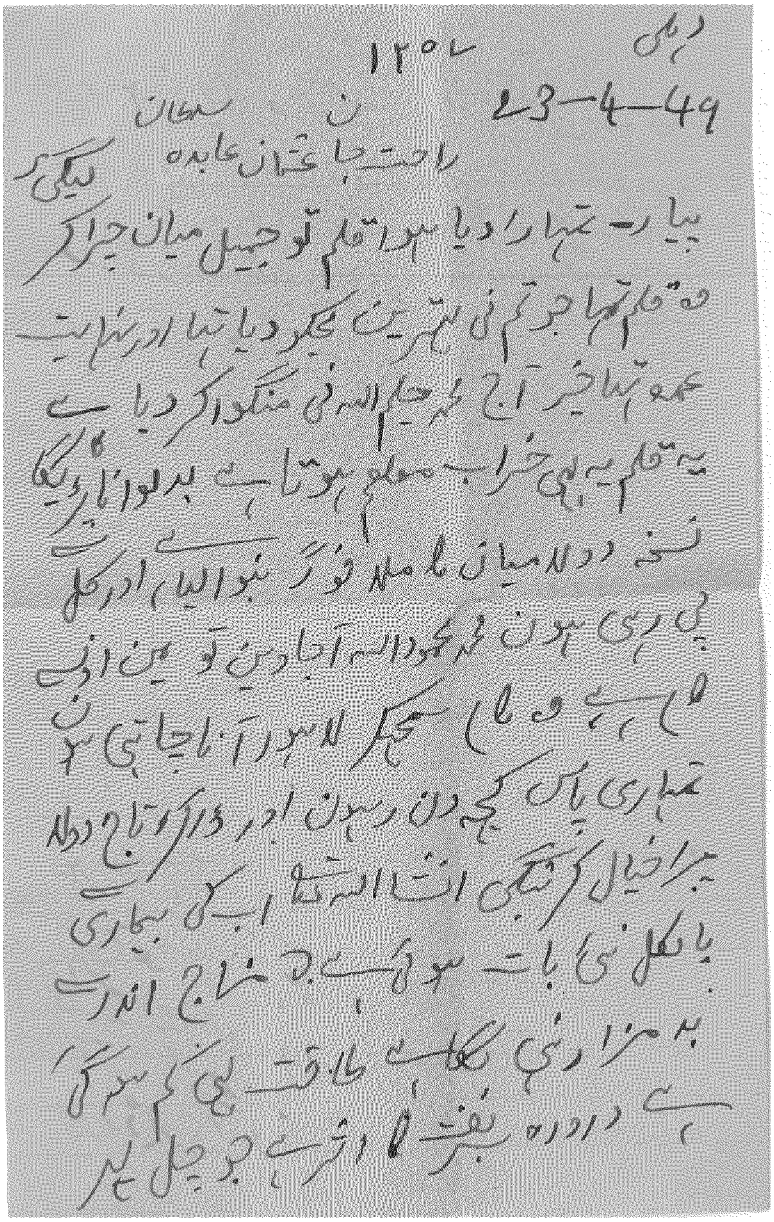

دہلی

۱۲۵۷

23-4-49

سبحان ن

راحتِ جانِ عثمان عابدہ

لے گئے

پیارے تمہارا دیا ہوا قلم تو جمیل میاں چرا کر

وہ قلم تھا جو تم نے بہترین سمجھ کر دیا تھا اور نہایت

عمدہ تھا خیر آج محمد حلیم اللہ نے منگوا کر دیا ہے

یہ قلم بھی خراب معلوم ہوتا ہے بدلوانا پڑیگا

نسخہ دوا میاں ماموں فوراً بنوا لیا اور کھا

رہی ہوں محمد محمود اللہ آجاویں تو میں ان سے

کہا ہے وہ مال سمجھ کر لاہور آنا چاہتی ہوں

تمہارے پاس کچھ دن رہوں اور ڈاکٹر کا علاج دوا

میرا خیال کرنیکی انشاءاللہ تعالیٰ اب کی بیماری

بالکل نئی بات سوجھی ہے جو مزاج اندر سے

بدمزا رہنے لگا ہے طاقت بھی کم ہو گئی

ہے دورہ بھی نفس کا اثر ہے جو چل رہا

۱۲۰۷

دہلی

23-4-49

راحتِ جان عثمان عابدہ سلطان

پیار۔ تمھارا دیا ہوا قلم تو جمیل میاں چرا کر لے گئے۔ وہ قلم تھا جو تم نے بہترین مجھ کو دیا تھا اور نہایت عمدہ تھا۔ خیر آج محمد حلیم اللہ نے منگوا کر دیا ہے یہ قلم۔ یہ بھی خراب معلوم ہوتا ہے، بدلوانا پڑے گا۔ نسخہ دولا میاں کا ملا۔ فوراً بنوا لیا ہے، اور کل سے پی رہی ہوں۔ محمد محمود اللہ آ جاویں تو مجھے ان سے کام ہے وہ کام سمجھ کر لاہور آنا چاہتی ہوں تمھارے پاس کچھ دن رہوں اور ڈاکٹر تاج دولا میرا خیال کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اب کی بیماری سے بالکل نئی بات ہوئی ہے کہ مزاج اندر سے بدمزاج رہنے لگا ہے۔ طاقت بھی کم ہو گئی ہے۔ درود شریف کا اثر ہے جو چل پھر لیتی ہوں۔ خیر دوا [کا] جو نسخہ دیا ہے تاج دولا نے وہ کل سے پی رہی ہوں، کل صبح و شام دو خوراک حسبِ ہدایت پی۔ اور آج ایک ابھی پی ہے، گرمی ہو یا سردی ضرور لاہور آؤں گی۔ گرمی کا موسم ہے، سردی کا ہے یہ انتظار کرو تو عمر گزر جاویگی۔ آخر تم سب میرے بچے رہتے ہو ہر موسم میں، مجھ کو کیا ہوا ہے جو انکار کروں کہ یہ موسم اچھا ہے وہ موسم برا ہے۔ اسی جھگڑے میں رہ جاؤں تو پھر مل ہی نہ سکوں۔ یہ قلم برا ہے، سیاہی بھری تو ہے مگر رک رک جاتا ہے، پھر چلنے لگتا ہے۔ لاہور آ کر خود قلم لوں گی۔ آج کل میں ڈیوی کوز میں ہوں، مکان کی فکر کر رہی ہوں، یہ مل جاوے اچھا سا حمید منزل تو چھوڑتی نہیں۔ جو لوگ گھس گئے ہیں شکر ہے کہ ۳۰۰ کرایہ ہر ماہ دے رہے ہیں اور حمید منزل کے چاروں طرف لوگوں نے دوکانیں لگا لی ہیں۔(۵) اور کثرت سے میلا کر دیا ہے۔ بہرحال ڈیوی کوز میں ہوٹل میں ایک کمرہ میں کب تک؟ سڑک پر میں جا کر پھرنا پسند نہیں کرتی ہوں۔ مکان محمد محمود اللہ کراچی سے آ جاویں تو مکان اور لینا پڑے گا اور میں لاہور آ جاؤں گی مگر مشکل یہ ہے کہ لاہور میں رہوں کیسے۔ قید لگا

دی ہے کہ بلااجازت نہ جاؤ اور حد مقرر ہے اتنے دن رہو ورنہ پنشن بند ہو جاوے گی۔ دل پریشان رہتا ہے۔ ڈھائی سو پنشن کلدار(٦) ٥٠ منصب پنشن کو خالی کرو تو 300 ہو جاتی ہے 50 منصب مل کر 350 ساڑھے تین سو ماہوار بند کر دیں گے۔ اللہ اللہ کیا زمانہ آیا ہے۔ اس سے پاکستان آنا رہنا بہت مشکل ہو گیا ہے اور دل چاہتا ہے کچھ روز تمھارے پاس رہوں۔ دل خوش ہو۔ نسخہ بنوا لیا ہے، پی رہی ہوں کل سے۔ اثر جو ہوگا پھر تم کو لکھوں گی۔ بچوں کو، اختر کو پیار دینا۔ کمزوری اور پیٹ میں تکلیف رہتی ہے۔ دوا کل سے شروع ہے، کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں تکلیف رہتی ہے خصوصاً ہضم وقت شام۔ شام کو تکلیف ہونے لگتی ہے۔ دوا کل سے شروع ہے کل شام کو۔۔۔

پانچواں خط

از علیگڑھ

عابدہ سلطان
نورجہاں ڈاکٹر ۱۲ ر تاج دولہ
راحت جان نواب عثمان سلطان

25 - 9 - 49

پیار ہے تو دہلی علیگڑھ میں خوب آزمائش کر لی اس زمانہ میں بیمار
بیمار ہی رہی حیدرآباد سے آئی کہ وہاں مر نہ جاؤں مگر
یہاں آکر تو گرمی نے اور کچھ آب و ہوا نے مجبور کر کے بیماری رکھا
یہاں (وہاں) ہزار درجہ حیدرآباد میں تندرست تھی ہیں تو اصل تمہارے
پاس آنے کو اس سے خاص طور دہلی آئی تھی اور میری آرزو
میرا خیال پورا نہ ہوا اس جا یہاں اداخانہ خراب کیوجہ
کہ میں لاہور آ سکی اب میں کہاں تک ہر گرمی اور یہ
سلسلہ علالت برداشت کروں اب اس گرمی کا اثر
میرے دل پر ہو نیلگا ہے تو میں حیدرآباد کچھ دن جا رہی
ہوں وہاں خط ملا ہے تب تو مالا مثل ہوں کہ
آجکل موسم ہو رہا ہے سبز سبز چاروں طرف
ہو گیا ہے تو میں کچھ دیر

۱۲۰۷

از علی گڑھ

25-4-49

نور چشمانم ڈاکٹر تاج دولا

راحتِ جان نواب عثمان عابدہ سلطان

پیار۔ میں [نے] تو دہلی علی گڑھ میں خوب آزمایش کر لی۔ اس زمانہ میں بیمار بیمار ہی رہی۔ حیدرآباد سے آئی کہ وہاں مر نہ جاؤں مگر یہاں آکر تو گرمی نے اور کچھ آب و ہوا نے مجھ کو کمزور بیمار ہی رکھا۔ یہاں وہاں میں ہزار درجہ حیدرآباد میں تندرست تھی۔ میں تو اصل تمھارے پاس آنے کو لاہور خاص طور سے دہلی آئی تھی اور میری آرزو، میرا خیال پورا نہ ہوا۔ اس جائداد خانہ خراب کی وجہ سے کہ میں لاہور آسکتی اب میں کہاں تک یہ گرمی اور یہ سلسلۂ علالت برداشت کروں۔ اب اس گرمی کا اثر میرے دل پر ہونے لگا ہے تو میں حیدرآباد مجبوراً جا رہی ہوں۔ وہاں خط ملا ہے تہذیب نور کا کہ شملہ سولن میں آج کل موسم ہو رہا ہے سرسبز چاروں طرف ہو گیا ہے تو میں مجبوراً حیدرآباد جا رہی ہوں۔کل محمد مقصود اللہ علی گڑھ [سے] یہاں آرہے ہیں اور حلیم اللہ اس کے بعد میں۔ شاید عید کروں یا نہ کروں۔ جانے کا خیال کر رہی ہوں کیونکہ اس موسم نے مجھ کو بالکل دن رات پکنا، پسینے میں بیمار کمزور ہوگئی۔ عمر میں پہلی یہ ایسی گرمی دیکھی ورنہ ہمیشہ شملہ سولن یا حیدرآباد رہا۔ تہذیب نور کا خط ملا ہے، حیدرآباد میں چاروں طرف سرسبز اور ہوا سرد چل رہی ہے۔ میں اس عمر میں اب یہ زمانہ کمزور ہو کر نہیں برداشت کر سکتی۔ خیر جاڑوں میں اگر زندہ رہی تو آؤں گی۔ خدا کرے لاہور آسکوں ورنہ یہ جائداد کو سلام ہے جو مجھ کو وہاں آنے سے روک رہی ہے۔ تمھارے دولا سے نہ مل سکی از حد افسوس ہو رہا ہے۔ میری دعا پیار اپنے دولا کو اور بچوں کو دینا۔ فقط

بی اماں گردپوش مدینہ

کاغذ خراب ملا ہے۔ دوسری طرف پھوٹ جاتا ہے۔ یہ کاغذ بھی قسمت سے خراب ملا ہے۔ عجیب ملک ہے دہلی، خدا بچاوے اس موسم سے، وہاں کیا حال ہے۔ لکھنا موسم کا۔ میرے لیے ٹانک [کا] کوئی نام لکھوا دو دولا میاں سے، حافظہ خراب ہو رہا ہے۔

خط علی گڑھ جواب دو جلدی۔

چھٹا خط

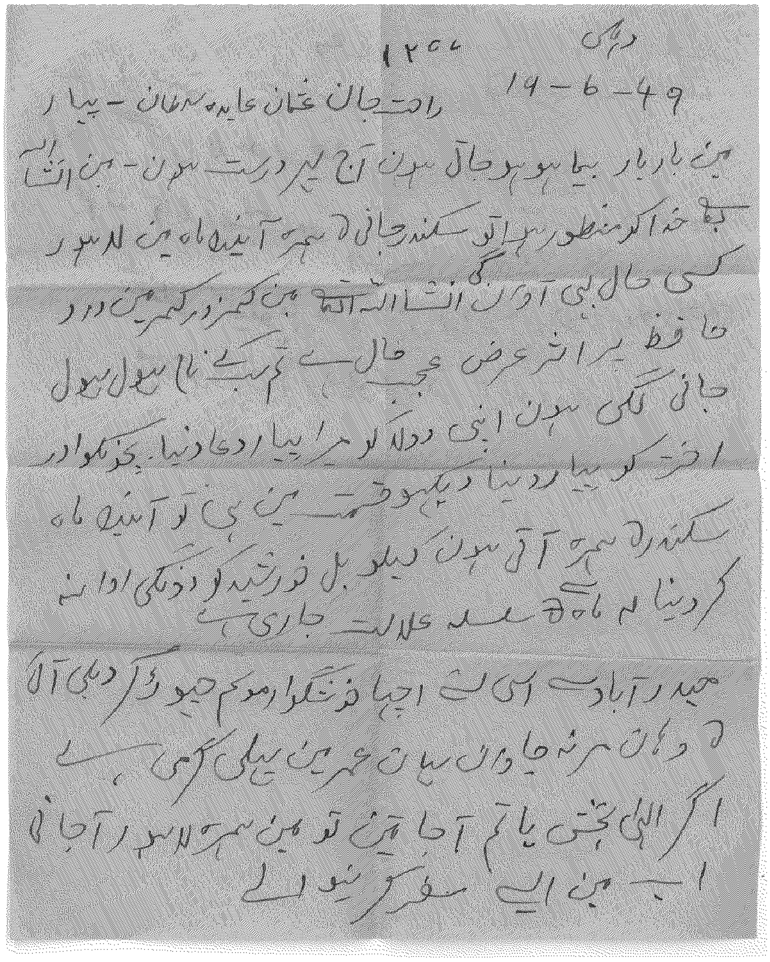

دہلی

۱۲۰۷

19-6-49

راحت جان عثمان عابدہ سلطان - پیار

میں بار بار بیمار ہو ہو جاتی ہوں آج پھر درست ہوں - میں انشاء اللہ

بشرط خدا کو منظور رہا تو سکندر جانی کی شادی پر آئندہ ماہ میں لاہور

کسی حال بھی آؤں گی انشاء اللہ میں کمزور کمزور ہوں دور

حافظ پیرا اثر غرض عجب حال ہے تم سب کے نام سول سول

جانی لگی ہوں اپنی دولہن کو میرا پیار دعا دینا بچوں کو اور

اختر کو پیار دعا دینا دیکھو قسمت میں ہی تو آئندہ ماہ

سکندر کی شادی پر آتی ہوں [illegible] خورشید کو دو بکی ادا نہ

کر دینا [illegible] سلسلہ علالت جاری ہے

حیدر آباد سے اسی لئے اچھا خوشگوار موسم چھوڑ کر دہلی آئی

کہ وہاں مرشد جاؤں یہاں عمر میں پہلی گرمی ہے

اگر الٰہی بخش یا تم آ جاتیں تو میں ضرور لاہور آ جاتی

اب میں اکیلے سفر کر سکتی ہوں

۱۲۰۷

دہلی

19-6-49

راحتِ جان عثمان عابدہ سلطان ۔ پیار

میں بار بار بیمار ہو ہو جاتی ہوں۔ آج پھر درست ہوں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ خدا کو منظور ہوا تو سکندر جانی کے ہمراہ آئندہ ماہ میں لاہور کسی حال بھی آؤں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ میں کمزور، کمر میں درد، حافظہ پر اثر غرض عجب حال ہے۔تم سب کے نام بھول بھول جانے لگی ہوں۔ اپنے دولا کو میرا پیار دعا دینا۔ بچّوں کو اور اختر کو پیار دینا۔ دیکھو قسمت میں ہے تو آئندہ ماہ سکندر کے ہمراہ آتی ہوں۔ کیلو بل خورشید(۷) کو دوں گی ادا نہ کر دینا،۴ ماہ سے سلسلۂ علالت جاری ہے۔

حیدرآباد سے اس لیے اچھا خوشگوار موسم چھوڑ کر دہلی آئی کہ وہاں مر نہ جاؤں۔ یہاں عمر میں پہلی گرمی ہے۔ اگر الٰہی بخش یا تم آ جاتیں تو میں ہمراہ لاہور آ جاتی۔ اب میں ایسے سفر کرنے والے سفر کی ہمت نہیں رہی۔ سکندر کے ہمراہ انشاء اللہ تعالیٰ آ جاؤں گی لاہور۔ فقط۔

بی امّاں گرد پوش مدینہ

تم نہ آنا ایک ماہ بعد۔ انشاء اللہ تعالیٰ آؤں گی سکندر کے ہمراہ۔ کیلو بل ضرور ضرور ادا نہ کر دو خورشید کو ہی دوں گی۔ میں تو وہاں آ کر لے لوں گی خورشید کو دوں گی۔

ساتواں خط

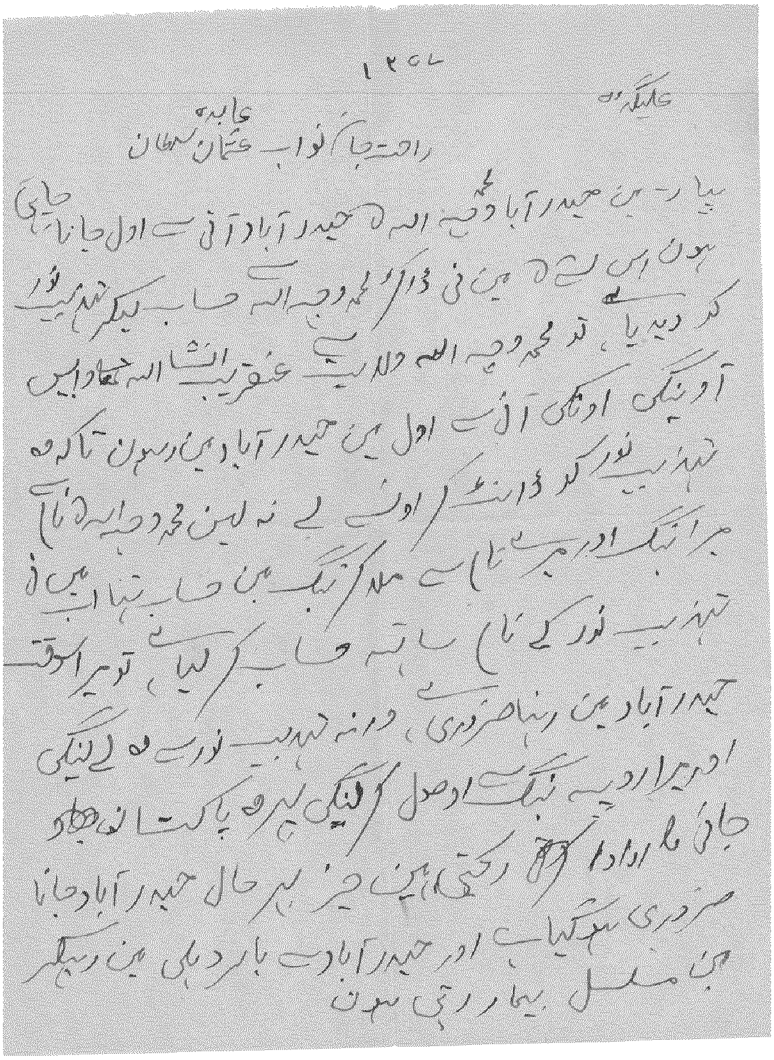

١٢٠٧

علیگڑھ

عابدہ
راحتِ جاں نواب عثمان سلطان

پیارے میں حیدرآباد محمد وجیہ اللہ کے حیدرآباد آنے سے اول جانا چاہتی
ہوں اس لئے کہ میں نے ڈاکٹر محمد وجیہ اللہ صاحب سے لیکر تہذیب نور
کو دیدیا، تو محمد وجیہ اللہ دلادیں گے عنقریب انشاء اللہ [illegible]
آوینگی اونکی آنے سے اول میں حیدرآباد میں رہوں تاکہ وہ
تہذیب نور کو ڈانٹ کر اونسے لے نہ لیں محمد وجیہ اللہ کا
مزاج تیکھا اور میرا نام سے ملا کر تیکھا میں صاحب شہاب میں وہ
تہذیب نور کے نام ساتھ صاحب نے کر لیا، تو میرا اسوقت
حیدرآباد میں رہنا ضروری ہے، ورنہ تہذیب نور سے وہ لے لینگی
اور میرا روپیہ بنک سے وصول کر لینگی پھر وہ پاکستان چلی
جانیکا ارادہ [illegible] رکھتی ہیں خیر بہرحال حیدرآباد جانا
ضروری ہوگیا ہے اور حیدرآباد سے باہر دہلی میں رہکر
میں مسلسل بیمار رہتی ہوں

۱۲۰۷

علی گڑھ

راحت جان نواب عثمان عابدہ سلطان،

پیار۔ میں حیدرآباد محمد وجیہ اللہ کے حیدرآباد آنے سے اول جانا چاہتی ہوں اس لیے کہ میں نے ڈاکٹر محمد وجیہ اللہ سے حساب لے کر تہذیب نور کو دے دیا ہے تو محمد وجیہ اللہ ولایت سے عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ واپس آویں گے۔ ان کے آنے سے اول میں حیدرآباد میں رہوں تا کہ وہ تہذیب نور کو ڈانٹ کر ان سے لے نہ لیں۔ محمد وجیہ اللہ کے نام سے میرا بنک اور میرے نام سے ملا کر بنک میں حساب تھا، اب میں نے تہذیب نور کے نام کے ساتھ حساب کر لیا ہے تو میرا اس وقت حیدرآباد میں رہنا ضروری ہے ورنہ تہذیب نور سے وہ لے لیں گے اور میرا روپیہ بنک سے وصول کر لیں گے۔ پھر وہ پاکستان جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خیر بہر حال حیدرآباد جانا ضروری ہو گیا ہے اور حیدرآباد سے باہر دہلی میں رہ کر میں مسلسل بیمار رہتی ہوں۔ تمھارے مل کر جانے کے بعد پھر میں بیمار ہو کر علی گڑھ آ گئی۔ حیدرآباد سے تندرست آئی۔ اب علی گڑھ میں بھی مزاج صاف نہیں ہے۔ وجیہ اللہ مجھ کو دیکھتے رہتے تھے، یہاں خورشید نے ڈاکٹر کو بلا کر دکھایا۔ اب ذرا مزاج درست ہے۔ بھوک بند ہے، حافظہ پر اثر ہے۔ خیر اب حیدرآباد جا کر ڈاکٹر کلیم اللہ میرا خیال رکھتے ہیں تو کچھ روز رہوں گی۔ دل لاہور آنے کو تڑپ رہا ہے۔ میں [مجھے] تو جائداد سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں دہلی سے لاہور نہیں آ سکتی۔ کیا کروں، عقل حیران ہے۔ میں روز اور کمزور ہو رہی ہوں۔ حیدرآباد میں آج کل خوش گوار موسم ہے۔ ہوا سرد، سرسبز ہو رہا ہے۔ جا کر وہاں میرا مزاج درست ہو جاوے گا۔ یہاں تو گرمی موجود ہے ابھی تک اگر کچھ کم رہی ہے۔ مگر ہے۔

کاغذ خراب ہے، دوسری طرف حروف پھوٹ جاتی ہیں کمبخت۔ اس زمانہ میں ہر چیز خراب مل رہی ہے۔ خراب زمانہ آ گیا ہے۔ سکون قلب جاتا رہا۔ حیدرآباد بھی رخصت ہو گیا۔ دل لاہور

آنے کو تڑپ رہا ہے۔ محمود اللہ آ جاویں تو نام اپنا نکلوا کر تم سب کا ڈلوا دوں بس۔ تقسیم ناممکن ہے۔ اس زمانہ میں پاکستان کا تو نام ہی لینا مشکل ہو رہا ہے۔ میرا مزاج کمزور ہو گیا ہے۔ خراب ہے یہاں کی گرمی سے اس سے، اس لیے حیدرآباد بھاگ رہی ہوں کہ اوسان درست ہو جاویں۔ تہذیب نور کا خط ملا ہے۔ حیدرآباد میں ہوا سرد اور بہار کا موسم ہو رہا ہے۔ چاروں طرف سرسبز ہو رہا ہے تو جا رہی ہوں۔ کیا کروں؟ کہاں رہوں؟

ہوٹل سے دل پریشان ہے۔ نہ گھر ہے نہ در۔ اب کیا کروں۔ کاش لاہور آ جاتی تو سکون سے رہتی۔ خیر مرضی خدا کی۔ اپنے دولا کو بچّوں کو پیار، اختر سلطان سے ملنے کو دل تڑپ رہا ہے۔ میں اس ہفتہ شاید حیدرآباد چلی جاؤں۔ فقط۔

بی امّاں گرد پوش مدینہ

آٹھواں خط

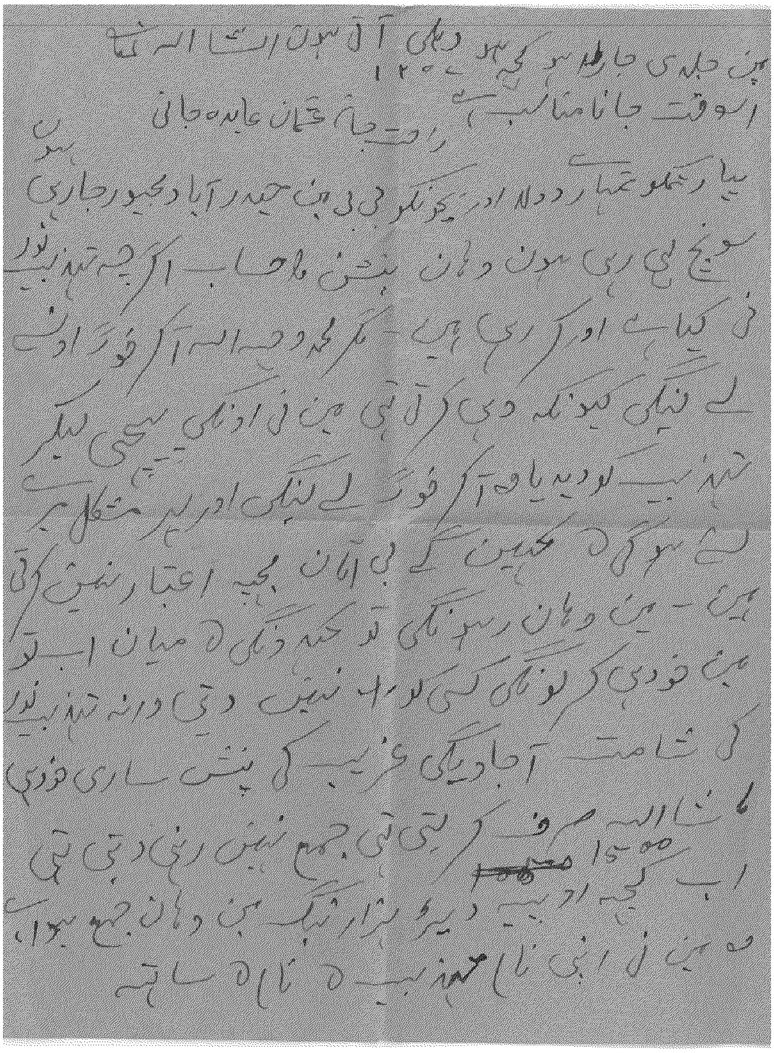

میں جلدی جا رہی ہوں کیونکہ ۱۲ سے دہلی آ گئی ہوں انشاء اللہ
اس وقت جانا مناسب ہے رات جانا عثمان عابدہ جانی
ہوں
بیٹا تمکو تمہارے دولہا اور بچوں کو بھی میں حیدرآباد مجبوراً جا رہی
سوچ لی رہی ہوں وہاں پنشن کا حساب اگرچہ تمہارے نور
نے کیا ہے اور کر رہے ہیں مگر محمود نے اسے آ کر فوراً اوٹ
لے لینگی کیونکہ وہی کر آتی ہیں میں نے ان کی بھیجی لیکر
تمہارے کو دیدیا وہ آ کر فوراً لے لینگی اور پھر مشکل ہو
لے ہوگی وہ محمد کے بی ایمان مجھے اعتبار نہیں کرتی
ہیں۔ میں وہاں رہونگی تو کچھ ذکر کا میاں اسکو
میں خود ہی کر لونگی کسی کو دینے نہیں دیتی ورنہ تمہارے نور
کی شامت آجاویگی غریب کی پنشن ساری خود ہی
ماشاءاللہ صرف کر لیتی تھی جمع نہیں رہنے دیتی تھی
اب کچھ روپیہ ~~[illegible]~~ 1500 ڈیڑھ ہزار بینک میں وہاں جمع ہوا ہے
وہ میں نے اپنی نانا تمہارے کا نام سے

میں جلدی جاڑا ہو کچھ ہو، دہلی آتی ہوں، انشاء اللہ اس وقت جانا مناسب ہے۔

۱۲۰۷

راحت جان عثمان عابدہ جانی،

پیار تم کو تمھارے دولا اور بچّوں کو۔ بی بی میں حیدرآباد مجبور [اً] جا رہی ہوں۔ سوچ بھی رہی ہوں وہاں پنشن کا حساب اگرچہ تہذیب نور نے کیا ہے اور کر رہی ہیں، مگر محمد وجیہ اللہ آ کر فوراً ان سے لے لیں گے کیوں کہ وہی کرتے تھے۔ میں نے ان کے پیچھے لے کر تہذیب کو دے دیا۔ وہ آ کر فوراً لے لیں گے اور پھر مشکل میرے لیے ہوگی کہ کہیں گے بی امّاں مجھ پہ اعتبار نہیں کرتی ہیں۔ میں وہاں رہوں گی تو کہہ دوں گی کہ میاں اب تو میں خود ہی کرلوں گی، کسی کو اب نہیں دیتی ورنہ تہذیب نور کی شامت آ جاوے گی۔ غریب کی پنشن ساری خود ہی ماشاء اللہ صرف کر لیتی تھی، جمع نہیں رہنے دیتی تھی۔ اب کچھ ۱۵۰۰ روپیہ ڈیڑھ ہزار بنک میں وہاں جمع ہوا ہے۔ وہ میں نے اپنے نام تہذیب کے نام کے ساتھ اکاونٹ کھول لیا ہے۔ سب کیا کرایہ وہ آ کر ماشاء اللہ لے لیں گے۔ میں وہاں رہوں گی تو کچھ نہ کر سکیں گی، بس یہ خیال ہے۔ دوسرے گرمی میں یہاں از حد کمزور اور بری حالت ہوگئی ہے۔ اب سردی میں کیا ہوگا۔ گذشتہ جاڑوں میں فریش ہوگئی تھی جیسے لاہور میں جاڑوں میں ہوگئی تھی۔ میں اس گرمی میں بہت کمزور ہوگئی ہوں۔ جب تم آئی تھیں تو بستر پر تھی، جب ذرا بہتر تھی تب بھی پلنگ پر تھی۔ کمزوری بہت ہوگئی تھی۔ اس لیے تمھارے ابّا جان گرمی میں شملہ سولن پر رہتے تھے۔ اب اگر حیدرآباد گئی تو درست ہو کر آتی ہوں انشاء اللہ تعالیٰ، میں خود وہاں رہنا نہیں چاہتی۔ جاڑے تو مجھ کو پسند ہیں۔ بھوک بند ہے مگر جسم ویسا ہے، دبلا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر تاج دولا، بچّوں کو پیار کرو۔ فقط۔ بی امّاں گرد پوش مدینہ۔

[اگلے صفحے سے خط دوبارہ شروع ہو جاتا ہے]

میں تو دہلی میں مرنا چاہتی ہوں اس لیے حیدرآباد میں اب رہنا نہیں چاہتی۔ اس وقت انتظام

کے خیال سے جا رہی ہوں۔ خدا کرے تمھارے پاس آ کر رہ سکوں۔ جب سے خورشید کے پاس آئی ہوں بہت آرام ہے۔ شب و روز میری خبر رکھتی ہیں دوا سے، غذا سے، دعا دل سے نکل رہی ہے۔ تم خوش قسمت ہو جو خدا نے بیٹی پیاری اختر تم کو عطا فرمادی۔ خدا بیٹوں کو رکھے مگر بیٹی ماں باپ کے لیے ضروری ہے۔ میں بھائی ابّا جان (۱۱) کے پاس تھی، کوئی بیٹا نہ تھا۔ (۱۲) بیٹی کی تم اور ڈاکٹر تاج دولا بہت قدر کریں۔ حضور انور محمد رسول اللہ صلعم کو بیٹی پسند تھی۔ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہی پاس رہا کرتے تھے۔ فقط۔

بختاور دلہن (۱۳) سلام اور چھوٹے میاں کو پیار کرتی ہے اور چاند بی بی کو۔ فقط۔

حواشی

۱۔ بیگم سربلند نے حیدرآباد میں تربیت گاہ کے نام سے ایک اسکول قائم کیا تھا جو خصوصاً یتیموں اور غریب بچّوں کے لیے تھا۔

۲۔ بیگم سربلند کے داماد اور ان کی بیٹی عثمان عابدہ سلطان کے شوہر۔

۳۔ بیگم سربلند کے بیٹے حلیم اللہ کا ایک ریستراں جو دہلی کے کناٹ پلیس میں واقع تھا۔ ہندوستانی سرکار نے بیگم سربلند کا گھر حمید منزل املاک متروکہ مان کر ضبط کیا تھا، اس لیے وہ کناٹ پلیس میں حلیم اللہ کے کرائے کے فلیٹ میں رہ رہی تھیں۔ حمید منزل کو واپس لینے کے لیے مقدمہ چلا تھا لیکن بیگم سربلند کے انتقال تک واپس نہیں ملا تھا۔ اور کئی سال تک چلتا رہ۔ ان خطوط میں وہ بار بار اس مسئلہ پر اپنی پریشانی کا اظہار کرتی ہیں۔

۴۔ بیگم سربلند کے داماد اور ان کی بیٹی عثمان عابدہ سلطان کے شوہر۔

۵۔ حمید منزل دریا گنج میں واقع تھا جہاں بعد میں گولچہ سنیما بنایا گیا تھا۔

۶۔ پہلے زمانہ میں روپیہ کو کلدار بھی کہا جاتا تھا۔ ہندوستان میں حیدرآباد آخری ریاست تھی جس کا اپنا سکّہ ہوتا تھا۔ باقی ریاستوں میں برٹش انڈیا کا کلدار یا روپیہ چلتا تھا۔ یہ صاف نہیں ہے کہ یہاں برٹش کلدار یا عثمانی

''حالی کلدار'' کی بات ہو رہی ہے۔

۷۔ان کی سب سے بڑی بیٹی جو عبدالمجید خواجہ کی بیگم تھیں اور شاید اُس وقت علی گڑھ میں رہتی تھیں۔

۸۔بیگم سربلند کے منجھلے بیٹے۔

۹۔آخر کار وجیہ اللہ کراچی میں جا بسے۔

۱۰۔اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ اگر بیگم سربلند لاہور جا کر اپنی بیٹی سے ملتیں تو ہندوستانی سرکار ان کو مہاجر قرار دے کر ان کی جائداد ضبط کر لیتی۔

۱۱۔بیگم سربلند کے والد صاحب، آغا مرزا بیگ۔

۱۲۔اس کا مطلب غالباً یہ ہے کہ بیگم سربلند نے سب سے زیادہ خود اپنے والد کی خدمت کی تھی۔

۱۳۔بیگم سربلند جنگ کی ملازمہ جو کم عمری سے ہی ان کے پاس رہتی تھی۔

ضمیمہ ۳

بیگم سربلند کا شجرۂ نسب

بیگم سربلند کا شجرۂ نسب

ہندوستان کے سیاسی اور سماجی نشیب وفراز نے بیگم سربلند کی زندگی کی تشکیل کی۔ ان کے آباو اجداد کا تعلق تو دہلی سے تھا لیکن کچھ حالات ایسے بنے کہ ان کی پیدائش حیدرآباد میں ہوئی۔ ان کے رشتہ دار برصغیر کے کونے کونے میں موجود ہیں۔ ان کی زندگی کی سوانح اور ان کے سفرنامے کو پوری طرح سے سمجھنے کے لیے ہمیں ان کے خاندانی پس منظر کو دیکھنا ہوگا۔ دوسرے نوابی خاندانوں کی طرح، اس خاندان کی توسیع بھی قابل دید ہے۔ بیگم سربلند کے شجرے میں بہت نامور اسم گرامی کے تذکرہ ملتے ہیں، جن سے مورخین، ادبی ذوق رکھنے والے اور سیاست سے تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی واقف ہوں گے۔ اس شجرے میں ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کے ناموں کو فراموش تو کر دیا گیا لیکن ان کے کارنامے یادگار ہیں۔ اس ضمیمے میں ہم کو ان کے خاندان اور تاریخی پس منظر کی جھلک ملتی ہے۔ بیگم سربلند کے سفرنامے میں ہم کو بہت سے لوگوں کا تذکرہ ملتا ہے لیکن یہ کڑیاں اتنی الجھی ہوئی نظر آتی ہیں کہ کبھی کبھی ایک دوسرے سے ان کا رشتہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس شجرے میں حتی المقدور ان رشتوں کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اور اس شجرے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بیگم سربلند کا اکابر زماں اور سربرآوردہ شخصیات سے کیسا تعلق تھا۔

یہ شجرہ سال ہا سال کی کاوشوں اور تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اور شجرے کو شکل دینے کے لیے میں نے ہر اس دروازے پر دستک دی جہاں مجھے یہ احساس ہوا کہ یہاں پر وہ ذرائع موجود ہیں جو مجھے کسی بھی طرح کی مستند معلومات فراہم کرا سکتے ہیں۔ ان

میں مندرجہ ذیل ذرائع سب سے اہم مانے جا سکتے ہیں:

۱۔ بیگم سربلند کے پوتے سے، خصوصاً عابد الٰہی صاحب، نجیب جنگ صاحب، شاکرہ سلطان بیگم، اور مرزا جہاندار برلاس صاحب۔

۲۔ وہ شجرہ جو مرزا حیدر جیون بیگ جیون یار جنگ نے ۱۸/دسمبر ۱۹۱۹ء کو تیار کیا تھا۔

۳۔ تاریخی کتابیں مثلاً بیگم سربلند کا سفرنامہ، آغا مرزا بیگ کی خودنوشت سوانح عمری، ذکاء اللہ خان کی تصنیف کردہ سوانح عمری سمیع اللہ خان، ریاستوں کے سلسلۂ راجگان، وغیرہ۔

اس شجرے کو پڑھتے ہوئے آپ کو کئی باتوں کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اوّل یہ کہ شجرۂ ہٰذا مکمل نہیں ہے اور اس کو صرف ایک خاکہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس شجرے میں سرِفہرست جو نامِ نامی واسمِ گرامی ہے وہ مغلیہ سلطان شاہ عالم ثانی کا ہے جو ماشاء اللہ کثیر الاولاد تھے، ان کی اولادوں کی کل تعداد ساٹھ یا ستّر سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ان شہزادوں اور شہزادیوں کی گودیں بھی اللہ کے فضل و کرم سے بڑی آباد رہیں۔ اس خاندان کا مکمل شجرہ تیار کرنے کے لیے شاید میرے قلم کی روشنائی ناکافی ہو۔ اس لیے تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف منتخب اور اہم اسمِ گرامی کو اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ اس شجرے میں خواتین کے ناموں پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ بقول بیگم سربلند، ہمیں دنیا کو عورت کی نظر سے بھی دیکھنا چاہیے۔

اس شجرے میں بہت سی خواتین کے نام مل جاتے ہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے۔ اگلے زمانے میں شریف مسلمان خاندانوں میں رسائل و جرائد اور کتابوں میں خواتین کا نام لکھنا اور شائع کروانا ایک غیر معمولی عمل تھا، اور چند لوگوں کے نزدیک یہ عمل فتنہ انگیز بھی تھا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس خاندان کی زیادہ تر بیگمات کے نام درج ہیں۔ درحقیقت اگر ان بیگموں کے ناموں پر ہم تاریکی کے پردے ڈال دیں تو اس خاندان کا شجرہ نہیں بن پائے گا: خواہ مرزا غالبؔ ہوں یا شاہ عالم ثانی، ان سب سے خاندان کی کڑیاں ملانے والی خواتین ہی ہیں۔ خیر، خاندان نے ان خواتین کے نام فراموشی کے طاق پر رکھنے کے بجائے ان کو باقاعدہ

محفوظ کیا ہے۔ امانی جان، چھوٹی بیگم، سکندر زمانی بیگم۔ یہ سب بیگمات تعلیم یافتہ تھیں اور سب بڑی محترم خواتین تھیں۔ اس شجرے میں مَیں نے ان کے ناموں کو زیادہ ترجیح دی ہے تا کہ ہندوستان کی نسائی تاریخ پر تھوڑی بہت ہی سہی مگر روشنی ڈالی جا سکے۔

یہ شجرہ دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصّہ بیگم سربلند اور حمید اللہ خان پر مبنی ہے۔ جن لوگوں کی طرف میں قارئین کی توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہوں ان کے مختصر نام خانوں میں لکھے گئے ہیں۔ مکمل نام اور باقی افراد کے نام شمارے کے حساب سے دیے گئے ہیں۔ اس کی تفصیل متعلقہ فہرست میں لکھی گئی ہے۔ جہاں خواتین کے نام دستاویز میں نہیں ملے ہیں؛ اس صورتِ حال میں خاتون کا نشان (♀) استعمال کیا گیا ہے۔

شجرے کا دوسرا حصہ بیگم سربلند جنگ اور حمید اللہ خان کے بچّوں اور پوتوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ان دونوں شجروں میں کہیں کہیں مجھے تاریخی اور دیگر ذرائع سے پختہ اور اطمینان بخش معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ جہاں کہیں بھی ذرائع میں نامطابقت نظر آئی تو میں نے خاندانی دستاویزوں کو فوقیت دی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شجرے کا جدول

1. مولوی محمد مجید اللہ
2. سکندر (یہ شاید برخوردار محمود احمد کی والدہ ہیں)
3. نواب محمد حمید اللہ خان سربلند جنگ (۱۸۶۴ء-۱۹۳۰ء)
4. اختر النساء بیگم سربلند جنگ (۱۸۷۶ء-۱۹۷۵ء)
5. مولوی سمیع اللہ خان (۱۸۳۴ء-۱۹۰۸ء)
6. سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء)
7. مولوی عزیز اللہ (متوفی ۱۹۵۴ء)
8. خواجہ محمد یوسف (متوفی ۱۹۰۲ء)
9. عبد المجید خواجہ (۱۸۸۵ء-۱۹۶۲ء)
10. خورشید بیگم (۱۸۹۴ء-۱۹۸۱ء)
11. برکت اللہ خان (متوفی ۱۸۳۷ء)
12. محمد احمد خان عرف حاجی شیخ
13. خلیل اللہ خان (متوفی ۱۸۳۷ء)
14. قریشہ بیگم
15. شہزادی بیگم
16. بختاور بخت
17. شاہ عالمگیر ثانی (۱۶۹۹ء-۱۷۵۴ء)
18. منور زمانی

19. مرزا جواد بیگ
20. انجمن النساء بیگم
21. واجد
22. ساجد
23. فیاض
24. آغا مرزا بیگ (۱۸۴۸ء-۱۹۳۳ء)
25. سکندر زمانی بیگم (پیدائش ۱۸۵۷ء)
26. مرزا عاشور بیگ
27. حیدر جیون بیگ جیون یار جنگ (پیدائش ۱۸۸۰ء)
28. مرزا یحییٰ بیگ (متوفی ۱۹۲۳ء)
29. راحیل بیگم شیروانی (۱۸۹۴ء-۱۹۸۲ء)
30. محمد عثمان جنگ
31. سکندر
32. محمد احسن خان
33. عزیزہ مریم
34. امان جان
35. قریشہ سلطان
36. اکبر بیگ (پیدائش ۱۸۹۳ء)
37. ذوالقدر جنگ (متوفی ۱۹۵۱ء)
38. خواجہ بدرالدین خان عرف کھوجم صاحب
39. امانی جان

40. محمد علی بخش خان (۱۸۰۲ء-۱۸۶۴ء)

41. نوشابہ بیگم

42. روشن آرا بیگم

43. بسم اللہ بیگم

44. محمد فخرالدین خان

45. عزیز النساء

46. سعید

47. مرزا اکبر بیگ خان عرف نوشہ بیگ

48. چھوٹی بیگم

49. مرزا یوسف (متوفی ۱۸۵۷ء)

50. مرزا اسداللہ خان غالبؔ (۱۷۹۷ء-۱۸۶۹ء)

51. عزۃ النساء بیگم

52. مرزا عبداللہ بیگ

53. خواجہ غلام حسین خان

54. مرزا نصراللہ بیگ

55. قوقان بیگ

56. امراؤ بیگم (۱۷۹۹ء-۱۸۷۹ء)

57. مرزا علی نواز جان

58. بنیادی بیگم

59. غلام حسین خان

60. الٰہی بخش خان معروفؔ

61. مرزا محمد علی خان

62. فخر الدولۃ احمد بخش خان نواب فیروز پور جھرکا

63. مرزا عارف جان بیگ خان

64. خواجہ ضیاء جان بیگ

65. مرزا عباس بیگ

66. یٰسین سلطان بیگم

67. بنت نواب اختیار الدولہ خواجہ احمد علی خان

68. عجیبۃ النساء

69. ندارد

70. شاہ عالم ثانی (۱۷۲۸ء-۱۸۰۶ء)

71. بنت خواجہ نعمۃ اللہ، قاضی القضات دہلی

72. محمد اللہ (بیگم سربلند کی اولاد کی تاریخ پیدائش و وفات کے لیے اگلا صفحہ ملاحظہ فرمائیں)

73. محمود اللہ

74. مسعود اللہ

75. قدسیہ سلطان بیگم

76. مقصود اللہ

77. وجیہ اللہ

78. حلیم اللہ

79. تہذیب نور سلطان بیگم

80. عثمان عابدہ سلطان بیگم

اختر النساء بیگم سر بلند جنگ و
محمد حمید اللہ خان سر بلند جنگ
کے بچّوں اور پوتے پوتیوں کے نام

ا۔خورشید اقبال بیگم (۱۸۹۶ء-۱۹۸۱ء)، زوجۂ عبدالحمید خواجہ (متوفی ۱۹۶۲ء)

ا۔حبیب خواجہ

ب۔تاج خواجہ (اندازاً ۱۹۱۵ء-۱۹۹۳ء)

ج۔اختر خواجہ (۱۹۱۶ء-۲۰۰۶ء)

د۔علیمہ خواجہ [جڑواں] (۱۹۱۷ء-۲۰۱۲ء)

ہ۔سکندر خواجہ [جڑواں] (۱۹۱۷ء-۲۰۰۹ء)

و۔امۃ الجمیل خواجہ (۱۹۱۹ء- ۱۹۹۸ء)

ز۔احمد جمال یوسف خواجہ (۱۹۲۶ء-۲۰۲۰ء)

ح۔ڈاکٹر روبینہ خواجہ (۱۹۳۰ء- ۲۰۱۶ء)

ط۔اجمل مختار یوسف خواجہ۔(پیدائش ۱۹۳۲ء)، زوجہ: شاکرہ سلطان (پیدائش ۱۹۳۷ء)

۲۔محمد اللہ (پیدائش ۱۸۹۶ء-۱۹۳۹ء)، زوجہ: بنت ذوالقدر جنگ

ا۔خلیل اللہ جنگ

ب۔سمیع اللہ جنگ

۳۔ محمود اللہ (۱۸۹۹ء -۱۹۸۹ء)، زوجہ: شہزادی خیرالنساء بیگم، ریاست منگرول

(۱۹۰۵ء-۱۹۹۷ء)

ا۔آصف جنگ (۱۹۲۷ء- ۲۰۱۸ء)

ب۔سرور جنگ (پیدائش ۱۹۳۵ء)

ج۔ماہین جنگ (۱۹۴۲ء-۲۰۱۳ء)

۴۔مسعود اللہ۔ (اندازاً ۱۹۰۱ء-۱۹۸۷ء) زوجہ : سلیمان سلطانہ بنت حیدر جیون بیگ (۱۹۱۲ء-۱۹۹۶ء)

ا۔عزیز اللہ جنگ (۱۹۲۷ء-۱۹۹۴ء)

ب۔ساجدہ جنگ (۱۹۳۱ء-۲۰۲۳ء)

ج۔مظفر جنگ [بیٹی] (۱۹۳۳ء-۲۰۲۱ء)

۵۔قدسیہ سلطانہ بیگم۔زوجہ: جنرل اکبر خان (متوفی ۱۹۸۴ء)

ا۔رضیہ سلطانہ

ب۔ذکیہ سلطانہ (۱۹۳۰ء-۲۰۰۹ء)

ج۔حمیدہ سلطانہ (۱۹۳۳ء-۲۰۲۰ء)

د۔شہر بانو سلطانہ (۱۹۳۲ء-۲۰۱۲ء)

ہ۔امینہ سلطانہ (متوفی ۲۰۲۱ء)

و۔فضل علی اکبر

ز۔خالد اکبر

۶۔مقصود اللہ (پیدائش ۱۹۰۸ء)، زوجہ:شہزادی محمد زمان بیگم، ریاست کروائی

ا۔افتخار جنگ (پیدائش ۱۹۳۳ء)

ب۔رشید محبوب جنگ (پیدائش ۱۹۳۵ء)

ج۔ممتاز جنگ (پیدائش ۱۹۳۸ء)

۷۔ وجیہ اللہ علوی۔ زوجہ: عرشیہ

ا۔ اشرف

ب۔ حمید اللہ

ج۔ ثاقب

۸۔ حلیم اللہ (۱۹۰۹ء-۱۹۷۳ء)، زوجہ: رضیہ سلطانہ (۱۹۲۱ء-۲۰۱۶ء)

ا۔ عمر فاروق حمید جنگ (پیدائش ۱۹۴۰ء)

ب۔ اکبر حمید جنگ (پیدائش ۱۹۴۲ء)

ج۔ ظفر حمید جنگ (۱۹۴۴ء-۲۰۲۲ء)

د۔ نجیب حمید جنگ (پیدائش ۱۹۵۱ء)

۹۔ تہذیب نور (۱۹۱۲ء-۱۹۹۶ء)، زوجۂ کلیچ بیگ بن حیدر جیون بیگ (۱۹۰۶ء-۱۹۳۹ء)

ا۔ شاکرہ رشید سلطان۔ (پیدائش ۱۹۳۷ء)، زوجہ: اجمل خواجہ (پیدائش ۱۹۳۲ء)

۱۰۔ عثمان عابدہ سلطان الٰہی بخش (پیدائش ۱۹۱۴ء)، زوجۂ ڈاکٹر الٰہی بخش (۱۹۰۴ء-۱۹۶۰ء)

ا۔ محمد ہمایوں الٰہی (پیدائش ۱۹۳۴ء)

ب۔ محمد عارف الٰہی (۱۹۳۵ء-۲۰۲۱ء)

ج۔ محمد اسلم الٰہی (پیدائش ۱۹۳۶ء)

د۔ محمد معظم الٰہی (پیدائش ۱۹۳۸ء)

ہ۔ محمد عابد الٰہی (پیدائش ۱۹۴۶ء)

و۔ شاہدہ اختر سلطان الٰہی (پیدائش ۱۹۴۷ء)

ز۔ محمد ناصر الٰہی (پیدائش ۱۹۳۹ء)

ضمیمہ ۴

تاریخی تصاویر

تاریخی تصاویر

اس ضمیمے میں جو تصاویر شامل ہیں وہ ایک دریچہ ہے جو بیگم سربلند کی زندگی پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ اردو تاریخی سفرنامے اکثر یتیم ہوتے ہیں، یعنی وہ ایسے مصنفین کی تخلیقات ہوتے ہیں جو تاریکی میں گم ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگ جن کی اپنے تجربات سے دنیا کو روبرو کرانے کی خواہش کی تکمیل تو ہوگئی مگر ان کا وجود فراموش کر دیا گیا۔ لیکن بڑی پُرمسرت بات ہے کہ بیگم سربلند کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے خاندان کے پاس بہت سی تصاویر محفوظ ہیں جن کے ذریعے ان کی زندگی، فیشن اور افکار کی ایک جھلک مل جاتی ہے۔ اس خاندانی ورثہ کے علاوہ، سرکاری آرکائیوں میں بھی ایسی تاریخی تصاویر موجود ہیں جن سے بیگم سربلند کے سفر کے تجربات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس ضمیمے میں خاندانی اور سرکاری دونوں قسم کی تصاویر شامل کی گئی ہیں۔

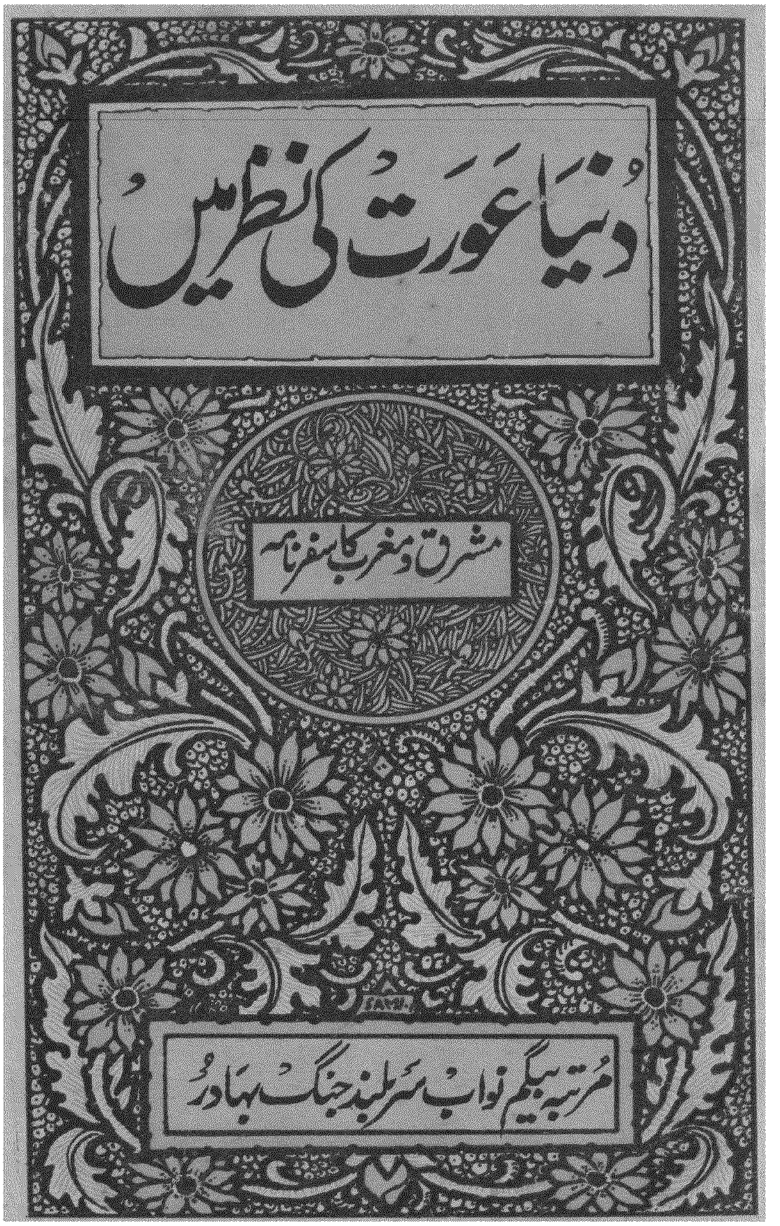

''دنیا عورت کی نظر میں'' کا سرورق۔ فوٹو: مملوکہ ڈینیل ماخرویچ

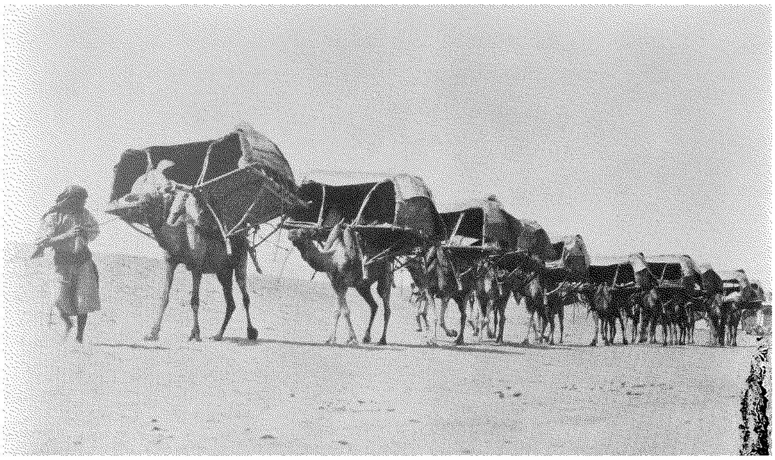

شغدفوں کا قافلہ۔ بیگم سربلند کو اس قسم کی نقل وحمل سے نفرت ہوگئی تھی۔ لائبریری آف کانگریس، پرنٹ اینڈ فوٹوگرافس ڈویژن، ایل.سی.ایم ۱۳۷۷۰-۳۲

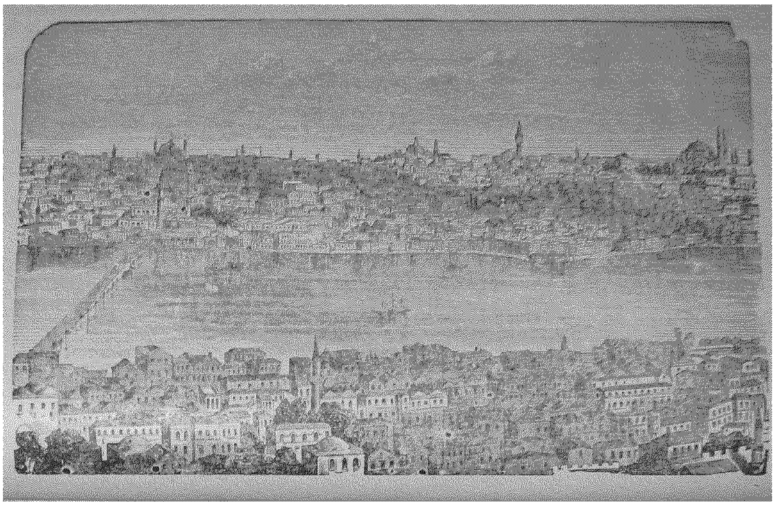

استانبول کی تصویر جو پیرا کی طرف سے بنائی گئی ہے۔ اس میں غلطہ کا پل بھی نظر آتا ہے۔ یہ تصویر نواب سربلند جنگ کے ''سفرنامۂ قسطنطنیہ'' میں شائع ہوئی تھی۔ فوٹو: مملوکہ ڈینیل ماخرویچ، ماخوذ از حمیداللہ خان، ''سفرنامۂ قسطنطنیہ'' ص ۲۴

تابوک شہر کے پاس حجاز ریلوے کے ایک اسٹیشن کے کھنڈرات۔ بیگم سربلند یہاں تھوڑی دیر کے لیے رُکی تھیں۔ فوٹو: مملوکہ ڈینیل ماخرویچ

بیگم سربلند لندن میں۔ (بائیں سے دائیں جانب) محموداللہ، عبدالمجید خواجہ، ڈاکٹر سجاد بیگ نواب عثمان نواز جنگ، مرزا عباس بیگ۔ فوٹو: مملوکہ عابد الٰہی و تاج خواجہ

اخبار میں نواب سربلند جنگ کی تصویر جو غالباً بیگم سربلند نے اسکندریہ میں دیکھی تھی۔ یہ تصویر ''دی گرافک''، لندن، ۸رجنوری ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ فوٹو: مملوکہ ڈینیل ماخروچ

۱۸۹۸ء کے آس پاس کی فوٹو۔ حیدرآباد میں (بائیں سے دائیں جانب) آغا مرزا بیگ، نواب حمیداللہ خان، و پسر آغا مرزا۔ فوٹو: مملوکہ جواہر خواجہ

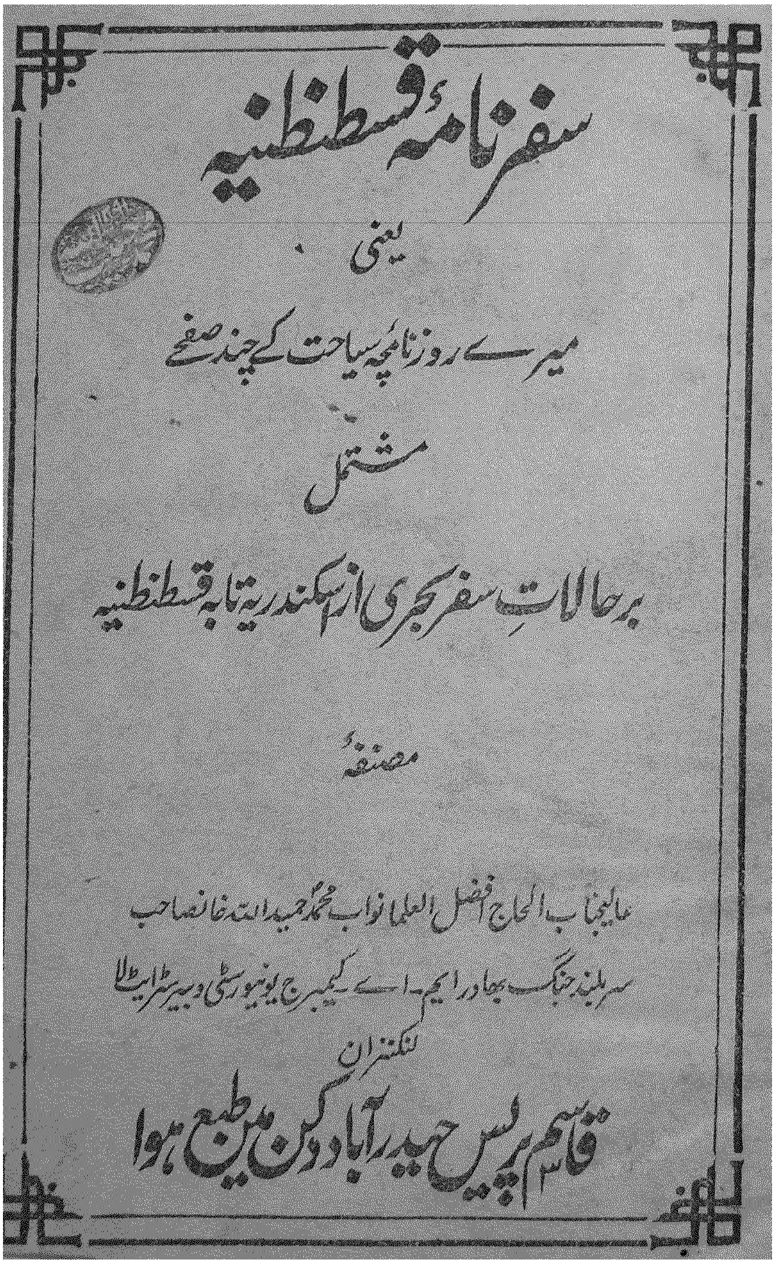

سفرنامۂ قسطنطنیہ

یعنی

میرے روزنامچۂ سیاحت کے چند صفحے

مشتمل

بر حالاتِ سفر بحری از اسکندریہ تا بہ قسطنطنیہ

مصنفہ

عالیجناب الحاج افضل العلما نواب محمد حمید اللہ خانصاحب

سربلند جنگ بہادر ایم۔ اے۔ کیمبرج یونیورسٹی و بیرسٹرایٹ لا

لنکنز ان

قاسم پریس حیدرآباد دکن میں طبع ہوا

نواب حمید اللہ خان سربلند جنگ کے ''سفرنامۂ قسطنطنیہ'' کا سرورق۔ فوٹو: مملوکہ ڈینیل ماخروچ

بیگم سربلند جنگ، اپنے سفر کے تقریباً
تیس سال کے بعد۔ فوٹو: مملوکہ عابد
الٰہی اور تاج خواجہ

بیگم سربلند اپنے عزیز پوتے عارف الٰہی
کو اپنی گود میں لیے ہوئے۔ یہ عکس
حیدرآباد میں ۲۱ر نومبر ۱۹۳۵ء کو لیا گیا
تھا، جس سال انھوں نے اپنے
سفرنامے کو چھاپ کر شائع کیا تھا۔
فوٹو: مملوکہ منیزہ الٰہی

بیگم سربلند کی پوتی شاکرہ سلطان بیگم اور ان کا پوتا عابد الٰہی ۱۹۴۹ء کے قریب۔ یہ فوٹو ۸۔ کلب روڈ والے گھر کی پھلواری میں کھینچی گئی ۔ فوٹو: مملوکہ عابدالٰہی صاحب

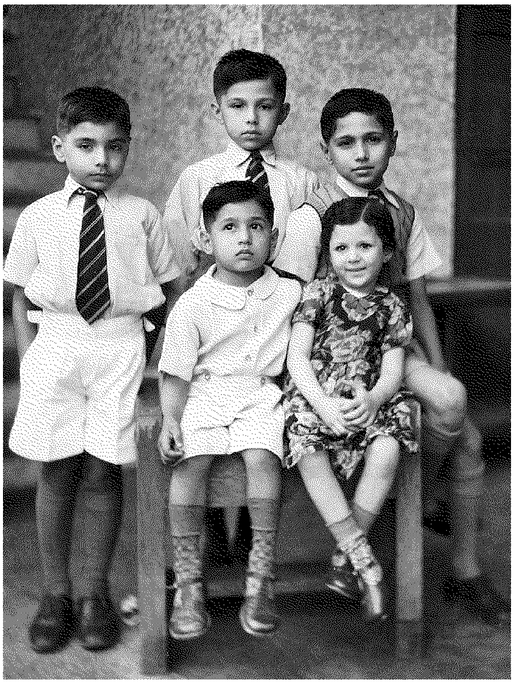

بیگم سربلند کے ۵ پوتے پوتیاں جن کا تذکرہ اس کتاب میں عابدالٰہی صاحب کے مضمون میں آتا ہے۔ کھڑے ہوئے، (دائیں سے بائیں): عارف الٰہی، اسلم الٰہی۔(بیٹھے ہوئے) : معظم الٰہی، شاکرہ نور سلطان، محمد ہمایوں الٰہی۔ فوٹو: مملوکہ عابدالٰہی صاحب

نجیب جنگ اپنی نانی اور نانا کی قبر پر، ۱۹۵۷ء میں، بیگم سربلند کے انتقال کے چند روز بعد۔ یہ قبر دلّی میں خواجہ باقی باللہ کی قبر کے پاس ہے اور بیگم سربلند کے والد کی آخری آرام گاہ کے پہلو میں ہے۔ بعد میں نجیب صاحب کے والدین بھی یہیں مدفون ہوئے تھے۔ فوٹو: مملوکہ نجیب جنگ

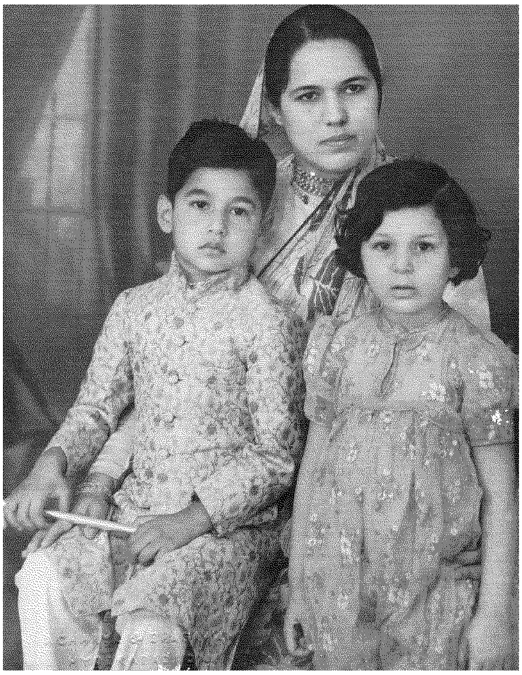

عثمان عابدہ الٰہی بخش اپنے بیٹے معظم الٰہی اور بھانجی شاکرہ نور سلطان کے ساتھ۔ یہ فوٹو حیدرآباد میں ۱۹۴۲ء میں لی گئی تھی معظم کی بسم اللہ کے موقع پر۔ فوٹو: مملوکہ عابد الٰہی

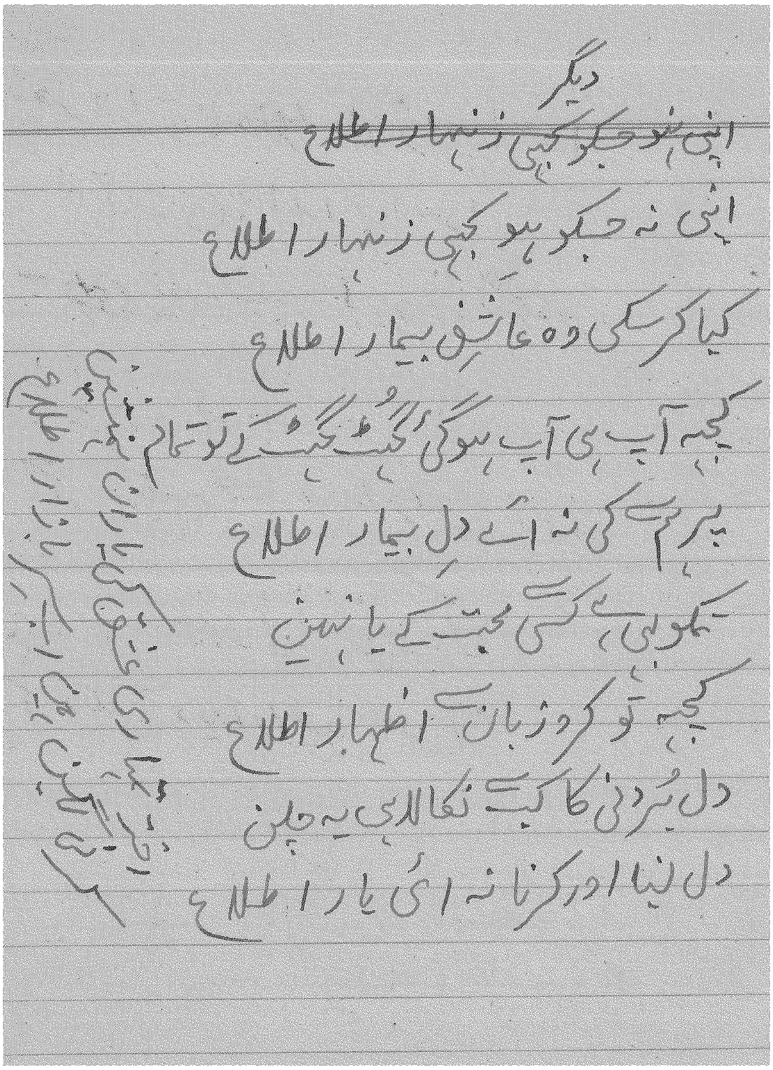
دیگر

~~اپنی ہو جسکو کبھی زنہار اطلاع~~

اپنی نہ جسکو ہو کبھی زنہار اطلاع

کیا کر سکی وہ عاشق بیمار اطلاع

کچھ آپ ہی آپ ہوگئی گھٹ گھٹ کے تو تمام

پر ہم کو کی نہ اُسے دل بیمار اطلاع

ہمکو ہے کسی محبت کے یا نہیں

کچھ تو کرو زبان سے اظہار اطلاع

دل بردنی کا کب سے نکالا ہے یہ چلن

دل لیا اور کرنا نہ ای یار اطلاع

بیگم سربلند کی اپنے خط میں لکھی ہوئی ایک غزل، جو انھوں نے ۱۹۴۰ء کے قریب کہی ہوگی، ان کے روزنامچے سے ماخوذ ہے۔ اس غزل کے پہلے مصرع کی تصحیح کی گئی ہے۔ یہاں اختر کا تخلص استعمال ہوا ہے۔ فوٹو: مملوکہ شاکرہ سلطان بیگم

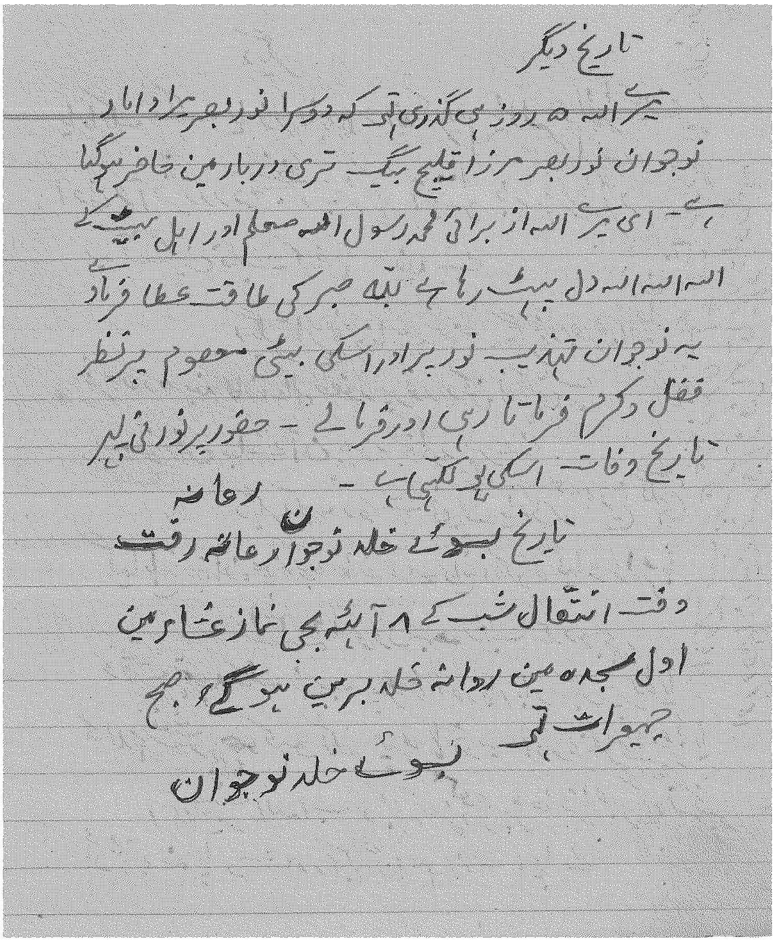

تاریخ دیگر

میرے اللہ ۵ روز ہی گذری تھی کہ دوسرا نور بصر داماد
نوجوان نور بصر مرزا قلیچ بیگ تیری دربار مین حاضر ہوگیا
ہے۔ ای میرے اللہ از برائی محمد رسول اللہ صلعم اور اہل بیت کے
اللہ اللہ اللہ دل پھٹ رہا ہے بلکہ صبر کی طاقت عطا فرمائے
یہ نوجوان تہذیب نور برادر اسکی بیٹی معصوم پر نظر
فضل وکرم فرماتا رہی اور فرمائے۔ حضور پرنور نے بھی
تاریخ وفات اسکی یہ لکھی ہے۔
رعنا
تاریخ بسوئے خلد نوجوان رعنا رفت
وقت انتقال شب کے ۸ آٹھ بجے نماز عشاء میں
اول سجدہ مین روانہ خلد برین ہوگئے، جمعرات تھی
بسوئے خلد نوجوان

بیگم سربلند جنگ کے روزنامچے میں چند تاریخِ وفات اپنے داماد مرزا قلیچ بیگ اور ان کے بیٹے کی وفات پر۔ مرزا قلیچ بیگ کے مرگِ ناگہانی سے پانچ دن پہلے، بیگم سربلند کے صاحبزادہ محمد اللہ کا بھی انتقال ہوگیا تھا۔ ان دونوں کا گذر جانا بیگم سربلند کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ یہ تاریخ نظام حیدرآباد، آصف جاہ ہفتم، نے کہہ کر ان کو بھیجی تھی۔ اس بات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بیگم سربلند کا تعلق نظام کے دربار سے کتنا مضبوط تھا۔ فوٹو: مملوکہ شاکرہ سلطان بیگم بنت المرحوم مرزا قلیچ بیگ

حوالہ جات

آغا مرزا بیگ، کارنامۂ سروری، یعنی، سوانحِ خودنوشت، مطبع مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۳۳ء

امۃ الغنی نورالنساء، سفرنامہ حجاز وشام ومصر، مرتب حسن جہان، ورڈ ماسٹر پبلیکیشنز، حیدرآباد، ۱۹۹۶ء

امینہ تحسین، حیدرآباد میں اردو کا نسائی ادب، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۱۶ء

بیگم انعام حبیب اللہ، تاثراتِ سفرِ یورپ، نول کشور پریس، لکھنؤ، ۱۹۳۷ء

بیگم سربلند جنگ، دنیا عورت کی نظر میں: مشرق ومغرب کا سفرنامہ، برقی پریس، دہلی بدون سن اشاعت

حمیداللہ خان، سفرنامۂ قسطنطنیہ، قائم پریس، حیدرآباد، بدون سن اشاعت

__________ سفرنامۂ مدینہ منورہ، انوراحمدی پریس، الہ آباد، ۱۹۱۴ء

__________ پلگر یماج ٹو مکہ اینڈ دی نیئر ایسٹ، بلیٹن پریس، سکندرآباد، ۱۹۱۲ء

راحیل بیگم شیروانیہ، زادسبیل یا رحلۃ الرحیل، مطبع مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۲۹ء

ڈینیل ماخروویچ، دی ورلڈ اِن ورڈز، کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج، ۲۰۲۳ء

ذکاءاللہ، سوانح عمری حاجی سمیع اللہ خان بہادر، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۹۷ء

سکندر بیگم بھوپال، تاریخِ سفرِ مکہ، بھوپال، ۱۸۶۷ء، ریف نمبر: پی۔ پی۔ ایم۔ ایس ۵۵، ڈرانڈ، باکس ۲، فائل ۱۲، سواس، یونیورسٹی آف لندن، لندن

سمیع اللہ خان، سفرنامہ، مولوی محمد سمیع اللہ خان، عمدۃ المطابع، امروہہ ۱۸۸۰ء

________، مسافران لندن، مرتب اصغرعباس، ایجوکشنل بک ہاوس، علی گڑھ، ۲۰۱۲ء

شاہ محمد داناپوری، سیرِ دہلی، ریاض ہند، آگرہ، ۱۸۹۴ء

فیض محمد صدیقی، ''لیڈی حیدری''، مشمولہ مجلّہ عثمانیہ، جلد ۱۵، شمارہ ۳، ۱۳۶۰ھ، ص ۱۰۳-۱۲۵

قیصری بیگم، کتاب زندگی، فضلی سنز، کراچی، ۲۰۰۳ء

مرزا محمد اکبر علی بیگ، محمد عزیز مرزا: شخصیت، حیات، اور کارنامے، اسلامی بک ڈپو، حیدرآباد، ۱۹۹۶ء

مہدی حسن خان، مہاراجا کشن پرشاد کی زندگی کے حالات، دارالمطبع حکومت حیدرآباد، حیدرآباد، ۱۹۵۱ء